قرآن و سنت کے انوار سے منور، عشق و معرفت کی خوشبو سے
معطر، طالبانِ حق کے لیے مشعلِ ہدایت سجادہ نشینِ ثالث، درگاہ
عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف، حضرتِ خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمۃُ
اللہ علیہ کے ملفوظاتِ عالیہ

بنام

نافعُ الطالبین

توضیح، تحقیق، تخریج

علامہ عبدالرحمٰن مروت

زیرِ اہتمام:

ادارہ فروغِ تعلیماتِ تصوّف راولپنڈی

درگاہ عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف
تحصیل ٹیکسلا، ضلع راولپنڈی۔

نام کتاب	نافع الطالبین
سنِ اشاعت	جنوری2026ء
توضیح، تحقیق، تخریج	عبد الرحمٰن مروت
پروف ریڈنگ:	حضرت علامہ مفتی محمد ایوب خان صاحب فاضل بھیرہ شریف
طابع	محمود پرنٹرز، راولپنڈی
سرورق	ادارہ فروغِ تعلیماتِ تصوف
ملنے کا پتہ	ادارہ فروغِ تعلیمات تصوف درگاہ عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف فون:0342-7590690

ضروری التماس

قارئین کرام! ہم نے اپنی بساط کے مطابق اس کتاب کے متن کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، تاہم پھر بھی آپ اس میں کوئی غلطی پائیں تو ادارہ کو آگاہ ضرور کریں تا کہ وہ درست کر دی جائے۔ ادارہ آپ کا بے حد شکر گزار ہو گا

فہرست مضامین

تقریظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

قرآن و سنت کے معانی و مفاہیم کے ادراک کے لیے اور مقصود و مطلوب کی وضاحت کے لیے مفسرین، محدثین اور متکلمین کی خدمات لائقِ صد تحسین و تبریک ہیں۔ بلاشبہ ان محسنینِ امت نے دینِ متین کو اس کی حقیقی شکل میں امت تک پہنچانے میں بے مثال کردار ادا کیا۔ لیکن ان طبقات کے علاوہ پندرہ سو سالہ مسلم تاریخ میں ایک اور طبقہ بھی ہے جنہیں متصوفین کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ یہ وہ عظیم الشان طبقہ ہے جس نے اسرار و رموزِ دین کو قلم و قرطاس کی زینت نہیں بنایا بلکہ احکامِ خداوندی اور نقوشِ سیرت کو قلب و ذہن میں مرتسم کر کے اصحابِ ایمان کو خداوندِ قدوس کا مقصود و مطلوب بندۂ مومن بنا دیا، ایسا بندۂ مومن جو اقبال کے الفاظ میں

ع قاری نظر آتا ہے، حقیقت میں ہے قرآن

مجھے اس اعتراف میں بھی کوئی تامل نہیں کہ تصوف کی کثرتِ ہائے تعبیرات نے متعدد ابحاث کو تحریکات کی شکل دے دی۔ کسی نے تصوف کو عین مقصودِ دین کہا تو کسی نے اسے متبادلِ دین قرار دیا۔ کسی نے اسے تطہیرِ قلب و ذہن کا ذریعہ بتایا تو کسی نے اسے امت کے جسد میں ایک مہلک ٹیکہ کہہ ڈالا۔ فی الحقیقت تمام تعصبات کو بالائے طاق رکھ کر تحقیق و تفحّص میں کوئی شخص سرگرداں ہو جائے تو امام غزالی کی زبان بن کر اس حقیقت کی لب کشائی کرتا ہے کہ تصوف وہ حقیقت ہے جو براہِ راست نورِ نبوت سے مستنیر ہے۔ تصوف کی امہات الکتب قوت القلوب، فتوح الغیب، کتاب اللمع، رسالہ قشیریہ اور

مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے ورق پلٹتے جائیں تو محسوس ہوتا ہے کہ آپ کتاب پڑھ نہیں رہے، مرشدِ گرامی آپ کا ہاتھ تھامے جادۂ مستقیم پر رواں دواں منزلِ مقصود کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

فرمانِ رسول ﷺ پر ہمارا ایمان ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جس دن یہ اللہ اللہ کرنے والے دنیا سے رخصت ہو گئے، اسی روز قیامت برپا ہو جائے گی۔ اس وقت بھی میرے ہاتھ میں پندرہ سو سال کے بعد کے ایک جید صوفی کے رشحاتِ قلم اور ملفوظاتِ طیبات پر مشتمل ''نافع الطالبین'' کی صورت میں ایک تصنیفِ لطیف ہے، جو ٹیکسلا کے قریب گڑھی شریف کے باکمال صوفی محقق اور صاحبِ طرز ادیب خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہے۔

اس کتاب کے شروع میں نوجوان محقق، جوئے حق مصنف جناب علامہ عبد الرحمن مروت کے پیش لفظ کے عنوان سے مختصر سی تحریر ہے، جو مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جامع ہے۔ مشہور کہاوت ہے کہ لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون عیاں ہو جاتا ہے، اسی طرح یہ پیش لفظ باصرہ نواز ہوتا ہے۔ کتاب کے اندر پائے جانے والے مبنی بر حقیقت اسرار و رموز عیاں ہو جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے ملفوظات سے پہلے ''اثباتِ تصوف'' کے عنوان سے حضرت ممدوح کی ایک تحریر، جو پہلے ایک رسالے کی صورت میں طبع ہوئی تھی، اب اس کتاب کی تقدیم کی صورت میں شاملِ اشاعت ہے۔ یہ رسالہ جہاں محقق موصوف کی جلالتِ علمی اور وسعتِ مطالعہ کا شاہکار ہے، وہیں اثباتِ تصوف پر ایک انتہائی جامع اور مبسوط تحریر ہے۔

''اثباتِ التصوف'' کے بعد نافع الطالبین میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا تعلق علمِ کلام سے بھی ہے، فقہی جزئیات سے بھی ہے، اور کشف و کرامات کا ظہور بھی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک دمک رہا ہے۔

جناب علامہ عبد الرحمٰن مروت صاحب کو کن الفاظ میں ہدیۂ محبت پیش کروں

کہ انہوں نے تحقیق و تخریج اور حواشی کے ذریعے اس کتاب کو تصنیفی خوبیوں سے نہایت عمدگی اور شائستگی کے ساتھ مزین کیا ہے۔ اللہ رب العزت اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ یہ کتاب جہاں تونسہ شریف کی فیض یافتہ خانقاہ گڑھی شریف کے مریدین و متوسلین کے لیے تشکیلِ سیرت و کردار کا ذریعہ بنے گی، وہاں صوفیا سے محبت رکھنے والے جملہ طالبینِ جادۂ حق کے لیے قرآن و سنت سے کشید کیے جانے والے معانی و مفاہیم کو سمجھنے میں معین و مددگار ہوگی۔

طالبِ خیر
پروفیسر ڈاکٹر صاحبزادہ ساجد الرحمن
سجادہ نشین
خانقاہ نقشبندیہ مجددیہ بگھار شریف
کہوٹہ، ضلع راولپنڈی

پیش لفظ

ملفوظاتِ صوفیہ دراصل روحانیت کی وہ درخشاں یادگاریں ہیں جو کسی بزرگِ کامل کے سوانح واذکار، تعلیمات و نظریات، پند ونصائح اور علمی جواہر پاروں کو یکجا کرتی ہیں۔ یہ بظاہر ایک سوانحی مجموعہ محسوس ہوتی ہیں، مگر درحقیقت یہ ایسے بکھرے ہوئے شہ پارے ہیں جن میں معرفت و عشق کے دریا موجزن ہیں۔ صوفیائے کرام کے ملفوظات گویا لب ہائے نازنیں سے نکلے ہوئے کلماتِ قدسیہ ہوتے ہیں، جو ہزاروں وعظ و خطابات پر فائق و برتر ہیں۔ فیض یافتہ تلامذہ اور حاضر باشانِ مجلس ان اقوالِ مبارکہ کو اپنی روحانی بصیرت اور ضبطِ تحریر کے ذریعے محفوظ کرتے، تاکہ یہ انوارِ حکمت آنے والی نسلوں تک پہنچ سکیں۔

برصغیر پاک وہند میں ملفوظات نویسی کی روایت کی ابتداء حضرتِ شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہٗ کی مجالس سے ہوئی۔ آپ کے ارشادات کو حضرتِ امیر حسن علاء سجزی نے جمع فرمایا، جو بعد میں ”فوائد الفوائد“ کے نام سے مشہور ہوئے۔ صاحبِ سیر الاولیاء نے لکھا ہے کہ حضرتِ امیر خسروؒ اپنی تمام تصانیف اس ملفوظ کے بدلے دینے پر آمادہ تھے۔ گویا ”فوائد الفوائد“ وہ سرچشمہ ہے جہاں سے برصغیر کی خانقاہوں میں ملفوظات نویسی کا نور پھیلا۔

پروفیسر محمد اسلم کے مطابق: ”امیر حسن علاء سجزی نے تصوف میں ایک نئی صنف ایجاد کی اور ”ملفوظ نویسی“ کی داغ بیل ڈالی اور یہ فن تصوف کی نشر واشاعت کا مؤثر ذریعہ بن گیا۔“

تاہم اس رائے پر بالکلیہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ امیر حسن علاء سجزی سے قبل بھی اس صنف کی بنیاد رکھی جاچکی تھی۔ فارسی زبان میں ملفوظات کا پہلا مجموعہ ”طبقات الصوفیہ“ کو مانا جاتا ہے، جسے خواجہ ابو اسماعیل عبد اللہ بن محمد الانصاری ہروی نے

مرتب کیا۔ بعض محققینِ ادب کی صراحت کے مطابق حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر علیہ الرحمہ (پانچویں صدی ہجری) پہلے بزرگ ہیں جن کے اقوال "ملفوظات" کی شکل میں جمع کیے گئے۔ ان ملفوظات کو "سخنانِ ابو سعید ابو الخیر" کے نام سے ان کے نبیرہ شیخ کمال الدین محمد بن ابی روح نے مدون کیا۔ اس کتاب کے چہارم و پنجم ابواب بعنوان "ملفوظاتِ شیخ" دراصل اس صنفِ ادب و عرفان کا اولین سنگِ میل ہیں۔

ملفوظات کی ماہیت و حقیقت پر پروفیسر طلحہ رضوی برق داناپوری یوں روشنی ڈالتے ہیں:

"ملفوظات دراصل صوفیائے کرام و عرفائے عظام کے اقوال واذکار کی تحریری شکلیں ہیں .... اللہ کے وہ نیک بندے جنھیں ہم صوفیہ کہتے ہیں، اس کرۂ ارض پر اللہ تعالیٰ کے ربانی مشن کی ترویج زبانی و بیانی کے ساتھ لوح و قلم سے بھی کرتے رہے۔ صوفیہ نے جو تعلیم اپنی خلوت و جلوت میں لوگوں کو دی، کسی سامع نے اگر اسے یاد رکھا اور ضبطِ تحریر میں لایا تو وہی ملفوظ ہے، اور اگر عارفِ کامل نے خود اسے تحریر فرمایا تو وہ مکتوب ہے ....ملفوظات مذہبی، ادبی، تاریخی اور ثقافتی حیثیت سے نہایت اہم ہیں، کیونکہ ان میں عرفانِ الٰہی اور تجلیاتِ نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی جھلکیاں نمایاں ہوتی ہیں۔"

(ورق ورق آئینہ، ص ۶۳-۸۳، عرشیہ پبلیکیشنز، دہلی)

یہ حقیقت ہے کہ ملفوظات محض اقوال کا مجموعہ نہیں ہوتے بلکہ اپنے زمانے کے فکری، اخلاقی اور روحانی پس منظر کی جھلک بھی پیش کرتے ہیں۔ ان میں سوال وجواب کی وہ لطیف فضا ہوتی ہے جہاں شیخ اپنی صحبت یافتہ جماعت کی تربیت فرماتے ہیں۔ ملفوظات کے ذریعے نہ صرف ظاہری علم بلکہ باطنی تربیت، تزکیۂ نفس، اور سلوکِ طریقت کی راہیں بھی روشن کی جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیہ کی مجالس علم وتربیت کے حسین امتزاج سے معمور ہوتی تھیں، جہاں سوال کرنے والا متعلم بھی تھا اور سننے والا سائل بھی، اور جواب دینے والا مربیِ باطن۔

حضورِ رابع حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجالس بھی

اسی نورانی روایت کی عکاس ہیں۔ آپ کی علمی وجاہت، دقیقہ سنجی، نکتہ رسی، ژرف نگاہی، وسعتِ مطالعہ اور زبردست قوتِ حافظہ کے سبھی معتقدین و حاضرین گواہ ہیں۔ زیرِ نظر ملفوظات آپ کے علمی و روحانی تبرکات کا ایک بیش بہا خزینہ ہیں، جو رموزِ تصوف، معارفِ الٰہیہ، مسائلِ علمیہ، اور پند و موعظت پر مشتمل ہیں۔ یہ وہ مجالس ہیں جن میں شیخ کی زبانِ فیض سے نکلنے والا ہر لفظ ایک تربیتی نکتہ بن کر سامع کے قلب میں اترتا اور اس کی روح کو منور کرتا ہے۔

افسوس کہ تاریخ کے ایک دور میں صوفیائے کرام کو صرف اصحابِ کرامت و مجاہدہ سمجھا گیا، ان کے علمی مقام کو نظر انداز کر دیا گیا۔ حالانکہ ائمہ تصوف علمِ حدیث، فقہ، تفسیر اور عقیدہ میں بھی بلند پایہ امام تھے۔ منکرینِ تصوف نے جب کبھی دلیل مانگی، تو صوفیاء کے اقوال کو صرف ''زہد وورع'' کے رنگ میں دیکھا، حالانکہ یہی اہلِ معرفت علمِ شریعت میں بھی سند و حجت ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ جیسے جلیل القدر محدث بشر الحافیؒ کی مجلس میں بیٹھا کرتے تھے، تو کیا کوئی امامِ وقت کسی جاہل کے حضور زانوئے تلمذ تہہ کرتا ہے؟

اسی طرح امام عبد الرحمن السلمیؒ کو آج محض ''طبقات الصوفیہ'' کے مصنف کے طور پر جانا جاتا ہے، حالانکہ وہ ایسے محدث ہیں جن میں اور امام بخاری و امام مسلمؒ میں صرف دو واسطے ہیں۔ امام بیہقیؒ جو شافعیہ کے اکابر میں سے ہیں، وہ امام سلمیؒ کے شاگرد ہیں اور اپنی ''سنن کبریٰ'' میں ان سے متعدد روایات نقل کرتے ہیں۔ اس حقیقت کو علامہ ابنِ جوزیؒ نے بھی اپنی ''تلبیسِ ابلیس'' (صفحہ ۲۱۳) میں تسلیم کرتے ہوئے فرمایا: ''**وما کان المتقدمون فی التصوف إلا رؤساء فی القرآن والفقه والحدیث والتفسیر**''

ترجمہ: متقدمین صوفیاء ہمیشہ قرآن، فقہ، حدیث میں امامت کے مقام پر فائز رہے۔

اس پس منظر میں یہ امر باعثِ افسوس ہے کہ آج بھی بہت سے لوگ صوفیاء کی علمی شہادت کو خوش دلی سے قبول نہیں کرتے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ ملفوظات براہِ راست صاحبِ ملفوظ کی تصنیف

نہیں ہوتیں بلکہ کسی صاحبِ ارادت یا مرید کی یادداشت و تحریر کا ثمرہ ہوتی ہیں۔ چنانچہ جہاں کہیں کسی واقعہ یا مضمون میں سہوِ قلم یا ابہام کا امکان محسوس ہوا، وہاں حتی المقدور تصحیح، توضیح اور تحقیق کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرتِ رابع خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ملفوظات کو سب سے پہلے صوبیدار عبد الرشید صاحب نے اپنی محبت، خلوص اور والہانہ عقیدت کے جذبے سے جمع کیے، جنہیں انہوں نے ایک رسالے کی مستقل صورت میں مرتب فرمایا۔

بعد ازاں جناب عبد الوہاب چشتی اعظمی صاحب نے حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات میں پوچھے گئے سوالات اور آپ کے فرمودات کو "تسکین القلوب" کے نام سے ایک مستقل تصنیف کی شکل میں پیش کیا، جس نے حضرت کے روحانی فیوض و معارف کو ایک جامع قالب عطا کیا۔

زیرِ نظر کتاب "نافع الطالبین" انہی دونوں ماخذات، یعنی صوبیدار عبد الرشید کے مرتب کردہ رسالے اور عبد الوہاب چشتی اعظمی کی تصنیف تسکین القلوب، سے ماخوذ ہے۔

اس میں ان ملفوظات کی تحقیق، توضیح اور تخریج پیش کی گئی ہے، تاکہ ان کے مضامین کو موجودہ دور کے قاری کے فہم، ذوق اور علمی معیار کے مطابق سمجھنے میں آسانی ہو۔

یہ مجموعہ حضرتِ خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے ارشاداتِ عالیہ کو عصرِ حاضر کے تناظر میں ایک منقح و مرتب علمی قالب میں پیش کرتا ہے۔

یقیناً یہ کتاب محض ملفوظات کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک روحانی امانت ہے جو شیخِ کامل کے انوارِ معرفت، حقائقِ باطنیہ، اور اسرارِ طریقت کو دلوں تک پہنچانے کا ذریعہ بنے گی۔

یکے از گدائے درِ اولیاء

عبد الرحمٰن مروت

ریسرچ اسکالر، ادارہ فروغِ تعلیماتِ تصوف

درگاہ عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف، راولپنڈی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اثباتُ التصوف

(اززبدۃ المشائخ حضرت رابع خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ)

یہ ہمارے لیے بے حد مسرت وسعادت کی بات ہے کہ اس کتاب کے آغاز میں حضرتِ والا حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمۃُ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک نہایت وقیع اور جامع مضمون شامل کیا جارہاہے۔ یہ مضمون دراصل تصوف کے موضوع پر اُن کا تحریر کردہ ایک کالم ہے، جس میں حضرت نے نہایت واضح، عالمانہ اور عاشقانہ انداز میں تصوف کی حقیقت، اس کی بنیاد اور اس کے مقاصد کو بیان فرمایاہے۔

یہی مضمون پہلے علیحدہ طور پر "رسالہ اثباتِ تصوف" کے نام سے شائع کیا گیا تھا، جو اُس وقت اہلِ ذوق میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کر چکا تھا۔ تاہم چونکہ وہ رسالہ اب نایاب ہو چکا ہے، اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ اس گرانقدر تحریر کو اس کتاب کے آغاز میں شامل کر دیا جائے تاکہ محبین ومتوسلین کے لیے تصوف کے مباحث ایک ہی جگہ یکجا ہو جائیں۔

اس مضمون کی شمولیت نے کتاب کی معنوی رونق کو دوچند کر دیا ہے۔ حضرت کے ملفوظات کی اصل روح بھی تصوف ہی ہے، اور یہ مضمون اسی روح کی ایک علمی وفکری جھلک پیش کرتا ہے۔ اس میں حضرت نے نہ صرف تصوف کی علمی بنیادوں کو واضح کیا ہے بلکہ اُس کے عملی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے، جو ایک سالک وطالبِ حقیقت کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ قاری جب اس مضمون کو پڑھے گا تو نہ صرف اس کی فکری تشنگی بجھے گی بلکہ اس کے دل میں تصوفِ حقیقی کو سمجھنے اور اپنانے کا ذوق بھی بیدار ہو گا۔ یہی وہ مقصد ہے جس کے پیش نظر اس وقیع مضمون کو کتاب کے مقدمے کی زینت بنایا گیا ہے۔

(اثباتُ التصوف) تصوّف کی تفہیم پر ایک جامع تحریر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضور سرورِ دوجہاں ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔ اب قیامت تک کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آسکتا، بلکہ امکانِ نبوت تراشنے والا یا بالفرض اس پر گفتگو کرنے والا بھی کافر قرار پائے گا۔ ظلی، بُروزی، حقیقی یا غیر حقیقی کسی بھی قسم کی نبوت جاری نہیں ہو سکتی۔ اس پر پوری اُمّت کا اجماعِ قطعی ہے۔

مگر سوال یہ ہے کہ حضورِ انور، معلّمِ دوجہاں ﷺ کے بعد آپ کی اُمّت کی رہنمائی کون کرے گا؟

اس کا جواب خود فخرِ کون ومکاں ﷺ نے عطا فرمادیا ہے کہ **"عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنۡبِیَاءِ بَنِیۡ اِسۡرَائِیۡل"**[1]، یعنی میری اُمت کے علما بنی اسرائیل کے اَنبیا کی طرح ہیں۔

(المقاصد الحسنۃ، حرف العین، ص ۲۹۳، حدیث: ۷۰۲ دار الکتاب العربی بیروت)

---

۱ شارح بخاری مفتی اعظم ہند علاّمہ شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارکہ: علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل۔ ترجمہ: میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے مثل ہیں۔ کے متعلق فرماتے ہیں: ہاں یہ حدیث شریف صحیح ہے۔ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ طریقہ تھا کہ ایک نبی کے تشریف لے جانے کے بعد دوسرا نبی اس کی جگہ تشریف لاتا اور قوم کی ہدایت کرتا اور ان کے دین وایمان کی حفاظت کرتا، اور ہر ہر قوم کے جدا جدا نبی ہوتے، ایک ایک وقت میں کثیر انبیاء کرام موجود ہوتے تھے اور یہ سب شریعت موسوی کے پابند اور اس کے محافظ تھے، سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے، اسی طرح حضور اقدس صَلَّی اللہ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم چونکہ خاتم النبیین ہیں، حضور پاک صَلَّی اللہ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بعد اور کوئی دوسرا نبی پیدا نہ ہو گا تو جیسے کے بنی اسرائیل میں انبیاء شریعت موسوی کی حفاظت کا کام انجام دیتے تھے اسی طرح میری اُمّت کے علما میری شریعت کی حفاظت کریں گے اور مخلوق کو ہدایت کریں گے۔ (فتاویٰ شارح بخاری جلد اول کتاب العقائد صفحہ نمبر ۴۹۵)

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وراخبار آمدہ العلماء ورثۃ الانبیاء علمے کہ از انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات باقیماندہ است دو نوع است علم احکام و علم اسرار عالم وارث کسے است کہ اورا از ہر

یہ علمادو قسم کے ہیں:۔ علمائے ظاہری، علمائے باطنی

دونوع علم سہم بود نہ آنکہ اوراازیک نوع نصیب بودنہ از نوع دیگر کہ آن منافی وراثت است چہ وارث راازجمیع انواع ترکۂ مورث نصیب ست نہ از بعض دون بعض وآنکہ اوراازبعض معین نصیب ست داخل غرما ست کہ نصیب او بجنس حق او تعلق گرفتہ است وہمچنین فرمودہ علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل مراد از علما علماء وارثانند نہ غرما کہ نصیبے از بعض ترکہ فراگرفتہ اند چہ وارث رابواسطۂ قرب وجنسیت ہمچو مورث میتوان گفت بخلاف غریم کہ ازین علاقہ خالی است پس ہر کہ وارث نبود عالم نباشد مگر آنکہ علم اور امقید بیک نوع سازیم وگویم کہ عالم علم احکام است مثلاد عالم مطلق آن بود کہ وارث باشد بود وازہر دونوع علم اورانصیب وافر بود۔(مکتوبات حضرت مجدّد الف ثانیؒ۔۷۰ ۳گارڈن ایسٹ۔۱۲۳۱ھ۔دفتر اوّل حصّہ دوئم۔مکتوب نمبر ۲۶۸)

ترجمہ:حدیث شریف میں وارد ہے العلماءورثۃالانبیاء(علماءانبیاءؑکے وارث ہیں)واضح ہو کہ جو علم انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات سے باقی وجاری ہے دو قسم کا ہے:(۱)علمِ احکام (۲)علمِ اسرار۔اور(انبیاء کی)وراثت کا عالم(کہلانے کا مستحق)وہی شخص ہو سکتا ہے جو دونوں قسم کے علم سے بہرور ہو،نہ یہ کہ صرف ایک قسم کا علم حاصل ہو اور دوسری قسم سے محروم ہو۔یہ بات وراثت کے منافی ہے،کیونکہ وارث کو موروث کے ہر قسم کے ترکہ میں سے حصہ ملتا ہے،نہ کہ بعض میں حصہ ہو اور بعض میں نہ ہو۔اور وہ شخص جس کا حصہ کسی خاص معین تک محدود ہو وہ(وارث نہیں بلکہ)غرما(قرض خواہ)میں داخل ہے،جس کا حصہ اس کے جنس کے حق سے متعلق ہے،اسی طرح آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا ہے:علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل(میری اُمّت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند ہیں)اور علماء سے مراد علمائے وارث ہیں نہ کہ غرما کہ جنہوں نے ترکہ کا بعض حصہ لیا،کیونکہ وارث کو قرب وجنسیت کی وجہ سے بھی موروث کے مانند کہہ سکتے ہیں بخلاف غریم کے کہ وہ اس تعلق سے خالی ہے۔لہٰذا جو شخص وارث نہیں ہے وہ عالم بھی نہیں ہے،مگر یہ کہ اس کے علم کو ایک نوع کے ساتھ مقید کر دیا جائے اور مثال کے طور پر یوں کہیں کہ وہ علمِ احکام کا عالم ہے۔اور عالم مطلق وہ ہے جو وارث ہو اور اس کو دونوں قسم کے علوم سے وافر حصہ حاصل ہو۔(مکتوبات ربانی دفتر اوّل حصّہ دوئم۔مکتوب نمبر ۲۶۸ صفحہ نمبر ۶۶۱ مترجم اردو)

حضرت مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے ظاہر ہوا وارثِ انبیاء سے مراد وہ علماء کرام ہیں جنہوں نے انبیاءؑ کی وراثت سے کامل طور پر دونوں علوم سے حصّہ پایا ہو۔فی زمانہ اکثر علمائے کرام صرف علم احکام(علم ظاہر)کو تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن علم اسرار(علم باطن)کی طرف توجہ نہیں دے پاتے۔اگر علم دین کو اللہ تعالیٰ کی رضا،دعوتِ دین اور اخلاص و تقویٰ کے ساتھ آدابِ استاد و آدابِ علم کو مد نظر رکھتے ہوئے رزقِ حلال اور طیب غذا کے ساتھ حاصل کیا جائے تو علمِ دین کی برکت سے قابلِ قدر حد تک نفسِ امارہ کی سرکشی کم ہوتی ہے۔لیکن بعض اوقات نفسِ امارہ کی سرکشی عروج پر ہوتی ہے۔ظاہری علم کی وجہ سے انانیت اور تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور پھر غصّہ،حقارت،بڑائی جیسے حجابات باطن پر پیدا ہو جاتے ہیں۔اور ترقی اور استفادہ کی راہ بند ہو جاتی ہے۔اور بعض اوقات شیطان ڈس لے تو فرقہ پرستی،دین فروشی،ضمیر فروشی،شہواتِ دنیا میں مبتلا کر دیتی ہے۔ایسے طبقے کو پھر علمائے سو کے لقب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس سے اُمّت کے علماء کی فضیلت معلوم ہوتی ہے،علماء کے فضائل سے متعلق کئی آیات مبارکہ اور اس کے

علمائے ظاہری سے مراد وہ اصحابِ ظواہر[1] نہیں جو معتزلی افکار کے حامل ہوں، بلکہ وہ علمائے حق ہیں جو شریعتِ غرّا کے علمبردار ہیں، جو سنت و شریعت کا نفاذ اُمّت کے ظاہری و عملی نظام پر فرماتے ہیں۔ انہی علما کے بارے میں محسنِ انسانیت ﷺ نے فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں۔

انہی علمائے ربانی میں سے فقہا، محدثین، مجتہدین اور مصنفین ہیں جنہوں نے عمل بالجَنان اور بیان باللسان کے ذریعے امتِ خیر الانام کی رہنمائی کی، اور قلم و قرطاس سے دینِ متین کے مختلف گوشوں کو روشن فرمایا۔ انہوں نے نظامِ سرورِ دو عالم ﷺ کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی، اور اس قدسی صفات گروہ نے وقت کی رفتار کا رخ موڑ کر، بلا خوف و لاج، ہر طاغوتی قوت اور جبروتی طاقت کے سامنے دینِ متین کو سربلند رکھا۔ مجددینِ اُمّت کا یہ مقدس قافلہ بھی انہی علمائے ظاہر میں سے تھا جو منَصّہ شہود پر فائز ہوا۔ ان میں شامل ہیں: حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت امام شافعی، حضرت حسن بن زیاد، حضرت امام ابو

علاوہ بہت سی احادیث شریفہ ہیں۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں سورۂ یونس آیت نمبر: ۳۷/۳۸ کے تحت یہ حدیث ذکر کی ہے، نیز امام ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری نے مرقاۃ المفاتیح میں اس کو درج کیا ہے۔ مرقاۃ المفاتیح، ج۳، ص ۲۷۴، کتاب المناسك، باب حرم المدينة، ويؤيده حديث علماء أمتي كأنبياء بني إسرائيل وإن تكلم في إسناده۔

بنی اسرائیل کے انبیاء شریعت کی وضاحت و تشریح کا فریضہ سر انجام دیتے تھے اور یہ ذمہ داری امتِ مسلمہ کے علماء پر ڈالی گئی ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی ظاہری وصال مبارکہ کے بعد سے لے کر آج تک ہر دور کے علماء نے علمِ حدیث اور شریعتِ مطہرہ کی وضاحت اور حفاظت کے لیے قابلِ قدر خدمات سر انجام دی ہیں۔

حضرت علاّمہ غلام محمود غزی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ اپنی کتاب "حُسْنُ التَّنَبُّہ" میں اس حدیثِ پاک کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: حضور صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اُمَّت کے عُلما شرعی اَحکام کو مقرر کرنے، لوگوں کو ان کی تاکید کرنے اور ان کا حکم دینے کے مُعاملے میں بنی اسرائیل کے اَنبیاء کی طرح ہیں، حدیثِ پاک کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس اُمَت کے علما مقام و مرتبے میں بنی اِسرائیل کے اَنبیاء کی طرح ہیں بلکہ مقام و مرتبے میں تو بنی اسرائیل کے اَنبیا ہی بلند ہیں۔ (حسن التنبه، باب التشبه بالنبيين صلوات الله وسلامه عليهم اجمعين، ۵/۲۷۰ دار النوادر لبنان)

[1] صوفیہ کی اصطلاح میں "اصحابِ ظواہر" سے مراد وہ علما یا عبادت گزار لوگ ہوتے ہیں جو دین کے قانونی و فقہی پہلو پر تو عمل کرتے ہیں، مگر باطنی طہارت، اخلاص، تزکیۂ نفس، اور معرفتِ الٰہی کی راہوں سے ناواقف یا غافل رہتے ہیں۔

جعفر طحاوی، حضرت امام ابو الحسن اشعری، حضرت امام ابو احمد اصفرانی، حضرت امام ابو بکر خوارزمی، حضرت امام محمد بن محمد غزالی، حضرت امام فخر الدین رازی، حضور غوثِ ثقلین، کریم الطرفین، سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی، حضرت امام تقی الدین سبکی، حضرت امام جلال الدین سیوطی، حضرت شیخ سراج الدین بلقینی، حضرت شیخ شہاب الدین رملی، حضرت ملا علی قاری، حضرت شیخ المشائخ، شیخ محقق، سیدنا شاہ عبد الحق محدث دہلوی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، اور حضرت شیخ احمد رضا خان بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

ان مقدس نفوس نے چودہ صدیوں پر محیط تاریخ میں شریعتِ مطہرہ اور سنتِ مقدسہ کی ایسی تبلیغ فرمائی اور نوکِ خامہ سے سینۂ قرطاس پر علم کی ایسی کہکشاں بکھیر دی کہ ملاءِ اعلیٰ کی قدسی مخلوق کو امتِ خیر الانام کے ان رجالِ رشید پر رشک آنے لگا۔ دوسری طرف علمائے باطن نے بھی انسانیت کی خدمت طہارتِ باطنی، تعلیم و سلوک، ریاضت و مجاہدہ کے ذریعے اس طرح فرمائی کہ حضرت مولائے کائنات، بابُ العلم، سیدنا علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے لے کر آستانہ عالیہ گڑھی شریف کے شیخِ ثالث حضرت خواجہ پیر محمد اکرم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک تمام علمائے باطن نے خانقاہ کے نظام کو قائم رکھا، اور مقاماتِ تصوف کے ذریعے انسانیت کو اُس شعورِ انسانیت سے آشنا کیا جس سے خود انسان ناواقف تھا۔

بعض لوگوں نے یہ غلط فہمی پیدا کی ہے کہ اس نظام کو "خانقاہی نظام" کہا جاتا ہے، اور خانقاہ کے معنی قبر کے ہیں، لہٰذا یہ نظام قبر پرستی کا نظام ہے۔ حالانکہ خانقاہ کسی قبرستان کو نہیں کہتے، بلکہ یہ لفظ "خان گاہ" کی تبدیل شدہ شکل ہے، جس کے معنی کسی بزرگ کی جگہ کے ہیں۔ (احمد دہلوی، فرہنگ آصفیہ، مرکزی اردو بورڈ لاہور، ج، ۲، صفحہ: ۱۸۰) یعنی خانقاہ اُس مقام کو کہتے ہیں جہاں کوئی اللہ والا، صوفی، شیخِ طریقت یا پیر موجود ہو اور وہ اپنے چاہنے والوں کی تربیت کرے۔

دراصل صوفی کی ذمہ داری، عالم سے کہیں زیادہ رہی ہے، کیونکہ یہ ضروری

نہیں کہ ہر عالمِ دین صوفی بھی ہو، مگر یہ ضروری ہے کہ ہر صوفی عالم ہو۔ قرآنِ پاک نے علم کے بعد حکمت کا ذکر فرمایا ہے (یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ) "وہ انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے" (سورۃ البقرۃ، آیت ۱۲۹، ۱۵۱، آلِ عمران: ۱۶۴، الجمعہ: ۲) اور اہلِ تصوف "حکمت" سے مراد علمِ باطن لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے میں صوفیاء نے علمِ ظاہر کی برابر خدمت کی اور کتاب و سنت، فقہ و اجتہاد کے سجادے کو آباد رکھا۔ چنانچہ علامہ ابنِ جوزی تصوف کے حامی نہ ہونے کے باوجود یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ:

"ما كان المتقدمون في التصوف إلا رؤوساً في القرآن والفقه والحديث" (تلبیسِ ابلیس، صفحہ نمبر ۳۴۵؛ تاریخِ مشائخِ چشت، صفحہ نمبر ۶)۔ یہ متقدمین صوفیا ہمیشہ قرآن، فقہ، حدیث اور تفسیر میں امامت کے مقام پر فائز رہے۔

قرآنِ پاک نے بے شمار آیات میں ذکرِ الٰہی کی فضیلت کے ساتھ ذاکرین کے خشوع و خضوع کا تذکرہ فرمایا ہے۔ چنانچہ مشہور کانگریسی اور تجدد پسند مولوی ابوالکلام آزاد بھی اپنی تمام تر الحاد پسندی، مذہب بے زاری، اور کانگرس کی سیاسی ہمنوائی کے باوجود تصوف کا انکار نہ کر سکے، اور اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں ایسی آیات سے جن میں خشیتِ الٰہی کا تذکرہ ہے، آزاد صاحب نے تصوف مراد لیا ہے۔ چنانچہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے شعبۂ تاریخ کے استاد اور ندوۃ المصنفین کے رفیق پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب تاریخِ مشائخِ چشت (مطبوعہ ندوۃ المصنفین، اردو بازار دہلی) کے صفحہ نمبر ۲۵ سے لے کر ۳۳ تک تصوف کے ماخذِ قرآن کے سلسلہ میں ابوالکلام آزاد کا تذکرہ کیا ہے۔

خلیق احمد نظامی نے حضرت داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کی کشف المحجوب، حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کے علاوہ بخاری شریف اور صحاح ستہ کی دوسری کتابوں سے بھی تصوف کا استدلال فرمایا، اور فرامینِ الٰہی سے متعدد جگہوں پر تصوف کے عظیم فن کو نمایاں کیا ہے۔

مثلاً صوفیائے چشت کا عقیدہ وحدت الوجود[1] ایک بین (واضح) حقیقت ہے، جو شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی سے لے کر مولانا امام احمد رضا خان فاضلِ بریلوی تک تمام علمائے ظاہر و باطن نے اسی عقیدۂ حقہ کو بیان کیا۔ اسی عقیدہ کی تشریح و توضیح کے لیے فصوص الحکم، فتوحاتِ مکیہ وغیرہ کتابیں معرضِ وجود میں آئیں۔

حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور امام احمد رضا خان بریلوی علیہما الرحمہ نے اپنے اشعار میں بھی اس عقیدہ کے اظہار کے لیے بلیغ پیرایے میں اشارے کیے۔ مگر اس عقیدہ کی اصل بنیاد قرآنِ حکیم ہے، چنانچہ فرمانِ الٰہی ہے: ''وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ'' (اور وہ تمہارے ساتھ ہے، تم کہیں بھی ہو، اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔) (سورۃ الحدید، آیت ۴)

دوسری آیتِ کریمہ ہے: ''وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنكُمْ وَلَٰكِن لَّا تُبْصِرُونَ''
(اور ہم اس کے تم سے بھی زیادہ قریب ہیں، مگر تم دیکھتے نہیں۔)
(سورۃ الواقعہ، آیت ۸۵)

سب سے پہلی آیت میں لفظ ''مَعَكُمْ'' اس عقیدۂ حقہ کا واضح بیان ہے۔[2]

---

۱ وحدت الوجود (Unity of Being) تصوف کا ایک اہم عقیدہ ہے جس کے بانی یا شارحِ اکمل شیخ محی الدین ابن عربیؒ سمجھے جاتے ہیں۔ یہ نظریہ یہ کہتا ہے کہ کائنات میں حقیقی وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، باقی تمام موجودات اسی کے وجود کے مظاہر ہیں۔ یعنی مخلوقات کا وجود مستقل نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وجود کا پرتو (عکس) ہیں۔ سلسلہ چشتیہ کے اکابر مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت شیخ فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت شاہ کلیم اللہ دہلویؒ وغیرہ نے اس نظریے کو اعتدال کے ساتھ قبول کیا۔

ان کے نزدیک ''وحدت الوجود'' کا مطلب یہ نہیں کہ خالق و مخلوق ایک ہی ہیں، بلکہ یہ کہ مخلوق اللہ کے فیضِ وجود سے قائم ہے۔

وہ اسے ''وحدت الشہود'' کے قریب مانتے ہیں یعنی سالک کو مشاہدے میں سب کچھ اللہ کی تجلی میں گم نظر آتا ہے، مگر عقیدے میں خالق و مخلوق کا فرق باقی رہتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ چشتیہ صوفیہ وحدت الوجود کو محبت و معرفت کے ذوقی بیان کے طور پر مانتے ہیں، نہ کہ فلسفیانہ یا عقیدتاً خلطِ خالق و مخلوق کے طور پر۔

۲ ان دونوں آیاتِ کریمہ سے عقیدۂ وحدت الوجود کی تائید اس طرح ہوتی ہے کہ: پہلی آیت

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''او با شما است ہر جا کہ باشید''۔ (فتح الرحمن)

نیز امامِ ربانی مجددِ الفِ ثانیؒ بھی اسی عقیدہ کے علمبر دار ہیں اور اسی پہلی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ ''اقربیتِ او تعالیٰ بما از نصِ صریح ثابت شد''یعنی قربِ الٰہی ہمارے لیے نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ یہ خیال قطعی طور پر غلط ہے کہ اولیاء سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ اس عقیدۂ حقّہ (عقیدۂ وحدتِ حق) کے مخالف ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام صوفیاء، بلاامتیازِ سلسلہ، اسی عقیدۂ توحیدِ مطلق پر کامل یقین رکھتے ہیں۔ باقی رہا مسئلۂ شہود، تو وہ دراصل اسی عقیدہ کی ایک منزل اور کیفیت ہے۔ اگر خدانخواستہ اس عقیدہ میں صوفیاء کے درمیان کوئی بنیادی اختلاف ہوتا، تو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل حضرت سیدنا شیخ بہاؤالدین نقشبند بخاری رحمۃ اللہ علیہ یوں نہ فرماتے: شرفُ الخلائقِ و شمسُ الطرائقِ، نورٌ یُهتدی به إلى الحق، وظِلٌّ لا واسطةَ بينه و بين النور المطلق، أصلُ الأصول المنزّه عن الاتحاد و الحلول، الظاهر بنوره في السموات و الأرض۔

(درودِ شفاء، قاضی الحاجات، قلمی صفحہ، صفحہ ۳)

ترجمہ: سلام ہو اس نور پر جو تمام مخلوقات کا شرف اور تمام راہوں کا آفتاب ہے، وہ ایسا نور ہے جس سے حق کی طرف ہدایت ملتی ہے، اور ایسا سایہ ہے جس کے اور نورِ مطلق کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ وہ تمام اصولوں کی اصل ہے، جو اتحاد اور حلول سے

''وَهُوَ مَعَكُمۡ أَيۡنَ مَا كُنتُمۡ ''(الحدید:۴) میں ''مَعَكُمۡ ''یعنی ''وہ تمہارے ساتھ ہے'' سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حضوریت و معیت ہر زمان و مکان میں محیط ہے، یعنی کوئی جگہ، کوئی حال، کوئی وجود اس کی ذات سے جدا نہیں۔

دوسری آیت ''وَنَحۡنُ أَقۡرَبُ إِلَيۡهِ مِنكُمۡ ''(الواقعہ:۸۵) میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قربِ ذاتی کا ذکر فرما رہا ہے، ایسا قرب جو مکانی یا جسمانی نہیں، بلکہ وجودی و باطنی ہے۔

یوں یہ دونوں آیات مل کر یہ حقیقت بیان کرتی ہیں کہ ہر شے میں، ہر حال میں، اور ہر وجود کے پسِ پردہ اللہ ہی کی تجلی و حضور کارفرما ہے۔

یہی خلاصہ وحدت الوجود ہے کہ کائنات میں کثرت نظر آتی ہے، مگر حقیقت میں موجودِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، باقی سب اس کی تجلیات و مظاہر ہیں۔

پاک ہے، اور اسی کے نور سے آسمان وزمین منور ہیں۔

غرض یہ کہ یہ عقیدہ تمام اولیاء کے مابین متفقہ ہے، اور اسی کے نعروں سے مشائخِ تونسہ شریف، کلاچی شریف، مکھڈ شریف، گڑھی شریف، سیال شریف، میرا شریف، گولڑہ شریف اور جلالپور شریف کی خانقاہیں گونج اُٹھیں۔

یہی وہ خانقاہیں ہیں جہاں ”حق ہو“ کی صدائیں، نفی واثبات کے غلغلے، ذکرِ الٰہی میں استغراق، دنیا کے فانی ہونے کا یقین، توکل کی ہمہ ہمی، طالبانِ راہِ حق کے قافلے، بیعت وارشاد کے ولولے، اور ذکرِ محبوبِ حقیقی کے زمزمے سنائی دیتے ہیں۔

یہ خزاں سوز بہاریں، یہ حسنِ سرمدی کی لطافتیں، اور یہ محبتِ حقیقی کی نزاکتیں سب اسی عقیدۂ حق کے مظاہر ہیں۔

غرض یہ کہ تمام علمائے باطن کسی طرح بھی علمائے ظاہر سے پیچھے نہیں، بلکہ بعض اوقات علمائے ظاہر کے لیے علم، حجابِ اکبر بن جاتا ہے۔ وہ تعقل کی گہری گھاٹیوں میں ڈوب جاتے ہیں اور صحرائے ظاہر میں ابلہ پائی کے باوجود دولتِ دین سے محروم رہتے ہیں۔ مگر صوفی ایسے موقع پر کہتا ہے:

صد کتاب و صد ورق در نار کن،
روئے دل را جانبِ دلدار کن۔

ترجمہ: سو کتابوں اور سو اوراق کو آگ میں ڈال دو، (جن سے تمہیں محبوب کی محبت اور معرفتِ حقیقت کا سراغ نہ مل سکا، اب) اپنے دل کے رُخ کو محبوب کی طرف کر لو، (تاکہ عین الیقین سے حق الیقین تک پہنچ سکو۔)

یہی مفہوم پیرِ رومی کے مریدِ ہندی، علامہ اقبالؒ نے بھی یوں بیان فرمایا:

نہ کتابوں سے، نہ کالج کے در سے پیدا،
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔

صوفی علمِ ظاہر کے بعد علمِ باطن کے ذریعے قرآن وسنت کی تشریح کرتا

ہے۔ چنانچہ حضرت سید عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "الابریز" اس کی واضح مثال ہے۔[1]

صوفی کا معنی:۔

جمہور صوفیاء کے نزدیک صوفی لفظ صوف سے مشتق ہے صوف کا معنی ہے موٹا کپڑا۔ چونکہ قرن اول میں تارک الدنیا عبادت گزار حضرات موٹا لباس پہنتے تھے اس لئے ان کو صوفی کہا گیا۔ چونکہ اُمّت میں تعلیم کے ساتھ ساتھ تزکیہ کا نبوی عمل جاری رکھنے کے لیے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اصلاح نفس کے طلب گاروں کو دنیا پرستی کے ماحول سے نکال کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ماحول میں لایا جائے تو اس کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا کہ دنیا کی نزاکتوں اور عیش و آرام کو چھوڑ کر اصحاب صفہ کی طرح موٹا یعنی صوف کا لباس استعمال کیا جائے۔ اصلاح نفس کے لیے ظاہر و باطن دونوں میں اصحاب صفہ کی طرح اپنے آپ کو بنانے کی کوشش کو تصوف کا نام دیا گیا۔[2] حضرت ابو نصر سراج فرماتے ہیں: الصوفية

---

۱ یہ کتاب شیخ عبد العزیز دباغؒ کے روحانی مکاشفات و مشاہدات پر مشتمل ہے، جس میں انہوں نے باطنی علوم، اسرارِ الٰہیہ، قربِ الٰہی کے مراتب اور اولیاء کے روحانی مقامات و تجربات کو بیان فرمایا ہے۔

۲ صوفیا کی اصطلاح میں تصوف کے معنی ہیں: اپنے اندر کا تزکیہ اور تصفیہ کرنا، یعنی اپنے نفس کو نفسانی کدورتوں اور رذائلِ اخلاق سے پاک و صاف کرنا اور فضائلِ اخلاق سے مزین کرنا۔ (چشتی، پروفیسر یوسف سلیم: تاریخ تصوف، لاہور، دارالکتاب، طبع اول: ۲۰۰۹ء، ص: ۱۱۵۔) اور صوفیاء ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنے ظاہر سے زیادہ اپنے اندر کے تزکیہ اور تصفیہ کی طرف توجہ دیتے ہیں اور دوسروں کو اسی کی دعوت دیتے ہیں۔ اب لفظ صوفیا، اپنے لغوی معنی (اون کا لباس پہننے والے) میں استعمال نہیں ہوتا، بلکہ ایسے لوگوں کے لیے استعمال ہوتا ہے جو اپنے اندر کے تزکیہ و تطہیر کی طرف توجہ دیتے ہیں۔ اور اب یہ لفظ ایسے ہی لوگوں کے لیے لقب کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ چونکہ ابتدا میں ایسے لوگوں کا اکثر لباس صوف (اون) ہی ہوتا تھا، اس وجہ سے ان کا یہ نام پڑ گیا، اگرچہ بعد میں ان کا یہ لباس نہ رہا۔ (القشیری، ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن: الرسالۃ القشیریہ، ترجمہ محمد عبد النصیر العلوی، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ص: ۴۱۶۔)

حدیث کی کتابوں میں ایک حدیث، حدیثِ جبریلؑ کے نام سے مشہور ہے، اس میں ہے کہ ایک دن جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کچھ سوالات کیے، ان میں سے ایک سوال یہ تھا کہ: "احسان کیا ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: "احسان یہ ہے کہ تم خدا کی عبادت اس طرح کرو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو، اگر تم خدا کو دیکھ نہیں رہے (یعنی یہ کیفیت پیدا نہیں ہوتی) تو کم سے کم یہ یقین کر لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔"

بندہ کے دل میں اسی احسان کی کیفیت پیدا کرنے کا صوفیا کی زبان میں دوسرا نام "تصوف" یا "سلوک" ہے۔ "تصوف" دراصل بندہ کے دل میں یقین اور اخلاص پیدا کرتا ہے۔ "تصوف" مذہب سے الگ کوئی چیز نہیں، بلکہ مذہب کی روح ہے۔ جس طرح جسم

نسبوا الی ظاھر اللبسۃ لان لبسۃ الصوف ذات الانبیاء وشعار الاولیاء والاصفیاء۔

ترجمہ:۔ لفظ صوفی لباس کی طرف منسوب ہے اس لئے کہ موٹا لباس پہننا انبیاء اولیاء اور صوفیاء کا نشان ہے۔ (کتاب اللمع ص:۲۱)

صوفی کی دوسری تعریف صاحب عوارف المعارف نے یوں بیان کی ہے:

الصوفیۃ اوفر الناس حظا فی الاقتضاء برسول اللہ واحقھم باحیاء سنتہ والتخلق باخلاق رسول اللہ لہ من حسن الاقتداء واحیاء سنتہ

(عوارف المعارف، ص:۲۲۹)

ترجمہ:۔ صوفی تمام لوگوں سے اس معاملے میں وافر حصے دار ہوتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے منشاء مبارک کو زیادہ چاہنے والا ہوتا ہے اور حضور ﷺ کی سنت زندہ کرنے اور اخلاق رسول ﷺ سے موصوف ہوتا ہے۔ اور حضور ﷺ کی اچھی اقتدا اور سنت کے احیاء سے متصف ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں رسالہ قشیریہ کے مصنف امام قشیری نے یوں فرمایا ہے: رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سوا برگزیدہ مسلمانوں کا اور کوئی لقب قرار نہیں دیا گیا۔ کیونکہ شرف صحبت سے بڑھ کر اور کوئی شرف نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر جن لوگوں نے صحابہ کی صحبت پائی ان کو تابعین کہا گیا اس کے بعد لوگ تبع تابعین کے لقب سے پکارے گئے پھر لوگوں کے مختلف درجے ہوتے گئے اس لئے جن بزرگوں کی توجہ دین کی طرف زیادہ ہوئی ان کو زاہد و عابد کے لقب سے پکارا گیا لیکن جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ہر فریق نے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں زہاد پائے جاتے ہیں اس لئے خواص اہل سنت، تصوف کے نام سے ممتاز ہوئے اور دوسری

صدی سے پہلے ان بزرگوں نے اس نام سے شہرت پائی۔
(رسالہ قشیریہ ص:۹، مطبوع مصر، بحوالہ تاریخ مشائخ چشت ص:۱۸)

صوفیاء کے دو مخالف گروہ:

صوفیاء کے بارے میں اسلام دشمن عناصر کے حسب روایت افراط تفریط کی بنیاد پر دو گروہ بن گئے۔ اغیار کے ایک گروہ نے اسلام کے لبادہ میں صوفیاء کی صفوں میں گھس کر اس میں عیسائیت، یہودیت، ہندومت، بدھ مت، مجوسیت اور رافضیت کے اثرات سازشی ارادے سے تصوف میں منتقل کر دیے اور بہت سے سادہ لوح مسلمان محض اپنی نادانی، جہالت اور ضعیف الاعتقادی کی بناء پر ان کے آلہ کار بن گئے۔ جب کہ ایک دوسرے گروہ نے عقائد و اعمال میں پہلے گروہ کے پیدا کردہ بگاڑ کو تصوف کہہ کر اس کی شدید مخالفت کی ان دو گروہوں کے عمل اور رد عمل کے نتیجے میں صوفیاء کے بارے میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئیں۔[1]

---

۱ ایک حدیث مبارکہ تصوف اور صوفی کا معنیٰ واضح کرتی ہے کہ صوفی کون ہوتے ہیں؟ حضرت ابو مالک الاشعری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ آقا علیہ السلام نے فرمایا: ”یاأیھا الناس اسمعوا واعقلوا واعلموا أن اللہ عباداً لیسوا بأنبیاء ولا شھداء، یغبطھم الانبیاء والشھداء علی مجالسھم وقربھم من اللہ انعتھم لنا۔ ھم ناس من أفناء الناس ونوازع القبائل لم تصل بینھم أرحام متقاربۃ۔ تحابوا فی اللہ وتصافوا یضع اللہ لھم یوم القیامۃ منابر من نور فیجلسھم علیھا فیجعل وجوھھم نورا وثیابھم نورا یفزع الناس یوم القیامۃ ولا یفزعون۔ وھم أولیاء اللہ الذین لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون“۔(نسائی، السنن، ۶:۳۶۲، رقم:۱۱۲۳۶)

ترجمہ: ”میری اُمّت میں مختلف علاقوں، مختلف ملکوں، مختلف قبیلوں، مختلف معاشروں کے یہ لوگ وہ ہوں گے کہ ان کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہیں ہو گا۔ “مگر لوگو! میری بات سنو سمجھ اور جان لو! میری اُمّت میں کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہوں گے جو نہ تو نبی ہوں گے، نہ شہید ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ انہیں اپنی مجلس اور قرب میں قیامت کے دن عرش کے ارد گرد اس طرح قریب کر کے بٹھائے گا کہ انبیاء اور شہداء کو بھی ان پر رشک آئے گا۔“ آقا علیہ السلام کی یہ بات سن کر ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ! نبی اور شہید نہ ہونے کے باوجود اللہ کے قرب و حضور میں اس طرح بٹھائے جانے والے وہ لوگ کون ہوں گے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

”وہ اللہ کی مخلوق سے آپس میں اللہ کے لیے محبت کریں گے اور اُن کے دل صوفی و صافی ہوں گے۔“

یعنی ان کے دلوں میں کوئی کدورت نہیں ہو گی۔ یاد رکھیں! سارا تصوف دلوں کی کدورتوں کو ختم کر دینے کا نام ہے۔ تصوف دلوں کی رنجش مٹا دینے کا نام ہے۔ تصوف دلوں کی تنگ نظری کو وسعت میں بدل دینے کا نام ہے۔ تصوف تکبر کو مٹا کر تواضع لانے کا نام ہے۔۔۔ تصوف بخیلی، کنجوسی ختم کر کے سخاوت لانے کا نام ہے۔۔۔ تصوف نفرت مٹا کر محبت لانے کا نام ہے۔ تصوف تفرقے مٹا کر وحدت کرنے کا نام ہے۔۔۔ تصوف نفرت کا بخار مٹا کر محبت و پیار لانے کا نام ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ انہیں قیامت کے دن نور کے منبروں پر بٹھائے گا۔ ان کے چہرے اور لباس منور ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب لوگ ڈر رہے ہوں

صحبت صوفیاء:

حضور ﷺ سے صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ ایک شخص ایک جماعت کو دوست رکھتا ہے لیکن اس جیسے عمل نہیں کرتا اس کے بارے رسولِ اکرم ﷺ کا ارشادِ مبارک ہے: "**المرء مع من أحب**" کہ آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔ (سنن ترمذی، حدیث نمبر:۲۳۸۶)

یہ ارشادِ نبوی ﷺ اس حقیقت کا آئینہ دار ہے کہ بندے کی محبت اور قلبی وابستگی اس کے انجام اور قربِ الٰہی پر اثر انداز ہوتی ہے۔ جو شخص صالحین و اولیائے کرام کو پسند کرتا ہے، ان سے محبت رکھتا ہے، اور ان کی صحبت و سیرت کو دل سے قبول کرتا ہے، تو یہی محبت اس کے لیے نجات اور قربِ الٰہی کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

چنانچہ جب محض کسی بزرگ کی معرفت اور پہچان ہی بخشش و مغفرت کا سبب بن سکتی ہے، تو پھر ان کی پیروی، نیکیوں میں ان کے نقشِ قدم پر چلنا، اور ان کی تعلیمات و ہدایات کو اختیار کرنا بطریقِ اولیٰ نجات، فلاح اور رضائے الٰہی کا باعث کیوں نہ ہو گا۔

شیخ ابو العباس عطار فرماتے ہیں کہ اگر تم کو کسی بزرگ کی دوستی کا موقع نہ ملے تو ان کے دوستوں سے دوستی اور قرب پیدا کرو کیونکہ ان کی دوستوں کی دوستی گویا ان کی دوستی ہے حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے، فرمایا اے ابن مسعود تم جانتے ہو کہ اسلام کو کون سا حلقہ سب سے مضبوط ہے ابن مسعود کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی اللہ و رسولہ

گے، انہیں ڈر نہیں ہو گا۔" یہی صوفیاء و اولیاء ہوں گے جنہیں نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

گویا صافی دل رکھنے والے اولیاء اللہ اور صوفی سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ ان کے دل صاف اور کشادہ ہوتے ہیں، ان کے دلوں میں فراخی، سخاوت، شفقت، رحمت اور وسعت ہوتی ہے۔ ایک اور حدیث میں بھی آپ ﷺ نے یہی الفاظ استعمال فرمائے۔ ارشاد فرمایا: متحابون بجلال الله، وتصافوا فيه، وتزاوروا فيه، وتباذلوا فيه۔

"یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کی خاطر محبت عام کریں گے، ان میں صفائے قلب ہو گی، ایک دوسرے کی ملاقات اور زیارت کے لیے جائیں گے اور ایک دوسرے پر خرچ کریں گے، یعنی سخی ہوں گے۔" (ہندی، کنز العمال، ۹:۸، رقم:۲۴۷۰۳)

اس حدیث مبارکہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اگر ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ آج تک زیارت پر جانے کا سلسلہ کسی اور کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف ولیوں اور صوفیوں کے لیے ہی ہے۔ آج تک کسی نے نہیں سنا کہ کوئی کسی غیرِ صوفی کی زیارت کرنے جاتا ہے۔ کوئی بھی شخص غیرِ صوفی اور غیرِ ولی کی زیارت کے لیے نہیں جاتا۔ آقا علیہ السلام نے زیارت کے لئے جانے کو صوفیاء سے مختص فرمایا اور چودہ صدیوں سے آج تک یہی سلسلہ جاری و ساری ہے۔

اعلم کہ اللہ اور اسکا رسول خوب واقف ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا خدا کے لئے دوستی اور اسی کے لیے دشمنی۔(دخَلتُ على النبيِّ صلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ، فقال: يا ابنَ مَسعودٍ، أيُّ عُرَى الإيمانِ أَوثَقُ؟ قلتُ: اللهُ ورسولُه أعلَمُ. قال: أَوثَقُ عُرَى الإسلامِ الوِلايةُ في اللهِ، والحبُّ في اللهِ، والبُغْضُ في اللهِ) (مجمع الزوائد:۱/۱۶۷)

اسی طرح کی حدیث حضرت براء بن عازب سے بھی مروی ہے کہ"عن البراء بن عازب، قال: كنا جلوسا عند النبى صلى الله عليه وسلم فقال:" اى عرى الإسلام اوثق؟"قالوا: الصلاة. قال: "حسنة، وما هى بها"۔ قالوا: الزكاة. قال:"حسنة، وما هى بها"۔ قالوا: صيام رمضان. قال:"حسن، وما هو به"۔ قالوا: الحج. قال:"حسن وما هو به"۔ قالوا: الجهاد. قال:"حسن وما هو به"۔ قال:"إن اوثق عرى الإيمان ان تحب فى الله، وتبغض فى الله۔"

ترجمہ -: حضرت براء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم ﷺ ہم سے پوچھنے لگے اسلام کی کون سے رسی سب سے زیادہ مضبوط ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا نماز، نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہت خوب اس کے بعد؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا زکوۃ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہت خوب، اس کے بعد؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ماہ رمضان کے روزے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہت خوب، اس کے بعد؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا حج بیت اللہ، نبی کریم ﷺ نے فرمایا بہت خوب، اس کے بعد؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا جہاد، نبی کریم ﷺ نے بہت خوب کہہ کر فرمایا ایمان کی سب سے مضبوط رسی یہ ہے کہ تم اللہ کی رضا کے لئے کسی سے محبت یا نفرت کرو۔

(مسند احمد / أول مسند الکوفیین / حدیث:۱۸۵۲۴)

شیخ فضیل بن عیاض فرماتے ہیں۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بندے سے فرمائے گا تونے دنیا میں جو زھد اختیار کیا وہ اپنے نفس کی راحت کے خاطر اختیار کیا اور تو میری طرف تعلق کو چھوڑ کر آیا تو اپنے نفس کی عزت کا طالب ہوا یہ بتا کہ کیا تونے کسی

دشمن سے دشمنی یا کسی دوست سے دوستی صرف میرے لئے کی؟ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام جو ماحول میں نہیں ڈھلتے بلکہ ماحول بدلنے کے لئے تشریف لائے ہیں، وہ بھی صالحین کی صحبت کی دعا کرتے ہیں قرآن مجید میں سورۃ شعراء میں حضرت ابراہیم علیہ السلام (الشعراء ۹:۸۳) اور سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام (یوسف ۵:۱۰۱) سے یہ دعا منقول ہے۔ کہ ''اللّٰھُمَّ الحقنی بالصالحین'' یعنی اے میرے رب تو مجھے صالحین میں ملا دے خود رسول اللہ ﷺ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ ان لوگوں کی اپنے ساتھ صحبت قائم رکھیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی طلب گار ہیں۔ اور، رات دن اس کو پکارنے والے ہیں آپ ﷺ کی مبارک آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں۔ (وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا) (الکہف:۲۸)

''اور اپنے آپ کو اِستقامت سے اُن لوگوں کے ساتھ ساتھ رکھو جو صبح و شام اپنے رَبّ کو اس لئے پکارتے ہیں کہ وہ اُس کی خوشنودی کے طلبگار ہیں۔ اور تمہاری آنکھیں دُنیوی زندگی کی خوبصورتی کی تلاش میں ایسے لوگوں سے ہٹنے نہ پائیں۔ اور کسی ایسے شخص کا کہنا نہ مانو جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے، اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہوا ہے، اور جس کا معاملہ حد سے گذر چکا ہے۔''

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان بری صحبت کی وجہ سے ہلاک ہوا اور اصحاب کہف کا کتّا نیک صحبت کی وجہ سے قرآن مجید میں قابل ذکر ٹھہرا اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن مجید میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت پر جنت میں انعام یافتہ حضرات کی صحبت کو خوبی اور فضیلت دے کر اسے بطور انعام عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ جنت وہ جگہ ہے کہ وہاں کی صحبت مستقبل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی اور نہ ہی اچھے اور برے نتائج کا سبب بن سکتی ہے وہاں کی صحبت صرف اطمینان قلب اور لطف و لذت کے لیے ہو گی جب ایسے مقام پر بہتر صحبت ضروری ہے تو پھر دنیاوی زندگی میں جہاں کی صحبت اچھے اور برے انجام

کا سبب ہے اچھی صحبت اور نیک ماحول اختیار کرنا کس قدر ضروری ہو گا۔

پہلا صوفی:-

تاریخ میں سب سے پہلے جس بزرگ کو صوفی کے لقب سے یاد کیا گیا وہ شیخ ابو ھاشم کوفی ہیں، شام کے مشائخ میں سے تھے اور اصلاً کوفہ کے تھے اپنی کنیت سے معروف تھے حضرت امام سفیان ثوری (متوفی ۱۶۱ھ) کے معاصر تھے۔ حضرت امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھے معلوم نہ تھا کہ صوفی کسے کہتے ہیں لیکن ابو ہاشم صوفی کو دیکھا تو معلوم ہوا۔ ہر چند کہ آپ سے پہلے بہت سے بزرگ گزرے ہیں جو زہد و تقویٰ، توکل و محبت الٰہی اور معاملات میں باکمال لوگ تھے لیکن یہ انفرادیت اور یہ وصف صرف آپ کو حاصل ہے کہ صوفی آپ کو کہا گیا آپ سے پہلے کوئی اور شخص اس لقب سے نہ پکارا گیا جس طرح آپ کو سب پہلے صوفی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ اسی طرح آپ نے رملہ شہر (شام) میں سب سے پہلی خانقاہ قائم فرمائی۔ (طبقات صوفیہ، صفحہ:۶)۔

آپ کا ارشاد ہے"اخذ المرء نفسه لحسن الادب تأديب اهله"
(ترجمہ) کہ انسان کا اپنی ذات کے لیے حسن ادب اختیار کرنا اپنے اہل کو ادب سکھانا ہے (کہ اس کے حسن ادب سے اس کے اہل، ادب سیکھتے ہیں) (نفحات الانس صفحہ ۱۶)

آپ کا ۱۵۰ھ میں وصال ہوا مولانا عبد الرحمن جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اول کسی کہ وی را صوفی خواندند وی بود و پیش از وی کسی را بہ این نام نخوانده بودند۔ و ہمچنین اول خانقاہی کہ برای صوفیان بنا کردند آن است۔

ترجمہ -: اول جس شخص کو صوفی کہا گیا وہ یہی حضرت ہیں پہلے ان سے کوئی اس نام سے بلایا نہیں گیا۔ علیٰ ہذا صوفیوں کیلئے پہلے جس نے خانقاہ بنائی یہی ہیں۔
(نفحات الأنس فارسی صفحہ نمبر ۳۵)۔

فقیہہ صوفیاء حضرت عبد اللہ بن علی بن محمد بن یحیٰ ابو نصر سراج طوسی جو رجب ۳۷۸ھ میں واصل الٰہی ہوئے، دنیائے تصوف میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ان کو طاؤس (مور) الفقراء کہا جاتا تھا۔ زہد و تقویٰ ان کا زیور تھا۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ آپ ایک

دفعہ رمضان شریف میں بغداد شریف پہنچے تو مسجد شونیزیہ میں ایک حجرے میں ٹھہرے اور تراویح کی امامت فرماتے رہے۔ رمضان شریف میں پانچ قرآن پاک ختم کئے اور خادم چوبیس گھنٹوں میں صرف افطار کے وقت ایک روٹی دے جاتا مگر جب عید پڑھ کر آپ اپنے وطن روانہ ہوئے تو حجرے میں تیس کی تیس روٹیاں موجود تھیں۔ ان کے بارے میں یہ بھی روایت ہے انہوں نے عالم وجد میں آگ پر سجدہ کیا مگر آگ نے ان کا بال بھی بیکانہ کیا۔ ابوالمحاسن نے کہا ہے ان کی وفات نیشاپور میں نماز کے دوران ہوئی حضرت مولانا جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے انہوں نے وصال سے قبل فرمایا تھا کہ جو جنازہ میری قبر پر سے گزارا جائے گا اللہ اس کے گناہ معاف کر دے گا۔ چنانچہ ان کے وصال کے بعد لوگ اپنے جنازوں کو ان کی قبر پر لاتے اور تھوڑی دیر ٹھہر کر آگے چلے جاتے اتنے مستند صوفی نے تصوف اور صوفی کے بارے میں اکابر اُمّت قائدین تصوف کے ارشادات جمع فرمائے ہیں۔
میں اس نقطہ نظر سے کہ تصوف اور صوفی کی جو تعریف کتاب اللمع میں جمع کی گئی ہے یہاں درج کر رہا ہوں تا کہ اس کے آئینے میں دور حاضر کا تصوف بھی دیکھا جا سکے اور اصلی صوفی اور مکر وریا میں خط امتیاز کھینچا جا سکے۔ حضرت شیخ ابو نصر سراج فرماتے ہیں کہ محمد بن علی جو حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی کے استاذ ہیں سے سوال ہوا کہ تصوف کیا ہے تو انہوں نے فرمایا: تصوف ان کریمانہ اخلاق کا نام ہے جو کسی قدیم زمانہ میں کسی قدیم شخص سے لوگوں کے سامنے ظہور پذیر ہوں۔ تصوف یہ ہے کہ تو اللہ کے پاس بغیر کسی تعلق کے رہے۔

حضرت رویم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تصوف یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد اس طرح کر دے کہ وہ جو چاہے اس کے ساتھ کرے۔

اور حضرت سمنونؒ فرماتے ہیں: ”تو نہ کسی چیز کا مالک ہو، اور نہ کوئی چیز تیری مالک ہو۔“

اور حضرت ابو محمد جریریؒ فرماتے ہیں: ”تصوف نام ہے ہر قسم کے بلند اخلاق میں داخل ہونے اور ہر قسم کے پست اخلاق سے نکل آنے کا۔“

اور حضرت عمر بن عثمان مکیؒ فرماتے ہیں: ”تصوف یہ ہے کہ بندہ ہر لمحہ ایسے عمل

میں مشغول رہے جو اس لمحے کے لیے زیادہ مناسب ہو۔"

اور حضرت علی بن عبد الرحیم قنادؒ فرماتے ہیں: "اپنے مقام کو پھیلانے اور دائمی اتصال کا نام تصوف ہے۔"

تصوف کی طرح صوفی کی تعریف میں بھی اکابرِ اُمّت نے اپنے خیالاتِ عالیہ کا اظہار فرمایا ہے۔ صوفی کی تعریفات کو پڑھیے اور پھر دورِ حاضر کی ریا کے کرشمے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عبد الواحد بن زیدؒ فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہے جو اپنی عقل کے ذریعے اپنے ارادوں پر قائم رہے، دل سے اس پر ڈٹا رہے، اور اپنے شر سے بچنے کے لیے اپنے آقا سے وابستہ ہو۔"

حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہے جو نہ جستجو سے ٹھہرے، نہ محرومیت سے بچے، اور جس نے ہر چیز پر اللہ کو ترجیح دی، اللہ ہر چیز پر اسے ترجیح دیتا ہے۔"

حضرت جنید بن محمدؒ فرماتے ہیں: "صوفی مخلوق میں سے چیدہ (چنیدہ) شخص ہوتا ہے، جسے اللہ جب چاہے ظاہر کرے اور جب چاہے مخفی کر دے۔"

حضرت ابو الحسین محمد نوریؒ فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہے جو سماع سنتا ہے اور دنیاوی سامان میں اپنے پر دوسروں کو ترجیح دیتا ہے۔"

ملکِ شام میں صوفیاء کے لیے "فقراء" کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے، اور وہ قرآنِ پاک کی ان آیات سے تصوف کا استنباط کرتے ہیں: ارشاد فرمایا کہ "لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِمْ"

"ان فقراء مہاجرین کے لیے جو اپنے گھروں سے نکالے گئے" (سورۃ الحشر، آیت ۸)

اور ایک دوسری جگہ فرمایا گیا: "لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ"

"ان فقراء کے لیے جو اللہ کی راہ میں (جہاد یا عبادت کے سبب) رکے ہوئے ہیں" (سورۃ البقرہ، آیت ۲۷۳)

حضرت ابو عبد اللہ احمد بن محمد بن یحیی الجلاء فرماتے ہیں: "صوفی وہ فقیر ہے جو

سامانِ دنیا سے خالی ہو، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس طرح ہو کہ اس کی معیت میں مقام کی کوئی شرط نہ ہو، اور اللہ تعالیٰ نے اسے کسی علم سے نہ روکا ہو۔"

بعض نے کہا کہ صوفی دراصل "صفَوِیّ" سے ہے، (صَفَوِیّ وہ شخص جو صاف دل، خالص نیت، اور ہر میل سے پاک ہو۔) اسی نسبت سے اسے صوفی کہا گیا۔

اور حضرت ابوالحسن کنعان فرماتے ہیں: "یہ لفظ صفا سے لیا گیا ہے، اور صفا کا معنی ہے کہ بندہ ہر لحظہ اپنے خدا کے ساتھ وفادار رہے۔"

صوفی جب دو امور یا دو اخلاق کے درمیان ہوتا ہے تو ہمیشہ بہتر اور احسن پہلو کو اختیار کرتا ہے۔ تصوف کا نام دراصل ظاہری لباس (صوف یعنی اون) سے منسوب ہوا، مگر حقیقت میں صوفی اپنے باطنی احوال، اخلاق اور حقائق میں دوسروں سے ممتاز اور منفرد ہوتا ہے۔

حضرت شیخ شبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صوفی اہلِ صفہ کی یادگار ہے، اور یہ نام ظاہری لباس کی نسبت سے دیا گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نفس کا کچھ حصہ اس کے ساتھ باقی رہ جاتا ہے، ورنہ اگر بالکل فنا ہو جاتا تو کوئی وجود باقی نہ رہتا۔"

علی بن عبدالرحیم قنادیہ صوفی شعر کہتے ہیں اور اپنے خیالات کو نظم کرتے ہیں۔

أَهْلُ التَّصَوُّفِ قَدْ مَضَوْا،
فَصَارَ التَّصَوُّفُ مَخْرَقَةً۔

ترجمہ: اہلِ تصوف گزر گئے، اب تصوف صرف دکھاوے اور بناوٹ کا نام رہ گیا ہے۔

یعنی اب باطن کی سچائی نہیں رہی، صرف ظاہری شکلیں باقی رہ گئیں۔

وَصَارَ التَّصَوُّفُ صَيْحَةً،
وَتَوَجُّدًا وَمُطَبَّقَةً۔

ترجمہ: اب تصوف یہ رہ گیا ہے کہ لوگ چیخیں ماریں، بناوٹی وجد میں آئیں، اور گودڑی اوڑھ کر فقیری کا دعویٰ کریں۔ یعنی حقیقتِ تصوف ختم ہو گئی، صرف ظاہر کی نقل

رہ گئی۔

مَضَتِ الْعُلُومُ فَلَا عُلُومَ،
وَلَا قُلُوبٌ مُشْرِقَةٌ۔

ترجمہ: علوم گزر گئے اب وہ باقی نہ رہے اور نہ روشنی والے دِل موجود ہیں۔

كَذَبَتْكَ نَفْسُكَ، لَيْسَ ذَا
مِنْ سُنَنِ الطَّرِيقِ الْمُحَقَّقَةِ۔

ترجمہ: اے سالک! تیرا نفس تجھے دھوکہ دے رہا ہے، یہ طریقہ راہِ حقیقت والوں کا نہیں۔ یعنی سچی راہ والوں کا راستہ نفس کی خواہشوں سے پاک ہوتا ہے۔

حَتَّى تَكُونَ بِعَيْنِ مَنْ
عَنْهُ الْعُيُونُ مُحَدَّقَةٌ۔

ترجمہ: یہاں تک کہ تو اس ذات کی نگاہ میں آجائے، جس کی طرف سب نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔ یعنی مقصد یہ ہے کہ بندہ اللہ کی رضا اور اس کی توجہ حاصل کرلے۔

تَجْرِي عَلَيْكَ صُرُوفُهُ،
وَهُمُومُ سِرِّكَ مُطْرَقَةٌ۔

ترجمہ: اس کی تقدیری گردشیں تجھ پر چل رہی ہیں، اور تیرے دل کے راز، خاموشی سے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ یعنی سب کچھ اس کی مشیت کے تابع ہے، انسان کا باطن بھی اسی کے قبضے میں ہے۔

حضور غوث الثقلین کریم الطرفین قطب الاقطاب، امام الطائفتین شیخ الطالبین شیخ الاسلام والمسلمین حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے تصوف اور صوفی پر روشنی ڈالتے ہوئے جو فرمایا ہے اس سارے سانچے میں اگر آج کی کائنات تصوف کو ڈھالا جائے اور اس آئینے سے دیکھا جائے تو سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ارشاد ہے: "والتصوف مبنی علی ثمان خصال، السخاء لسیدنا ابراھیم علیہ السلام، والرضاء لاسحاق علیہ السلام، والصبر لایوب علیہ

السلام، والاشارة لزكريا عليه السلام، والغربة ليحى عليه السلام، والتصوف لموسى عليه السلام، والسياحة لعيسى عليه السلام، والفقر لسيدنا ونبينا محمد وعلى اخوانه من النبيين والمرسلين وآل كل وصحب كل وسلم أجمعين۔"

ترجمہ:۔ تصوف کی آٹھ خصوصیات ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سخاوت، اسحاق علیہ السلام کی رضا، ایوب علیہ السلام کا صبر، زکریا علیہ السلام کا اشارہ، یحییٰ علیہ السلام کی غربت، عیسیٰ علیہ السلام کا تصوف، عیسیٰ علیہ السلام کی سیاحت اور ہمارے آقا علیہ السلام کا فقر[1] (فتوح الغیب، المقالۃ الخامسۃ، واسبعون صفحہ نمبر 280)

---

۱ تصوف آٹھ خصلتوں پر مبنی ہے یعنی آٹھ پیغمبران اولوالعزم کی اقتداء سے صوفی، صوفی بنتا ہے: سخاوت ابراہیم علیہ السلام سے حاصل کرے کہ رضائے محبوب میں اپنے لختِ جگر کو فدا کر دیا۔ اور رضا اسحاق علیہ السلام "کی اقتداء میں کہ رضاء مولا پر اس درجہ راضی ہو کہ جان کی پرواہ نہ کرے۔ اور صبر ایوب علیہ السلام کی اقتداء میں کہ کیڑوں کے ساتھ بھی اگر امتحان ہو تو بخوشی برداشت کرے۔ اور اشارہ زکریا علیہ السلام یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ أيام إِلَّا رَمزًا" (تم لوگوں سے تین دن تک نہ بول سکو گے مگر اشارہ سے) اور اس سورۃ میں فرمایا: "إذ نادی ربه نِدَاء خَفيا" (جبکہ اس نے اپنے ربّ کو پکارا خفیہ طور سے)۔ تو صوفی کو بھی اس اشارہ کی اقتداء کرنا ہوتی ہے۔ اور غربت میں یحییٰ علیہ السلام کی اقتداء کرے کہ وہ اپنے وطن میں اپنے آپ کو مسافر سمجھتے تھے اور رشتہ دار، عزیز و اقارب میں رہ کر سب سے بیگانہ تھے۔ اور سیاحت میں عیسیٰ علیہ السلام کی اقتداء ہو کہ آپ اپنے سفر میں اس قدر مجرد تھے کہ سوائے ایک پیالہ اور ایک کنگھی کے ہمراہ کچھ نہ رکھا حتی کہ ایک شخص کو دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے پانی پی رہا ہے تو اپنے پیالے کو پھینک دیا، اور جب ایک شخص کو دیکھا کہ بالوں میں انگلیوں سے خلال کر کے شانہ کا کام لے رہا ہے تو کنگی بھی ضائع فرمادی۔

اور لبس صوف میں اتباع سیدنا موسیٰ علیہ السلام ہو کہ آپ کا لباس ہمیشہ پشمینہ کا رہتا تھا۔ اور فقر میں سید الانبیاء حبیب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کی جائے کہ باآنکہ حق تعالیٰ شانہ نے خزانہائے روئے زمین کی کنجی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بھیجی اور فرمایا اے محبوب! اپنی جان پاک پر محنت و مشقت نہ ڈالیے اور خزانوں سے جس قدر چاہیے خرچ فرما کر اپنی شان تجمل دوبالا کیجئے۔ حضور سید یوم النشور نے بارگاہ جل مجدہ میں عرض کی کہ الٰہی میں یہ نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ ایک روز کھاؤں اور ایک روز بھوکا رہوں، اور یہ اصول معاملہ تصوف میں انتہائی بہترین خصلت ہے۔ (کشف المحجوب ص: ۱۳۱)

تصویر کا دوسرا رخ

تصوف اور صوفی پر اس قدر بحث کے بعد ہمیں تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا ہے کہ آج جس تصوف کا پرچار کیا جارہا ہے اس کا مندرجہ بالا اصلی تصوف سے کیا علاقہ ہے، کیا صبر ورضا، توکل علی اللہ اور انقطاع عن الغیر کی برکتیں موجود ہیں؟ تیغ لا الہ سے کشتگان خنجر تسلیم آج کہاں ہیں؟ آج مسند تصوف پر کوئی خواجہ خواجگان عطائے رسول سیدنا معین الدین اجمیری موجود ہے؟ رقابت علم وعرفان نے کسی حلاج کے لئے اہتمام دار تو نہیں کرر کھا؟ وہ فقر جو ہلاک قیصر وکسری تھا آج کہیں ہے؟ جنُون کی حکمرانی کہاں اور خرد کی بند شکستگی کدھر ہے؟ آستانے موجود ہیں مئے خانے پائے جاتے ہیں مگر جام وسبُو کے عطائے ساقی کدھر ہے؟ حضوری قلب کے مزے، امراء سے نفرت، دولت سے دوری، اقتدار سے نفور آج سوالیہ نشان بن کر جبین تصوف پر کیوں لٹکے ہوئے ہیں؟ من کی دنیا، سوز و مستی، کیف وسرور آج کیوں ناپید ہیں، حدیث بادہ ومینا اور جام آج کیوں فراموش کر دی گئی ہے؟ان سوالات کا جواب مولانا روم کے مرید ہندی علامہ اقبال مرحوم نے یہ دیا ہے کہ:

دل سوز سے خالی ہے نگاہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجیب کیا کہ تو بے باک نہیں ہے

حضرت علامہ اقبال نے دور حاضر میں نظام خانقاہی پر جو تبصرہ کیا ہے اس کو پیش کرنے سے قبل ہم ٹھنڈے دل سے اگر غور کریں تو اسے محض ایک جدید مفکر کی بات کہہ کر ٹالا نہیں جاسکتا۔ نظام خانقاہی نے فغفور وخاقاں کی سطوت کو پیوند خاک کیا اور ضرب لا الہ سے وہ کام لیا جو کسی فاتح کی تیغ خاراشگاف کبھی نہیں لے سکتی۔ حضور پر نور ﷺ کے اصحاب صفہ کے جانشین ارباب خانقاہ اور مشائخ طریقت نے علم باطن سے ان کے بشرہ ظاہری کو بھی دوچند کر دیا مگر حرص وہوا کی خزاں نے طریقت کے اس لہلہاتے گلستان کو بھی اجاڑ دیا ہے آج کوئی نگاہ غریب نواز کوئی ادائے شاہ سلیمان، علامہ محمد اقبال کو نظر نہیں آئی تو چیخ اٹھا۔

تھا جہاں مدرسۂ شیری و شاہنشاہی
آج اُن خانقاہوں میں ہے فقط رُوباہی
نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں
وہ شبانی کہ ہے تمہیدِ کلیم اللّٰہی

ایسے عالم میں نظام خانقاہی پر نظر ثانی ضروری معلوم ہوتی ہے تا کہ مفاسد زمانہ سے اس کا تحفظ کیا جا سکے میرے نزدیک نظام خانقاہی میں موجودہ خرابیاں صوفیاء کے مخصوص موضوع فقر سے دوری کے باعث پیدا ہوئی ہیں۔ حضور داتا گنج بخش علی بن عثمان ہجویری نے کشف المحجوب میں، حضرت ابو نصر سراج نے کتاب اللمع میں حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری نے گنج الاسرار میں، عبدالرحمن جامی نے نفحات الانس میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنے مکتوبات میں شیخ المشائخ سیدنا شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں مسئلہ فقر پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔

فقر و غناء:

سب سے پہلے حضور پر نور صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے فقر کے بارے میں اولیاءِ اُمّت کا یہ عقیدہ پیش نظر رہے کہ آنحضرت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اور دیگر انبیاء کا فقر اختیاری ہے ویسے قرآن پاک میں تمام انسانوں کو فقر کی دولت سے مشرف فرمایا ہے: فرمان الٰہی ہے: ”يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ“ (سورۃ فاطر، آیت ۱۵)

ترجمہ: اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو، اور اللہ ہی بے نیاز، ستودہ صفات ہے۔

دوسری جگہ رب کریم کا ارشاد ہے: ”وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ وَأَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ“

(سورۃ محمد، آیت ۳۸)

ترجمہ: اور اللہ ہی بے نیاز ہے، اور تم محتاج ہو۔ نبی کریم رؤف رحیم نے فقر کو اپنا فخر فرمایا کیونکہ فقر تکبر کی ضد ہے اور تکبر صرف اس ذات بے ہمتا کو سزاوار ہے جو ساری

کائنات کی خالق ومالک ہے تکبر تصوف کی کائنات میں سب سے بڑا حجاب ہے اور یہ غارت گر کیف وسرور سرمدی ہے اسی لئے تمام اولیاء نے طالب کے لئے فقر کو لازم قرار دیا ہے تا کہ تکبر کی سنڈی اس جہان فقر کو تہہ وبالا نہ کردے۔

اولیاء کی سب سے بڑی تلقین اپنے طالبان کو یہی رہی ہے کہ وہ فقر اختیار کریں۔ حکیم تصوف حضرت مولانا عبد الرحمن جامی نے نفحات الانس میں حضرت شیخ ضیاء الدین ابو النجیب عبد القاہر سہروردی سے فقر پر صوفیاء کا اجماعی عقیدہ نقل فرمایا ہے: کہ

”وَأَجْمَعُوا عَلَى أَنَّ الْفَقْرَ أَفْضَلُ مِنَ الْغِنَى إِذَا كَانَ مَقْرُونًا بِالرِّضَا، فَإِنِ احْتَجَّ مُحْتَجٌّ بِقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ: ”الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى“، قِيلَ لَهُ: الْيَدُ الْعُلْيَا تَنَالُ الْفَضِيلَةَ بِإِخْرَاجِ مَا فِيهَا، وَالْيَدُ السُّفْلَى تَجِدُ الْمَنْقَبَةَ بِحُصُولِ الشَّيْءِ فِيهَا، فَفِي تَفْضِيلِ السَّخَاءِ وَالْعَطَاءِ دَلِيلٌ عَلَى فَضْلِ الْفَقْرِ، فَمَنْ فَضَّلَ الْغِنَى لِلْإِنْفَاقِ وَالْعَطَاءِ عَلَى الْفَقْرِ، كَانَ كَمَنْ فَضَّلَ الْمَعْصِيَةَ عَلَى الطَّاعَةِ لِفَضْلِ التَّوْبَةِ۔“

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ فقر غناء سے افضل ہے (مگر) جب ”(فقر) رضا کے ساتھ ملا ہوا ہو اگر کوئی معترض حضور پر نور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کے فقر کے (خلاف) اس ارشاد سے سند لے کہ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے تو جواباً کہا جائے گا کہ اونچے ہاتھ سے فضیلت مراد ہے کہ اس سے کچھ نکلتا ہے اور نیچے کا ہاتھ نقصان اس لیے پاتا ہے کہ اس میں شیے حاصِل ہوتی ہے۔ اس سے سخاوت اور بخشش کی فضیلت معلوم ہوئی یہ دلیل ہے کہ فقر افضل ہے اب جو شخص غناء کو فقر پر اس لئے فضیلت دیتا ہے کہ اس میں خرچ کرنا اور بخشش کرنا ہے تو یہ تو یوں سمجھا جائے گا جیسا کوئی شخص گناہ کو نیکی پر اس لئے فضیلت دے کہ اس میں توبہ کی فضیلت پائی جاتی ہے۔

(نفحات الانس، ۴۴۴، شبیر برادرز لاہور)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ ثابت ہوا اولیاء کا اجماعی عقیدہ یہ ہے کہ فقر و غناء میں فضیلت فقر کو حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ تمام اولیاء نے فقر کو اپنی تعلیمات میں بڑی اہمیت

سے بیان فرمایا ہے۔ حضور سید نا علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش رحمہ اللہ نے کشف المحجوب میں علم کے بعد باب اثبات الفقر باندھا ہے اس میں اکابر صوفیاء کے خیالات کی روشنی میں فقر پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ میں یہاں فقر پر اولیاء اکابرین کے عبارات کا خلاصہ لکھ رہا ہوں تفصیل کے لئے کشف المحجوب کے علاوہ اخبار الاخیار، نفحات الانس کتاب اللمع وغیرہ کتب تصوف کی طرف رجوع فرمائیں۔

ابو الحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "النَّعْتُ الفَقِيرِ: السُّكُوتُ عِندَ العَدَمِ، وَالبَذْلُ عِندَ الوُجُودِ، وَقِيلَ أَيْضًا: الِاضْطِرَابُ عِندَ الوُجُودِ۔" فقیر کی عظمت یہ ہے کہ کچھ نہ ہو تو خاموش رہے اور جب کچھ ہو تو خرچ کرے اور فرمایا (فقیر) مال کی موجودگی میں پریشان ہوتا ہے۔

رویم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: - النعتُ الفقيرِ: حِفظُ سِرِّهِ، وصِيانَةُ نَفسِهِ، وأداءُ فَرِيضَتِهِ۔

ترجمہ: فقیر کی صفت یہ ہے کہ وہ اپنے راز کی حفاظت کرتا ہے، اپنے نفس کو پاکیزہ رکھتا ہے، اور اپنے فرض کو ادا کرتا ہے۔

بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: افضل المقامات اعتقاد الصبر علی الفقر۔ سب مقامات سے فضیلت کا مقام یہ ہے کہ فقر پر صبر کا اعتقاد رکھے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد پر حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: فقر پر صبر کا اعتقاد رکھنے کی علامت یہ ہے کہ اعمال و افعال کی بلاؤں اور اوصاف کی فناء کی سمت دیکھے لیکن واضح معنی یہ ہے کہ فقر غناء سے افضل ہے۔

حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: الفقر بحر البلاء وبلاءہ کلہ عز۔ ترجمہ: فقر آزمائشوں کا سمندر ہے اور اس کی ہر آزمائش عزت ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ترجمہ -: يَا مَعْشَرَ الْفُقَرَاءِ! إِنَّكُمْ تُعْرَفُونَ بِاللّٰهِ، وَتُكْرَمُونَ لِلّٰهِ، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَكُونُونَ مَعَ اللّٰهِ إِذَا خَلَوْتُمْ بِهِ۔ اے جماعتِ فقراء! تمہاری پہچان اللہ کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ہے، اور

تمہیں عزت و تکریم بھی اللہ ہی کے لیے حاصل ہے، پس غور کرو کہ جب تم اللہ کے حضور تنہائی میں ہوتے ہو تو تمہارا حال اس کے ساتھ کیسا ہوتا ہے۔

کشف المحجوب میں ذکر کی گئی ان تعریفات فقیر و فقر میں اولیاء ربانی نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ عظمت انسان کے لئے فقر اصل ہے اور غناء اس کی فرع ہے اگر اصل میں ثابت قدمی نہ ہو تو فرع سراپا حجاب بن جائے گی فقر سے انسان معبود حقیقی سے غافل نہیں ہو سکتا اور بے واسطہ الٰہی غناء، صرف دنیا رہ جائے گی فقر کی دولت سے توکل میسر آئے گی اور بغیر توکل غناء فتنہ کہلائے گی۔ صوفیاء نے دنیا کی مذمت بھی اسی لئے کی ہے کہ وہ فقر کے معارض ہے در حقیقت دنیا بھی فقر ہی کے ذریعے آئے تو وہ دین بنتی ہے ورنہ بحر دنیا میں لاکھوں دلوں کے سفینے ڈوب چکے ہیں۔ عارف روم فرماتے ہیں کہ:

چیست دنیا ؟ از خدا غافل بُدن

نے قماش و نقرہ و فرزند وزن

ترجمہ:۔ دنیا کیا ہے؟ خدا سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے مال و دولت بیوی بچے (فی نفسہ) دنیا نہیں ہے۔

اولیاء کے نزدیک غناء بخل پیدا کرتا ہے۔ جبکہ سخاوت درویش کا زیور ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ خواجگان بزرگ عطاء رسول سیدنا معین الدین چشتی اجمیری غریب نواز حسن سنجری فرماتے ہیں: ”کہ میں نے خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے سنا ہے، فرماتے تھے کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں تو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے، اول، سمندروں جیسی سخاوت، دوئم آفتاب جیسی شفقت، سوئم، زمین جیسی تواضع۔“

(اخبار الاخیار، ص:۲۷)

سخاوت فقر کا لازمی حصہ ہے کہ حب دولت کی بجائے حب الٰہی فقر اور سخاوت ہی سے پیدا ہوتی ہے فقر اور دنیا جمع نہیں ہو سکتے یہ دونوں ایک دوسرے کی نقیض (مخالف) ہیں۔ سطور بالا میں عرض کر چکا ہوں کہ اگر مال ظاہر فقر کے تابع ہو کر آئے تو دنیا بھی دین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا

ملفوظ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ سیدنا عثمان ہارونی سے میں نے سنا کہ آدمی فقر کا حقدار اس وقت ہوتا ہے جب عالم فانی کی کوئی چیز اس کے پاس باقی نہ رہے۔ (اخبار الاخیار ص:۲۸)

مگر کثرت دنیا اور غرض کے اژدھوں نے ہمارے معاشرہ سے یہ دولت چاٹ لی ہے اور آج صوفی بھی موجود ہے اور عالم بھی، پیر بھی موجود ہے مرید بھی لیکن حضرت فقر کی زیارت نہیں ہوتی۔ غالباً اسی صورت حال سے تنگ آکر اقبال چیخ اٹھا:

نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری
رہا صوفی گئی روشن ضمیری
خدا سے پھر وہی قلب و نظر مانگ
نہیں ممکن امیری بے فقیری

اولیاء کاملین کی تشریحات سے فقر کی جو صورت حال دینی اور شرعی حیثیت سامنے آئی ہے اس سے یہ سمجھ لینا کوئی مشکل نہیں کہ ہر دور میں مردان حق آگاہ نے فقر ہی سے تسخیر کائنات فرمائی ہے فقر ہی سے تخت و تاج کی بلندیاں قدم بوس فقیر راہ ہو گئیں اقبال کی نظر میں فقر کا مقابل غناء بھی ہے اور علم ظاہر بھی جس سے روحانی روشنی بجھ کر مادی ظلمت چھا جائے چنانچہ علامہ اقبالؒ نے فقر اور علم کا تقابل کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
علم فقیہ و حکیم فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ

غناء:-

بعض صوفیاء نے فقر کے معارض غناء کو غناء باللہ قرار دے کر اس کو جائز رکھا

ہے مگر طاؤس الفقراء حضرت ابو نصر سراج نیشاپوری نے اس تاویل کو رد کر دیا اور صوفیاء کے اجماعی مسلک کی ترجمانی فرمائی کیونکہ ان کے نزدیک ایک صوفی کو اگرچہ خاص و عام میں مقبولیت حاصل ہو چکی ہو یا ہوا میں پرواز کرتا ہو ان کو تین چیزوں سے بچنا ضروری ہے

(۱) حرام امور سے پرہیز کرنا خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے۔

(۲) تمام فرائض کا ادا کرنا خواہ کتنے ہی مشکل ہوں۔

(۳) ترک دنیا کرنا خواہ وہ کم ہو یا زیادہ۔

اور رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: ''أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ: الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيءُ۔'' (صحیح ابن حِبّان، رقم: ۴۰۳۲)

ترجمہ: ''چار چیزیں سعادت (خوش بختی) میں سے ہیں: نیک بیوی، کشادہ مکان، اچھا پڑوسی، اور آرام دہ سواری۔''

یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ حقیقی سعادت محض دنیاوی فراوانی یا مال و دولت کے انبار میں نہیں، بلکہ اس اعتدال و قناعت میں ہے کہ انسان اپنی بنیادی ضرورتوں پر اکتفا کرے اور دل سے راضی رہے۔

جمعِ مال، بخل، اور فخر و مباہات کی محبت بندے کے دل سے تعلقِ الٰہی کو کاٹ دیتی ہے، یہی کیفیت غِنا کے ظاہری معنی میں داخل ہو کر انسان کو روحانی فقر سے محروم کر دیتی ہے۔ لیکن صوفیاء کا مسلک اس کے بالکل برعکس ہے۔

صوفی دراصل کسی نبی علیہ السلام کے باطنی فیض کا مظہر ہوتا ہے۔ بعض صوفیاء سیدنا سلیمان علیہ السلام کے مظہر ہوتے ہیں، اس لیے وہ مال و دولت رکھتے ہوئے بھی دل سے اس کے غلام نہیں بنتے۔ ان کا مال و دولت بھی غِنا میں شمار نہیں ہوتا، کیونکہ وہ اس کو رضائے الٰہی، خدمتِ خلق اور راہِ حق میں استعمال کرتے ہیں۔

یوں نبی ﷺ کی بتائی ہوئی ہدایت کا مفہوم یہی ہے کہ بندہ ضرورت کے بقدر ظاہری اسباب رکھے، مگر دل سے اللہ تعالیٰ کا محتاج اور اُس کی رضا پر قانع رہے۔ یہی وہ حقیقی غِنا ہے جو فقرِ صادق کی روح سے ہم آہنگ ہے۔ حقیقت میں صوفی کو تین چیزوں کا پابند

رہنا ضروری ہوتا ہے۔(۱) اصول کی پابندی یعنی ہر امر میں رضائے الٰہی مقدم ہو۔(۲) فروع کا تحفظ فروع یہ ہیں:(۱) آداب (۲) اخلاق (۳) مقامات (۴) افعال (۵) احوال (۶) اقوال۔ جب صوفی آداب یعنی شریعت محمدی ﷺ کا پابند ہو اور باقی امور کو اس کا تابع رکھے تو تمام فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اصلاح اس کی بلائیں لیتی ہے بگاڑ اس سے دور رہتا ہے۔(۳) لغزش سے محفوظ رہتا ہے یعنی چھوٹی سے چھوٹی سے غیر شرعی حرکت صوفی سے نہ ہونے پائے اس طرح اس کا مال اگرچہ کثیر تعداد میں جمع ہو جائے فقر ہی رہے گا غنا نہیں ہونے پائے گا۔ آج جبکہ اہل تصوف بھی ان اصطلاحات کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں فقر اور غنا، خالص سیاسی اصطلاحیں بن گئی ہیں۔ فقر کے علمبردار اشتمالی ہیں جبکہ غناء کے ترجمان استحصالی ہیں۔ سرمایہ اور محنت کی جنگ نے مزدور اور مالک کا روپ دھار لیا فقر کی صورت بگاڑ کر سنٹرل ایشیا میں مال و دولت سے محروم طبقہ کو مستضعفین (ضعیف) کہا جانے لگا اور اسی پر سرمایہ دار استحصالیوں نے کمیونزم کے چچیرے بھائی سوشلزم کو پیدا کر لیا۔ ادھر مغربی سامراج نے دولت کی غلط تقسیم کے لئے حرام کے بے شمار باب وا کر دیئے انکم ٹیکس، رشوت، سود، وغیرہ تمام اقسام سرمایہ داروں کی پیدا کردہ ہیں۔ بد قسمتی یہ ہے کہ اسلام کا بدترین دشمن سرمایہ داری کا علمبردار طبقہ انہوں نے اپنے مال حرام سے علماء اور ریاکار صوفیوں کے طبقے پیدا کر دیئے وارثان منبر و محراب اور صاحبان جبہ و دستار نے سرمایہ دار کے لئے اللہ کے دین میں پیوند کاری کی۔ قرآن میں تحریف کی۔ حدیث کے معانی کو بدلا۔ فقہ کی منشا کو ذبح کر دیا۔ فتویٰ فروشی، واعظ بازی، تحریر و تقریر اور سودے کاری نے علماء کے مکروہ چہروں کو ننگا کر دیا وہ ارباب اختیار اور وارثان اقتدار کے طواف کرنے لگے اسی طرح نام نہاد مشائخ صوفیاء کے لباس میں ارباب اقتدار کی اغراض کے پجاری بن گئے۔ حالانکہ ہماری جگمگاتی تاریخ یہ ہے کہ علمائے حق اور مشائخ عظام ہمیشہ اقتدار کو نوک پاپوش پر رکھتے رہے۔ حضور امام الائمہ کاشف الغُمہ سراج الامت حضرت سیدنا نعمان ابن ثابت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی، حضرت سیدنا امام مالک، حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور دیگر ائمہ فقہ و حدیث نے اس عظمت کا برملا اظہار کیا

انہوں نے حقیقی فقر کا دامن تھاما اور سامراجی غناء کو لتاڑا قید و بند اور دار و رسن کی منزلوں سے گزرے مگر سب سے پہلے صوفی حضرت ابو ہاشم کوفی کے دور سے لے کر پیش کئے گے فقر کے علمبر دار رہے۔ حضور غوث الثقلین امام سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ بیک وقت علامہ مفتی محدث، مجتہد، اور عارف و فاضل مرد حق آگاہ تھے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اخبار الاخیار میں لکھا کہ حضور غوث اعظم کی تقریر نوٹ کرنے کے لئے پانچ سو علماء کاغذ اور قلم لے کر بیٹھتے پورے عالم اسلام میں آپ کے پائے کا نہ کوئی عالم دین تھا اور نہ کوئی صوفی مگر آپ کے کردار کی پختگی، غناء سے نفرت، فقر سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ۲۷ ربیع الاول ۵۲۱ھ سے لے کر ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۲ھ تک مسلسل تقریباً اکتالیس سال ہر ہفتہ میں تین مرتبہ مجمع عام میں تقریر فرماتے اس طرح تقریباً ۲۰۷ تقاریر آپ نے فرمائیں جن کے مجموعے فتوح الغیب اور الفتح الربانی کی شکل میں موجود ہیں دونوں مجموعوں میں تمام تقاریر کا احصاء تو نہیں ہو سکا مگر جس قدر بھی ہیں ہدایت انسانی کے لئے زریں مرقع ہیں۔ ان تمام تقاریر میں جناب غوث اعظم نے اپنے دور کے عباسی خلفاء جو دور حاضر کے بدکار مسلمان حکمرانوں سے بدرجہا بہتر تھے کی تعریف میں ایک لفظ تک بھی ارشاد نہیں فرمایا بلکہ بعض اوقات ان کے ظلم و ستم پر سراپا احتجاج فرمایا۔ آپ ۴۸۸ھ میں بغداد شریف آئے اور ۵۶۲ھ تک تقریباً ۷۴ سال میں بغداد شریف کے آٹھ خلیفے تبدیل ہوئے مگر تاریخ کے کسی تاریک کونے میں بھی کوئی ایک ضعیف روایت نہیں ملتی کہ آپ کسی بھی خلیفہ کے دربار میں کبھی بھی تشریف لے گئے ہوں۔ مگر آج تاجران فقر شاہ جیلان جب حکمرانوں کی خوشامد کرتے زلف لہراتے کولہے مٹکاتے نظر آتے ہیں تو قلب بریاں سے یہ سرد آہ بلند ہوتی ہے۔ کہ اس زمین پر کثرم واژدہے برسنے چاہئیں۔ خواجہ خواجگان عطائے رسول ہند الولی سیدنا سید معین الحق والدین چشتی اجمیری حسن سنجری رضی اللہ عنہ جس دور میں وارد ہندوستان ہوئے۔ اس وقت دیار ہند کفر کی شب یلدا میں گرفتار تھا اسلام کا کوئی ٹمٹماتا ہوا چراغ بھی لو نہیں دے رہا تھا۔ ۴۶۵ھ کو حضرت داتا گنج بخش آسودہ ابد ہو چکے تھے۔ سیدنا قطب الدین بختیار کاکی

اور شیخ الاسلام فرید الدین گنج شکر کا عروج بعد میں آپ کے سلسلہ میں ہوا اجمیر میں راجہ پتھورا حکمران تھا آپ نے اس کے تمرد شاہی، حکومت واقتدار کو خاطر میں لائے بغیر کلمہ حق بلند کیا اور راجہ پتھوار کے زوال میں آپ نے بنیادی کردار ادا کیا اور اس کے مقابلے میں شہاب الدین غوری کی فوج کو اسلحہ اور سیاسی قوت فراہم کی۔ میں سماع پر معترض نہیں ہوں سلسلہ عالیہ چشتیہ میں اس کی ایک خاص شکل ہے مگر جس وقت قومی ناؤ ڈوب رہی ہو اور ملت کا سفینہ موجوں کے تھپیڑوں میں ہو اس وقت سلسلہ عالیہ چشتیہ کے اکابر اولیاء جہاد کو اہمیت دیتے ہیں مگر آج حضور شاہ جیلان اور خواجہ اجمیر کے جانشین کہلانے والے ارباب فقر غمزہ اقتدار کے شکار ہو کر باب غناء میں داخل ہو چکے ہیں سامراجیوں کے تقسیم دولت والے استحصالی نظریہ کو آب ودانہ منبر و محراب یعنی علماء ظاہر اور سجادہ و خانقاہ یعنی علماء باطن کہلانے والے حضرات سے ملتا ہے۔ اس لئے فقر و غناء کی اس بحث میں اس امر کو بھی زیر نظر رکھا جائے۔

ولی:-

فقر کے بعد اگلی منزل صوفی اور ولی[1] کی ہے جس کا معنی مددگار، والی، نگہبان کے

ا قرآن اور شریعت کی روشنی میں ولی وہ شخص ہے جو اللہ کے قریب ہو، اس کی اطاعت کرے، نیک اور پرہیز گار ہو، اور انسانوں کے لیے حق ورہنمائی کا ذریعہ ہو۔ ولی اللہ وہ ہے جس کا دل ایمان اور تقویٰ سے معمور ہو، جو اللہ کے دوست اور بندوں کا مددگار ہو۔ اس کے مقابل وہ لوگ یا طاقتیں ہیں جو اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار یا دوست مان لیتے ہیں، جیسے بت، طاغوت یا دنیاوی طاقتیں، اور یہ عمل شرک اور کفر میں شمار ہوتا ہے۔

اللہ کے ولی (ولی اللہ): اللہ کے ولی نیک بندے اور رہنما ہیں جو انسانوں کو حق کے راستے پر لے جاتے ہیں۔

قرآن میں فرمایا: "أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ. الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ"

"بے شک اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور پرہیز گار تھے۔" (سورۃ یونس: ۶۳-۶۲)

اور فرمایا: "إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ"

"تمہارے دوست صرف اللہ، اس کا رسول، اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے، نماز قائم کرتے اور زکات دیتے

ہیں شرعی اصطلاح میں اس بندہ خدا کو ولی کہتے ہیں جو اپنے شب وروز اور نشست وبرخاست کو محسن کون ومکان باعث ایجاد عالم ﷺ کی سیرت طیبہ اور صورت منورہ کا پیکر جمیل بنا لے کیونکہ حکیم تصوف حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی نے فرمایا ہے:

خلاف پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

یعنی جو حضور ﷺ سے مختلف راستہ تلاش کرے وہ منزل کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

ولی نہ صرف فرائض وسنن کا اہتمام کرتا ہے بلکہ خلافِ اَولیٰ کا ارتکاب بھی گوارا نہیں کرتا۔ ولی کی زبان، زبانِ حق ہوتی ہے۔ چنانچہ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

(اس کی بات دراصل خدا کی بات ہوتی ہے، اگرچہ وہ عبداللہ کے حلق سے نکلتی

ہیں۔"(سورۃ المائدہ:۵۵)
یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ اللہ کے ولی وہ لوگ ہیں جو ایمان و تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اللہ کی رضا کے طلبگار ہیں اور انسانوں کے لیے رہنمائی اور مدد کا ذریعہ ہیں۔
اللہ کے مقابل ولی(ولی من دون اللہ): وہ لوگ یا طاقتیں جو اللہ کے سوا کسی اور کو مدد گار یا دوست مان لیتے ہیں، قرآن میں ان کے لیے سخت تنبیہ ہے: "لَا تَتَّخِذُوا الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِينَ أَتُرِيدُونَ أَن تَجْعَلُوا لِلَّهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا"
"کافروں کو مؤمنوں کے مقابل دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے بارے میں اپنے اوپر واضح اختیار قائم کرو؟"(سورۃ ال عمران:۲۸)
اور "لَا تَتَّخِذُوا أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللهِ فَإِذَا فَسَدَتِ الْأَرْضُ وَظَلَمَتِ الْقُلُوبُ"
"اللہ کے سوا کسی کو دوست نہ بناؤ، ورنہ زمین فساد اور دل تاریکی میں ڈوب جائیں گے۔"(سورۃ البقرہ:۱۰۷)
یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار یا ولی ماننا شرک و کفر کے زمرے میں آتا ہے، اور انسان کو ہدایت سے دور لے جاتا ہے۔
خلاصہ یہ کہ اولیاء اللہ وہ نیک، ایمان والے، پرہیزگار اور اللہ کے قربت کے حامل لوگ ہیں جو انسانوں کے رہنما اور مددگار ہیں، جبکہ ولی من دون اللہ وہ لوگ یا طاقتیں ہیں جو اللہ کے سوا کسی اور کو دوست یا مددگار مان لیتے ہیں، اور یہ عمل شرک اور کفر کی علامت ہے۔

ہے۔)

ولی دراصل دستِ قدرت کا شاہکار ہوتا ہے، امتِ خیر الانام ﷺ کا مونس و غمخوار ہوتا ہے۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیرِ جُستہ باز گردانند زِ راہ

(اولیاء کو خدا کی طرف سے قوت وتصرف حاصل ہوتا ہے، وہ چلتا ہوا تیر بھی راہ سے واپس پھیر دیتے ہیں۔)

یہ نفوسِ قدسیہ، ذاتِ الٰہی میں اپنی "انانیت" کو فنا کر کے، "ھُوَ الباقی" کا نعرہ لگاتے ہیں، اور اسی میں محو ہو کر ایک ہی ذاتِ واجب الوجود کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

اولیاء اللہ، اللہ اولیاء
نیست فرقے درمیاں کردن روا

(اولیاء اللہ دراصل اللہ ہی کے مظاہر ہیں؛ ان کے درمیان جدائی کرنا درست نہیں۔)

اولیاءِ عظام، گناہوں کی تپتی ریت پر ابرِ بہاری کا چھینٹا ہیں، معصیت کی شبِ تیرہ و تار میں مغفرت کا آفتاب ہیں، اور ابلیسی قوتوں کے مقابلے میں رحمانی للکار بن کر اُبھرتے ہیں۔۔

ولایت کی اقسام:-

علمی طور پر ولایت کی دو قسمیں ہیں ولایت عامہ اور ولایت خاصہ ولایت عامہ میں ہر مومن شامل ہے قرآن پاک میں ہے۔ **اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ** (سورۃ البقرۃ:۲۵۷)۔ ترجمہ: اللہ مومنوں کا مددگار ہے انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ ولایت خاصہ میں اللہ کے پاکباز بندے شامل

ہیں ولایت خاصہ کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا عبد الرحمن جامی نے نفحات الانس میں لکھا ہے: کہ (ترجمہ) یعنی ولایت خاصہ سے مراد حق کی طرف بندے کا فانی ہو جانا اور حق کو باقی جاننا ولی وہ شخص ہے جو اللہ کی ذات میں فانی اور اس کی ذات کے ساتھ باقی ہو جائے۔ جس طرح ہمارے اولیاء خواجہ خواجگان حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمہ اللہ، حضرت خواجہ پیر محمد فاضل شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے خلفاء ہیں۔ مشہور صوفی علامہ ابو علی جوزجانی نے ولی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:(ترجمہ) ولی وہ شخص ہے جو کہ اپنے حال سے فانی اور خدا کے مشاہدہ میں باقی ہو اس کو نہ اپنی طرف سے خبر دینا ممکن ہے اور نہ خدا کے سوا اقرار۔ (نفحات الانس ص۳)

سر خیل صوفیاء حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے پوچھا کیا تو ولی بننا چاہتا ہے اس نے اثبات میں سر ہلایا تو آپ نے فرمایا کہ دنیا اور آخرت دونوں کی خواہش نہ کر کیونکہ ان کی خواہش سے خدا کی طرف سے غفلت آجائے گی اور اپنے آپ کو خدا کی دوستی کے لئے وقف کر دے جب یہ اوصاف پیدا ہو جائیں گے تو ولی بن جائے گا۔
(عوارف المعارف ص:۹)

رسالہ قشیریہ کے مصنف حضرت امام ابو القاسم قشیری فرماتے ہیں کہ لفظ ولی کا ایک معنی ولی یا تو فعیل کے وزن پر معنی مفعول ہو گا یعنی جس شخص کا کام دوسرے کے سپرد ہو گیا اس معنی سے مراد یہ ہو گا کہ ولی وہ ہوتا ہے جس کے تمام امور کا ذمہ دار خود اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

دوسرا معنی فعیل کے وزن پر صیغہ مبالغہ بمعنی فاعل ہو گا جس کا مفہوم یہ نکلے گا کہ وہ شخص خدا کی عبادت اور اس کی اطاعت کا والی ہے۔ اور ایسا عابد ہے کہ وہ دخل گناہ کے بغیر اپنے مالک حقیقی کی عبادت میں سرمست ہے۔ ان اوصاف کے پیدا ہونے سے انسان ولی بنتا ہے اور پھر اس کے حقوق اللہ کے لئے یہ ہیں کہ ہر عسر و یسر میں محو عبادت رہے ولی کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ گناہ سے محفوظ رہے۔ حضرت امام قشیری نے یہ واقعہ بھی درج کیا ہے کہ حضرت بایزید بسطامی نے ایک ایسے شخص کی زیارت کا ارادہ کیا جس

کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ ولی ہے مگر جب آپ وہاں پہنچے تو وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوک رہا تھا۔ اور اسے ملے اور سلام کے بغیر واپس آ گئے۔ اور فرمایا کہ جب یہ شخص حضور ﷺ کی شریعت سے بے خبر ہے تو اللہ کے رازوں کا امین کیسے بن سکتا ہے؟ مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو سعید ابو الخیر کا یہ واقعہ بھی نقل فرمایا ہے کہ ان کی مسجد میں ایک صوفی داخل ہونے لگا تو اس نے بایاں پاؤں پہلے مسجد میں داخل کیا تو آپ نے اسے مسجد سے نکال دیا اور فرمایا کہ جو اپنے دوست کے گھر آنے کا ادب نہیں جانتا وہ ہمارے پاس بیٹھ کر کیا کمائے گا۔ شیخ رکن الدین علاؤ الدولہ فرماتے ہیں: کہ انبیاء قصداً گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء محفوظ۔

اولیاء کی اقسام:۔

اولیاء کی تقسیم کئی طرح سے واقع ہوئی ہے۔ ان میں قرآن حکیم کا ارشاد سر فہرست ہے۔ "وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ ۚ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا"

(سورۃ النساء، آیت ۶۹)

ترجمہ: جو شخص اللہ اور رسول کی اطاعت کرے، تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے — یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ۔ اور کیا ہی اچھے ہیں یہ رفیق!

انعام یافتہ لوگوں میں سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اللہ کے اچھے رفیق ہیں۔ تفسیر عزیزی میں حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "ولی کا اطلاق چاروں پر ہوتا ہے یعنی نبی، صدیقین، شہداء اور صالحین سب ولی ہیں۔ لیکن عموماً لفظ ولی کا اطلاق صالحین پر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان چاروں کو دوست رکھتا ہے ان کے رزق کی کفالت کرتا ہے۔ کئی طریقوں سے دوسرے لوگوں سے ممتاز فرماتا ہے۔ دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ خلوت میں ان کا ہم نشین ہوتا ہے اور غربت میں ان کی عزت میں اضافہ کرتا ہے۔ (تفسیر عزیزی، ج:۱)

کیونکہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ولی، نبی، صدیق شہید ہو جائے مگر یہ ضروری ہے کہ ہر نبی صدیق شہید ولی ہو۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے یہ بھی فرمایا ہے کہ شہید کا مطلب یہی نہیں کہ وہ تلوار سے اس جہاں سے رخصت ہو بلکہ مشاہدہ حق کرنے والا بھی شہید ہے۔ اولیاء کی دوسری تقسیم میں سات طبقے ہوتے ہیں:

(۱) خاصان حق:۔ وہ لوگ ہیں جن کے صدقے سے نظام ارض و سماوات قائم ہے۔ ان کا ہر لمحہ زمین پر موجود ہونا ضروری ہے کیونکہ انہی کے وسیلے سے زمین سبزی اگاتی ہے اور آسمان پانی برساتا ہے۔ اولیاء ان کی تعداد چار ہزار بتاتے ہیں یہ پوری دنیا پر ہمہ وقت رہتے ہیں ان میں سے کسی ایک کا وصال ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کو مقرر کر دیتا ہے۔

(۲) اہل تصرف:۔ یہ لوگ مولانا جامی کے بقول درگاہ الٰہی کے پیارے ہوتے ہیں ان کی تعداد تین سو ہے۔ جو حضرات چار ہزار کی تعداد میں ہیں وہ ایک دوسرے کو نہیں پہچانتے مگر اہل تصرف ایک دوسرے سے واقف ہوتے ہیں۔

(۳) اخیار:۔ وہ لوگ ہیں جو خدا کے پسندیدہ اور محبوب لوگ ہیں ان کی تعداد پوری دنیا میں چالیس ہوتی ہے۔

(۴) ابدال:۔ یہ بھی اولیاء کاملین میں سے ہیں یہ پوری دنیا پر سات ہیں۔

(۵) ابرار:۔ یہ نیکی پھیلانے کے ذمہ دار ہیں اور یہ چار ہیں۔

(۶) اوتاد:۔ تین ہوتے ہیں ان کو نقباء بھی کہا جاتا ہے۔

(۷) غوث:۔ دنیا میں ہر دور میں صرف ایک ہی غوث ہوتا ہے، جس پر کائنات کے روحانی نظام اور اولیاء کے سلسلوں کا انتظام منحصر ہوتا ہے۔ حضور پر نور غوث الثقلین، سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُمّتِ محمدیہ کے تمام اغواث میں ممتاز ہیں اور قیامت تک اپنے مریدوں کے روحانی نگراں رہیں گے۔ پوری ملتِ تصوف اس حقیقت پر متفق ہے کہ غوث کا مرتبہ ایک وقت میں صرف ایک فرد کو عطا ہوتا ہے، اور یہ مرتبہ ولایت اور روحانی نگراں کی خاص و اہم ذمہ داریوں سے منسلک ہے، جو صرف روحانی

قیادت اور کائناتی نظامِ اولیاء کے انتظام تک محدود ہے، اور کسی صورت میں نبوت کے مرتبے کے برابر یا اس کی ہمسری نہیں رکھتا۔

حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی آمد سے تقریباً ایک صدی قبل، بزرگ صوفیاء نے آپ کی عظمت اور بلند مرتبہ کی پیشگوئی فرمائی۔ اس اعتبار سے، غوث کا مرتبہ اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی برتری، صوفیانہ نصوص اور مشائخ کرام کے متواتر ارشادات سے مضبوطی سے ثابت ہے۔۔

قلائد الجواہر میں شیخ محمد سبکی سے مروی ہے کہ میں نے اپنے شیخ حضرت ابو بکر بن ہورار رحمہما اللہ سے سنا کہ عراق کے اوتاد کی تعداد آٹھ ہیں، جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں: (۱) حضرت معروف کرخی (۲) حضرت امام احمد بن حنبل (۳) حضرت بشر حافی (۴) حضرت منصور بن عمار (۵) حضرت سری سقطی (۶) حضرت جنید بغدادی (۷) حضرت سہل بن عبد اللہ تستری (۸) حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین

راوی نے پھر سوال کیا: حضرت کون عبد القادر؟ تو ارشاد فرمایا: یہ شخص شرفائے عجم سے ہو گا، اور بغداد میں آکر قیام کرے گا، اور اس کا ظہور پانچویں صدی میں ہو گا۔
(قلائد الجواہر، صفحہ نمبر ۹۳ مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاھور)

سلسلہ عالیہ چشتیہ میں حضرت سیدنا معین الدین چشتی اجمیری، سیدنا قطب الدین بختیار کاکی، شیخ الاسلام خواجہ فرید الدین گنج شکر، سیدنا نظام الدین محبوب الٰہی، شاہ نصیر الدین چراغ دہلی، حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی، قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہاروی، حضرت سیدنا شاہ سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ محمد فاضل شاہ صاحب، حضرت خواجہ شمس الدین سیالوی یہ سب حضرات درجہ غوثیت پر فائز تھے غوث کا معنی فریادرس ہے۔ یہ تمام اولیاء اپنے وابستگان دامن کی استعانت اور مدد فرماتے ہیں۔ بلکہ بغیر استعانت کے بھی ان کی مدد مرید کے شامل حال ہوتی ہے۔ مولانا روم کا ارشاد ہے:

دست پیر از غائباں کوتاہ نیست
قبضہ او جز قبضہ اللہ نیست۔

علماء دیوبند بھی سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ نظامیہ قادریہ اور دیگر سلاسل سے متعلق رہے اور تصوف سے وابستہ رہے۔ مولنارشید احمد گنگوہی، مولنا اشرف علی تھانوی، مولنا محمود الحسن دیوبندی اور مولنا محمد قاسم نانوتوی، یہ سب حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مرید ہیں اور انہیں غوث بمعنی فریادرس لکھتے ہیں (دیکھئے رسالہ ”سلاسل طیبہ از مولاناسید حسین احمد مدنی مطبوعہ ادارہ اسلامیات انار کلی لاھور) شجرہ سلسلہ میں اولیاء کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں بلکہ اپنی کتاب المہند کے ذریعے انہی عقائد کا اعلان کرتے ہیں جو اہلسنت کے ہیں لیکن دوسری طرف شاہ محمد اسماعیل دہلوی کی تقویۃ الایمان کو اپنے عقائد کی بنیاد بتاتے ہیں۔ غرضیکہ اولیاء کاملین کے عقائد اور وابستگی ہی نجات کا ذریعہ ہے۔

کرامت-: اللہ کے ولی کی کرامت[1] حق ہے، جس طرح نبی کا معجزہ حق ہے۔ نبی

---

[1] **کرامت-:** عارف باللہ ناصح الامہ حضرت سیدنا عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی علیہ الرحمہ کرامت کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

”کرامت سے مراد وہ خلاف عادت امر ہے جس کا ظہور تحدی و مقابلہ کے لیے نہ ہو اور وہ ایسے بندے کے ہاتھ پر ظاہر ہو جس کی نیک نامی مشہور و ظاہر ہو، وہ اپنے نبی کا متبع درست عقیدہ رکھنے والا اور نیک عمل کا پابند ہو“ (الحدیقۃ الندیہ، جلد ۱، صفحہ ۲۹۲)۔

علامہ عبد العزیز پڑھاروی لکھتے ہیں کہ! مومن متقی سے اگر کوئی ایسی نادر الوجود و تعجب خیز چیز صادر و ظاہر ہو جائے جو عام طور پر نہیں ہوا کرتی تو اسے کرامت کہتے ہیں (النبراس شرح شرح عقائد، اقسام الخوارق سبعہ، صفحہ ۲۷۲)۔

شرح المقاصد میں ہے: ”الولی ھو العارف باللہ تعالیٰ الصارف ھمتہ عما سواہ والکرامۃ ظھور امر خارق للعادۃ من قبلہ بلا دعوی النبوۃ وھی جائزۃ ولو بقصد الولی ومن جنس المعجزات لشمول قدرۃ اللہ تعالیٰ وواقعۃ کقصۃ مریم واٰصف واصحاب الکھف وما تواتر جنسہ من الصحابۃ والتابعین و کثیر من الصالحین وخالفت المعتزلۃ۔“

ترجمہ: ولی وہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتا ہو اور ماسوی اللہ سے اپنی ہمت اور توجہ کو پھیر دے اور ولی کی طرف سے بغیر دعویٰ نبوت کیے خلاف عادت کام کے ظاہر ہونے کو کرامت کہتے ہیں اور یہ جائز ہے اگرچہ ولی کے قصد سے ہو اور قدرت الٰہیہ کے شامل ہونے کے سبب یہ معجزات کی جنس سے ہے اور کرامات کا ظہور واقع اور ثابت ہے، جیسے حضرت مریم، حضرت آصف بن برخیا اور اصحاب کہف رضی اللہ عنہم کے قصے اور کرامات کی جنس کے واقعات صحابہ کرام، تابعین عظام اور کثیر صالحین سے تواتر سے ثابت ہیں اور معتزلہ نے کرامات کا انکار کیا ہے (شرح المقاصد، جلد ۵، صفحہ ۷۲، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی)۔

کا معجزہ اس کے دعوائے نبوت کی تصدیق کے لیے ظاہر ہوتا ہے۔ بعض صلحاء کے نزدیک

علامہ نسفی فرماتے ہیں: "کرامات الاولیاء حق فتظهر الکرامة علیٰ طریق نقض العادة للولی من قطع مسافة البعیدة فی المدة القلیلة۔"

ترجمہ: اولیائے اللہ کی کرامات حق ہیں، پس ولی کی کرامت خلاف عادت سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مسافتِ بعیدہ کو مدتِ قلیلہ میں طے کر لے۔

اس کی شرح میں علامہ تفتازانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"کاتیان صاحب سلیمان علیه السلام وهو اٰصف بن برخیا علی الاشهر بعرش بلقیس قبل ارتداد الطرف مع بعد المسافة۔"

ترجمہ: مثلاً صاحبِ سلیمان آصف بن برخیا کا تختِ بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے مسافتِ بعیدہ سے لے آنا (شرح العقائد النسفیه مع متن العقائد، صفحہ ۱۴۶، مطبوعہ ملتان)۔

شرح فقہ اکبر میں ہے: "الکرامات للاولیاء حق ای ثابت بالکتاب والسنة ولا عبرة بمخالفة المعتزلة واهل البدعة فی انکار الکرامة۔"

ترجمہ: کراماتِ اولیاء حق ہیں یعنی قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور معتزلہ اور بدعتیوں کا کرامات اولیاء کا انکار معتبر نہیں (شرح فقہ اکبر، صفحہ ۱۳۰، مطبوعہ ملتان)۔

شرح مقاصد میں کرامات اولیاء کے منکرین کے بارے میں ہے:

"وانکارها لیس بعجیب من اهل البدع والاهواء اذلم یشاهدوا ذٰلك من انفسهم قط ولم یسمعوا به من روسائهم الذین یزعمون انهم علی شیء مع اجتهادهم فی امور العبادات واجتناب السیئات فوقعوا فی اولیاء الله تعالیٰ اصحاب الکرامات یمزقون ادیمهم ویمضغون لحومهم لا یسمونهم الا بأسم الجهلة المتصوفة ولا یعدونهم الا فی عداد احاد المبتدعة قاعدین تحت المثل السائر اوسعتهم سبا وعودوا بالابل ولم یعرفوا ان مبنی هذا الامر علی صفاء العقیدة ونقاء السریرة واقتفاء الطریقة واصطفاء الحقیقة۔"

ترجمہ: بدعتیوں اور گمراہوں کی طرف سے کرامات کا انکار کوئی عجیب بات نہیں، کیونکہ نہ تو ان کی اپنی جانوں سے ایسی باتیں صادر ہوئیں اور نہ ہی وہ اپنے قائدین سے ایسی باتیں سن سکے ہیں، حالانکہ وہ عبادات اور مجاہدہ میں مصروف تھے اور گناہوں سے بچتے تھے، (جب نہ وہ خود صاحب کرامت تھے اور نہ ہی ان کے عظماء کو یہ دولت ملی) تو ان بدعتیوں اور گمراہوں نے اولیائے اُمّت پر اعتراضات شروع کر دیے، ان کے گوشت کو نوچنا شروع کیا اور ان کی کھال کھینچنی چاہی، ان کو جاہل صوفیوں کا نام دیا اور انہیں بدعتیوں میں شمار کیا، جن پر وہ گالیوں کے ساتھ زبانیں دراز کرتے ہیں اور انہیں اونٹوں کی طرح بوجھ اٹھانے والا قرار دیا اور یہ نہ جانا کہ ولایت کا مدار عقیدہ کی طہارت، باطن کی صفائی، طریقت کی پیروی اور حقیقت کے انتخاب پر مبنی ہے (شرح المقاصد، جلد ۵، صفحہ ۷۵، مطبوعہ منشورات الشریف الرضی)

نبی پر معجزے کا ظاہر ہونا لازم ہے تا کہ صدقِ دعویٰ ثابت ہو۔[1]

---

۱ **معجزہ کا لغوی مفہوم۔** : لفظِ معجزہ کا مادّۂ اشتقاق: عَجِزَ، یَعْجَزُ عَجْزًا ہے، جس کے معنی: "کسی چیز پر قادِر نہ ہونا"، "کسی کام کی طاقت نہ رکھنا" یا "کسی اَمر سے عاجز آ جانا" وغیرہ ہیں۔ محاورۂ عرب میں کہتے ہیں: عَجِزَ فُلَانٌ عَنِ الْعَمَلِ "فلاں آدمی وہ کام کرنے سے عاجز آ گیا۔" ای کبر و صار لا یستطیعه فهو عاجزٌ (المنجد: ۴۸۸) یعنی اُس کام کا بجالانا مشکل بھی ہے اور وہ اُس کام کو کرنے کی اِستعداد بھی نہیں رکھتا۔۔۔ اُسے رُوبہ عمل لانے کی بنیادی صلاحیت اُس میں موجود نہیں، اِس لئے وہ یہ کام کرنے سے عاجز ہے۔ المفردات میں اِمام راغب اِصفہانی معجزے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں :و العجز أصله التّأخر عن الشئ و حصوله عند عجز الأمر أي: مؤخره۔ ۔ ۔ و صار في التعارف إسماً للقصور عن فعل الشئ وهو ضد القدرة۔

"عجز" کے اصلی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اُس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جبکہ اُس کا وقت نکل چکا ہو۔۔۔ عام طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا جاتا ہے اور یہ "القدرة" کی ضد ہے۔ (المفردات بذیل عجز: ۵۴۷)

معجزہ کا اِصطلاحی مفہوم۔ : مختلف اَدوار میں اَربابِ علم و فن نے معجزہ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔ چند اہم تعریفات یہ ہیں:

أمر خارق العادة يعجز البشر عن أن يأتوا بمثله۔ (المنجد: ۴۸۸)

معجزہ اُس خارقُ العادت چیز کو کہتے ہیں جس کی مِثل لانے سے فردِ بشر عاجز آ جائے۔

علامہ علی بن محمد بن علی الجرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اَمْرٌ خَارِقٌ لِّلْعَادَةِ مِنْ قِبَلِ شَخْصٍ مُقَارِنٍ لِّدَعْوَى النُّبُوَّةِ۔ (کتاب التعریفات ص ۱۲۹، و کذا فی النبراس)

ترجمہ: وہ خلاف عادت کام جو ایسے شخص سے ظاہر ہو جو دعویٰ نبوت کرتا ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: المعجزة هي امر يظاهر بخلاف العادة على يد مدعى النبوة عند تحدى المنكرين على وجه يعجز المنكرين عن الاتيان بمثله۔
(شرح العقائد للنسفی: ص ۱۴۶)

ترجمہ: یعنی معجزہ وہ امر ہے جو خلاف معمول اور عادت جاریہ کے خلاف ایسے شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہو جو اپنے دعویٰ نبوت میں سچا ہو اور ایسے وقت میں ظاہر ہو کہ جب وہ منکرین کو اس کی مثل لانے کا چیلنج دے اور وہ نہ لا سکیں یعنی اس سے عاجز آ جائیں۔

قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: إعلم أنّ معنى تسميتنا ماجاء ت به الأنبياء معجزة هو أن الخلق عجزوا عن الإتيان بمثلها۔ (الشفاء، ۱: ۳۴۹)

یہ بات بخوبی جان لینی چاہئے کہ جو کچھ انبیاء علیھم السلام اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اُسے ہم نے معجزے کا نام اِس لئے دیا ہے کہ مخلوق اُس کی مِثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔

اِمام خازن رحمۃ اللہ علیہ معجزہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المعجزة مع التحدّي من النبي قائمة مقام قول الله عزّوجلّ: "صَدَقَ عَبْدِيْ فَأَطِيْعُوْهُ وَ اتَّبِعُوْهُ" ولأن معجز النبي شاهدٌ على صدقه فيما يقوله و سُمِّيت المعجزة معجزةً لأن

معجزہ اور کرامت دونوں خرقِ عادت امور ہیں، یعنی ایسے افعال جن کے ادراک سے انسانی عقل عاجز آجائے۔ اگر خرقِ عادت کا ظہور نبی سے ہو تو اُسے معجزہ کہا جاتا ہے،

الخلق عجزوا عن الإتیانِ بمثلھا۔ (تفسیر الخازن، ۲:۱۲۴)
معجزہ اللہ کے نبی اور رسول کی طرف سے (جملہ اِنسانوں کے لئے) ایک چیلنج ہوتا ہے اور باری تعالیٰ کے اِس فرمان کا آئینہ دار ہوتا ہے کہ: "میرے بندے نے سچ کہا، پس تم اُس کی (کامل) اِطاعت اور پیروی کرو۔" اِس لئے کہ نبی ورسول کا معجزہ جو کچھ اُس نے فرمایا ہوتا ہے اُس کی حقّانیت اور صداقت پر دلیلِ ناطق ہوتا ہے اُسے (عرفاً و شرعاً) معجزہ کا نام اِس لئے دیا گیا ہے کہ اُس کی مِثل (نظیر) لانے سے مخلوقِ اِنسانی عاجز ہوتی ہے۔
معارج النبوت میں ہے کہ !المعجزۃ عبارۃٌ عن إظھار قدرۃ اللہ سبحانہ و تعالیٰ و حکمتہ علیٰ ید نبی مرسل بین أُمّتہ بحیث یعجز أھل عصرہ عن إیرادمثلھا۔ (معارج النبوۃ، ۴:۳۷۷)
معجزہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اُس کے برگزیدہ نبی کے دستِ مبارک پر اِظہار ہے تاکہ وہ اپنی اُمت اور اہلِ زمانہ کو اُس کی مِثل لانے سے عاجز کر دے۔
ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معجزہ کی بڑی جامع تعریف کی ہے، فرماتے ہیں:
حد المعجزۃ أن یظھر عقیب السوال و الدّعویٰ ناقضاً للعادۃ من غیر إستحالۃ بجمیع الوجوہ و یعجز الناس عن إتیان مثلہ بعد التجھد و الإجتھاد إذا کان بھم حذاقۃ و رزانۃ فی مثل تلك الصنیعۃ۔ (کتاب التمہید فی بیان التوحید از ابو شکور:۱۷)
معجزہ کی تعریف یہ ہے کہ سوال اور دعویٰ کے بعد (اللہ کے رسول اور نبی کے ہاتھ پر) کوئی ایسی خارقِ عادت چیز ظاہر ہو جو ہر حیثیت سے مُحال نہ ہو اور لوگ باوجود کوشش اور تدبیر کے اُس قسم کے معاملات میں پوری فہم و بصیرت رکھتے ہوئے بھی اُس کے مقابلے سے عاجز ہوں۔
مندرجہ بالا تعریفات سے یہ بات اظہر مِن الشمس ہو جاتی ہے کہ معجزہ مِن جانب اِللہ ہوتا ہے لیکن اُس کا صدُور اللہ کے برگزیدہ نبی اور رسول کے ذریعہ ہوتا ہے۔
معجزہ مروّجہ قوانینِ فطرت اور عالمِ اَسباب کے برعکس ہوتا ہے۔ معجزہ نبی اور رسول کا ذاتی نہیں بلکہ عطائی فعل ہے اور یہ عطا اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہوتی ہے۔ معجزے کا ظہور چونکہ رحمانی اور اُلوہی قوّت سے ہوتا ہے اِس لئے عقلِ اِنسانی اُس کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور تصویرِ حیرت بن کر سرِ تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے۔ وہ اس کی حقیقت کا اِدراک نہیں کر سکتی۔ (ارہاص، معجزہ، کرامت اور استدراج)
عجیب و غریب اور خارقِ عادت کام جو نبی ﷺ سے نبوت کے ظہور سے پہلے صادر ہوں، انہیں الرہاص کہتے ہیں، جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کلام فرمانا یا نبی ﷺ کو پتھروں اور جانوروں کا سلام کرنا۔ نبوت کے بعد ظاہر ہونے والے خارقِ عادت کام کو معجزہ کہتے ہیں، جو نبوت کے دعوے کی دلیل ہوتے ہیں، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، ید بیضاء، یا نبی کریم ﷺ کا چاند کو چیرنا اور سورج کو واپس لانا۔ جبکہ اللہ کے نیک بندے ولی اللہ کے خارقِ عادت امور کو کرامت کہتے ہیں، جو اتباع شریعت اور تقویٰ سے ظاہر ہوتے ہیں۔
اور جو عجیب و غریب کام کافر سے صادر ہو، اسے استدراج کہتے ہیں، جیسے دجال کا پانی برسانا۔

اگر ولی سے ہو تو کرامت، اور اگر کسی کافر یا فاسق سے ظاہر ہو تو اُسے استدراج کہا جاتا ہے۔

خدائی یا نبوت کے جھوٹے دعوے داروں سے بھی خوارقِ عادات کا ظہور ہوا ہے، جیسے فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا اور اس کے ہاتھوں عجیب امور ظاہر ہوئے۔ اسی طرح آخر زمانہ میں دجال سے بھی خرقِ عادت امور ظاہر ہوں گے۔

لہٰذا اہلِ حق کے نزدیک کرامت محض دلیلِ ولایت نہیں، بلکہ اصل معیار استقامت و اتباعِ شریعت ہے۔ جس طرح نبی کے لیے معجزہ ظاہر ہونا حکمتِ الٰہی کے تقاضے سے ہوتا ہے، اسی طرح ولی کے لیے اپنی کرامت کو پوشیدہ رکھنا اولیٰ و مستحسن ہے۔ جو شخص دعویٔ ولایت کرے اور اپنی کرامات کا چرچا کرے، تو یہ طرزِ عمل اہلِ ولایت کے طریق سے بعید سمجھا جاتا ہے۔ کرامت دراصل اتباعِ شریعت کا نام ہے۔ جو شخص اتباعِ شریعت سے عاری ہے، وہ اگر خرقِ عادت امور کا لاکھ مرتبہ بھی اظہار کرے تو شیطان ہے، اور جو پابندِ شرعِ مصطفیٰ ﷺ ہے، اگرچہ خرقِ عادت کا اظہار نہ بھی ہو، وہ ولی ہے۔ دین کے امور میں استقامت کو کرامت پر فضیلت حاصل ہے۔ یہ جھاڑ پھونک، تعویذ، مریضوں کو شفا، بے اولاد کو اولاد مل جانا اولیاء کی اصل کرامت کی فروع ہیں، کیونکہ یہ امور تو پابندِ شرعِ مصطفیٰ ﷺ ولی کے آستانے پر حاضر ہونے والے مبتدیوں کو بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ خرقِ عادت کا اظہار بطورِ کرامت آصف بن برخیا (حضرت سلیمان علیہ السلام کے امتی) سے تختِ بلقیس لانے کے سلسلے میں ہوا، جس کا ذکر قرآنِ پاک میں موجود ہے کہ آصف نے آنکھ جھپکنے سے قبل تختِ بلقیس بارگاہِ سلیمان علیہ السلام میں پیش کر دیا۔ اسی طرح اصحابِ کہف کے کتے کا باتیں کرنا اور ان کا طویل مدت تک سونا اور پھر کروٹیں بدلنا بھی ایک کرامت تھا۔ اس کا ذکر بھی قرآن پاک میں موجود ہے کرامت کا اظہار یہ بھی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہ السلام کے پاس بغیر موسم کے پھل دیکھا یہ بھی واقعہ قرآن میں موجود ہے۔ کرامت کا ثبوت سنت سے یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ انس بن عیاض ابو ضمرہ نے موسیٰ بن عقبہ سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی۔

آپ نے فرمایا: ”تین آدمی پیدل چلے جارہے تھے کہ انہیں بارش نے آلیا، انہوں نے پہاڑ میں ایک غار کی پناہ لی، تو (اچانک) ان کے غار کے منہ پر پہاڑ سے ایک چٹان آگری اور ان کے اوپر آکر انہیں ڈھانک دیا، انہوں نے ایک دوسرے سے کہا: تم اپنے ان نیک اعمال پر نظر ڈالو جو تم نے (صرف اور صرف) اللہ کے لیے کیے ہوں اور ان کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرو، شاید وہ اس بندش اور قید سے تمہیں آزاد کر دے۔ اس پر ان میں سے ایک نے کہا: ”اے اللہ! میرے انتہائی بوڑھے والدین، بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جن کی میں نگہداشت کرتا ہوں۔ جب شام کو میں اپنے جانور (چرانے کے بعد انہیں) ان کے پاس واپس آتا، ان کا دودھ دوہتا تو آغاز اپنے والدین سے کرتا اور اپنے بچوں سے پہلے انہیں پلاتا تھا۔ ایک دن (مویشیوں کے چرنے کے قابل) درختوں کی تلاش مجھے بہت دور لے گئی، میں رات سے پہلے گھر نہ پہنچ سکا۔ میں نے انہیں پایا کہ وہ دونوں سو چکے ہیں۔ میں نے جس طرح (ہر روز) دودھ نکالا کرتا تھا نکالا اور وہ دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ مجھے یہ بھی ناپسند تھا کہ ان کو نیند سے جگاؤں اور یہ بھی گوارا نہ تھا کہ ان سے پہلے بچوں کو پلاؤں، بچے بھوک کی شدت سے بلکتے ہوئے میرے قدموں میں لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، میں اسی حال میں (کھڑا) رہا اور وہ بھی اسی حالت میں رہے یہاں تک کہ صبح طلوع ہو گئی۔ (اے اللہ!) اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تیری رضا کے لیے کیا ہے تو اس (غار کے بند منہ) میں اتنا سوراخ کر دے کہ ہم آسمان کو دیکھ لیں۔ اللہ نے اس میں ایک سوراخ کر دیا کہ وہ آسمان کو دیکھنے لگے۔ اور دوسرا (ساتھی) کہنے لگا: ”اے اللہ! میری ایک چچازاد تھی، میں اس سے وہی شدید محبت کرتا تھا جو ایک مرد عورت سے کرتا ہے۔ میں نے اس سے اپنے لیے (خود) اسی کو مانگا۔ اس نے اس وقت تک (میری بات ماننے سے) انکار کر دیا، یہاں تک کہ میں اسے (سونے کے) سو دینار لا کر دوں۔ میں انہیں حاصل کرنے میں لگ گیا یہاں تک کہ سو دینار اکٹھے کر لیے، پھر جب میں اس کے دونوں قدموں کے درمیان پہنچا تو وہ کہنے لگی: اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر اور حق (نکاح) کے بغیر مہر (بکارت) نہ توڑ۔ تو (تیرا نام سن کر) میں اس سے (الگ ہو کر) کھڑا ہو گیا۔ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ تجھے راضی کرنے کے لیے کیا

تھاتو اس میں (اور زیادہ) سوراخ کر دے۔ (اللہ نے) ان کے لیے (اور زیادہ) سوراخ کر دیا۔ اور تیسرے نے (دعا کرتے ہوئے) کہا: "اے اللہ! میں نے ایک مزدور کو چاولوں کے ایک فرق (تین صاع، تقریباً ساڑھے سات کلو گرام) کی اجرت کے عوض کام پر لگایا۔ جب اس نے اپنا کام پورا کر لیا تو کہا: میرا حق (اجرت) ادا کرو۔ میں نے اسے اس کا فرق (تین صاع چاول) پیش کیا۔ وہ (اسے کم قرار دیتے ہوئے) اس کو چھوڑ کر چلا گیا۔ میں مسلسل اس (تین صاع چاولوں) کو کاشت کرنے لگا، یہاں تک کہ میں نے اس (کی آمدنی) سے گائے (کے بہت سے ریوڑ) اور ان کو چرانے والے (غلام) اکٹھے کر لیے۔ پھر (مدت بعد) وہ میرے پاس (واپس) آیا اور کہا: اللہ سے ڈرو، میرے حق میں مجھ پر ظلم نہ کرو۔ میں نے کہا: ان گایوں (کے ریوڑوں) اور انہیں چرانے والے (غلاموں) کی طرف جاؤ اور انہیں لے لو۔ اس نے کہا: اللہ سے ڈرو! میرے ساتھ مذاق تو نہ کرو۔ میں نے کہا: میں مذاق نہیں کر رہا، یہ سب گائیں اور ان کو چرانے والے (غلام) لے جاؤ، وہ انہیں لے کر چلا گیا۔ اگر تو جانتا ہے کہ میں نے یہ صرف تجھے راضی کرنے کے لیے کیا تھا تو جو حصہ باقی رہ گیا ہے، اسے بھی کھول دے۔ اللہ نے باقی حصہ بھی کھول دیا (اور وہ آزاد ہو کر غار سے باہر نکل آئے۔)" (صحیح مسلم / کتاب الرقاق / حدیث:٦٩٤٩)

اور بھی حدیث شریف میں ایسے واقعات موجود ہیں جس میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، بنی اسرائیل میں ایک صاحب تھے، جن کا نام جریج تھا۔ وہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کی والدہ آئیں اور انہیں پکارا۔ انہوں نے جواب نہیں دیا۔ سوچتے رہے کہ جواب دوں یا نماز پڑھوں۔ پھر وہ دوبارہ آئیں اور (غصے میں) بددعا کر گئیں، اے اللہ! اسے موت نہ آئے جب تک کسی بدکار عورت کا منہ نہ دیکھ لے۔ جریج اپنے عبادت خانے میں رہتے تھے۔ ایک عورت نے (جو جریج کے عبادت خانے کے پاس اپنی مویشی چرایا کرتی تھی اور فاحشہ تھی) کہا کہ جریج کو فتنہ میں ڈالے بغیر نہ رہوں گی۔ چنانچہ وہ ان کے سامنے آئی اور گفتگو کرنی چاہی، لیکن انہوں نے منہ پھیر لیا۔ پھر وہ ایک چرواہے کے پاس گئی اور اپنے جسم کو اس کے قابو میں دے دیا۔ آخر لڑکا پیدا

ہوا۔ اور اس عورت نے الزام لگایا کہ یہ جریج کا لڑکا ہے۔ قوم کے لوگ جریج کے یہاں آئے اور ان کا عبادت خانہ توڑ دیا۔ انہیں باہر نکالا اور گالیاں دیں۔ لیکن جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھ کر اس لڑکے کے پاس آئے۔ انہوں نے اس سے پوچھا۔ بچے! تمہارا باپ کون ہے؟ بچہ (اللہ کے حکم سے) بول پڑا کہ چرواہا! (قوم خوش ہو گئی اور) کہا کہ ہم آپ کے لیے سونے کا عبادت خانہ بنوا دیں۔ جریج نے کہا کہ میرا گھر تو مٹی ہی سے بنے گا۔ (صحیح البخاری / کتاب المظالم والغصب / حدیث:۲۴۸۲)

اسے بھی کرامت کہا جائے گا۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا نیل مصر کے نام خط لکھنا اور جناب عمرو بن العاص کا خشک دریا میں خط ڈالنا اور پھر اس دریا کا موجیں مارنا حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی کرامت ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ، فصل فی البحار والأنہار، (۱/۲۷و۲۸)، ط/ دار الفکر)۔ یہ بھی آپ کی کرامت ہے کہ آپ مدینہ میں خطبہ دیتے ہوئے حضرت ساریہ کو پہاڑ کی اوٹ لینے کا حکم فرماتے ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح / کتاب الفضائل والشمائل / حدیث:۵۹۵۴) گویا کتاب و سنت سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ کرامت حق ہے اس کا انکار ضلالت ہے۔ برصغیر میں ابن قیم، ابن تیمیہ کے پیروکاروں اور معتزلی مکتبہ فکر کے دانشوروں نے کرامت کا انکار کیا ہے۔ چنانچہ سرسید احمد خان اس مکتبہ فکر کے امام ہیں جس کا رد دیوبندی محدث سید محمد انور شاہ کشمیری اور دیوبندی فقیہ و ادیب، مولنا محمد ادریس کاندھلوی نے بھی کیا ہے سرسید کے پیروکاروں میں شبلی نعمانی بھی کرامت اور معجزات کے منکر ہیں۔ چنانچہ شخصیات پر ان کی تمام کتابیں سیرت النبی سے لے کر سیرت نعمان الغزالی وغیرہ میں بنیادی فلسفہ یہی ہے کہ ان روایات کو ضعیف ناقابل اعتبار اور کمزور ثابت کیا جائے جن سے معجزات یا کرامت کا صدور ثابت ہوتا ہے۔ مگر یہ بھی مسلک اہل سنت کی کرامت ہے کہ ولایت کے آسمان پہ تھوکنے والوں کے اپنے منہ آلودہ ہو گئے۔ انبیاء کے معجزات اور اولیاء کی کرامات آج بھی ثابت ہیں۔

مذہب حق اہل سنت زندہ باد

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نافع الطالبین

قرآن و تفسیر

☜ وظائف کو زیادہ وقت دینے کی بجائے قرآن کو زیادہ وقت دو۔

نماز عصر سے پہلے آپ مسجد میں تشریف فرماتھے تو آپ نے مجھ (عبدالوہاب چشتی اعظمی) سے پوچھا کہ شاہ جی (ممتاز شاہ جی) آپ سے کون سا پارہ پڑھ رہے ہیں؟ میں نے عرض کی کہ حضور پہلے پارہ میں بارہواں رکوع پڑھ رہے ہیں، آپ نے شاہ جی سے مخاطب ہو کر فرمایا اتنا تھوڑا تھوڑا کیوں پڑھ رہے ہو؟ کم از کم دو رکوع تو پڑھ لیا کریں شاہ جی نے عرض کی حضور ٹائم کم ہوتا ہے، تو آپ جناب نے فرمایا! کہ آپ اتنے زیادہ وظائف کرتے ہو اس جگہ پر قرآن مجید کو زیادہ ٹائم دو کیونکہ کلام اللہ میں جو تاثیر ہے وہ وظائف میں نہیں پھر آپ نے فرمایا کہ ہمارے بزرگوں نے یہ تجربہ سے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنی سے اثر جلدی پیدا ہوتا ہے لیکن کلام اللہ شریف کا اثر دیرپا ہوتا ہے یہ کلام الٰہی ہے اور سرکار دوعالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ کی زبان مبارک پر جاری ہوا ہے اور فرمایا کہ حدیث مبارکہ میں آتا ہے کہ ''الم'' ایک حرف نہیں بلکہ الف الگ حرف، لام الگ حرف اور میم الگ حرف ہے اور ہر حرف پر دس گنا ثواب اور برکتیں اور رحمتیں ہیں۔ بلکہ محقق بزرگوں سے تو یہ بھی منقول ہے کہ الم میں الف میں تین حروف (ا،ل،ف) اور لام تین حروف (ل،ا،م) اور میم تین حروف (م،ی،م) کل الم سے نو حروف نکلے تو اتنی برکتیں، رحمتیں اور ثواب ہے۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۴۶)

نوٹ برائے قارئین: جہاں جہاں ہاتھ کا یہ نشان ☜ درج ہے، وہاں حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ نقل کیا گیا ہے۔ اس کے فوراً نیچے توضیح ملفوظ کے عنوان سے اسی ملفوظ کی تشریح و وضاحت پیش کی گئی ہے۔ یہ علامت محض قارئین کی سہولت اور فہم میں آسانی کے لیے اختیار کی گئی ہے۔

توضیح ملفوظ:-

قرآنِ کریم ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے یا بغیر ترجمہ کے دونوں صورتوں میں بڑا ثواب ہے، اگر کسی شخص کو ترجمہ نہیں آتا یا ترجمہ آتا ہے لیکن وہ معانی پر غور کیے بغیر صرف قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے تو یہ بھی بڑا اجر و ثواب رکھتا ہے۔ ترجمہ کے ساتھ ہی قرآن کریم کا پڑھنا لازم نہیں ہے۔ قرآنِ مجید عربی میں نازل ہوا ہے اور اس کے ہر لفظ کی تلاوت پر احادیث میں دس نیکیوں کا وعدہ کیا گیا ہے، اگر کوئی شخص قرآنِ کریم کے عربی الفاظ پڑھے بغیر صرف ترجمہ پڑھے یا اس کے معانی میں غور کرے تو اسے بے شک قرآنِ کریم کا مفہوم سمجھنے کا ثواب تو ملے گا، لیکن قرآنِ کریم کی تلاوت پر جو ثواب احادیثِ مبارکہ میں وارد ہے وہ نہیں ملے گا، جب کہ بغیر ترجمہ کے قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والا ہر ہر حرف پر دس نیکیوں کا مستحق بنتا ہے، جیسا کہ حدیثِ مبارک میں ایک حرف پڑھنے پر دس نیکیوں کی فضیلت بتائی گئی حدیث مبارکہ میں مذکور ہے کہ **عن ابن مسعود رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: مَنْ قَرَأَ حَرْفاً مِنْ كِتَابِ اللهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ، وَالحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا، لا أقول: ألم حَرْفٌ، ولكِنْ: أَلِفٌ حَرْفٌ، ولامٌ حَرْفٌ، ومِيمٌ حَرْفٌ۔ صحیح۔** (سنن الترمذی، ۲۹۱۰)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھا اس کے لیے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی کا اجر اس طرح کی دس نیکیوں کے برابر ہوتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے؛ بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے“

اس حدیث مبارکہ میں مثال سے سمجھاتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ ”الم“ ایک حرف نہیں ہے، بلکہ الف الگ حرف ہے اور لام الگ حرف ہے اور میم الگ حرف ہے، نکتہ اس میں یہ ہے کہ ”الم“ حروفِ مقطعات میں سے ہے، اور حروفِ مقطعات کا معنیٰ و مفہوم جمہور اہلِ علم کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو یقینی طور پر معلوم نہیں ہے، حدیث

شریف میں مثال ہی ان حروف کی دی گئی جن کا معنٰی کسی بھی امتی کو معلوم نہیں ہے، اور ان کے پڑھنے پر ہر حرف پر دس نیکیوں کا وعدہ کیا گیا ہے، تو معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم کی نفسِ تلاوت بھی مقصود ہے، اور اس پر اجر و ثواب مستقل ہے۔

اس لیے قرآنِ کریم کی تلاوت کا ثواب تو عربی الفاظ کی تلاوت پر ہی ملے گا، اور ان الفاظ کو سمجھ کر پڑھنے یا ان کی تلاوت کے ساتھ ترجمہ پڑھنے یا اس میں غور کرنے سے ثواب مزید بڑھ جائے گا۔

حاصل یہ ہے کہ سمجھے بغیر تلاوتِ قرآنِ کریم کو فضیلت میں کم نہ سمجھا جائے، تلاوت مستقل طور پر مطلوب ہے، اور آپ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم کی بعثت کے مقاصد اور معمولات اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے معمولات میں شامل ہے۔

مزید چند احادیث پیش خدمت ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ الله صلی الله علیه وآله وسلم: مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْأُتْرُجَّةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرَّيْحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْفَاجِرِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ طَعْمُهَا مُرٌّ وَلَا رِيحَ لَهَا، وَمَثَلُ الْجَلِيْسِ الصَّالِحِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْمِسْكِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْهُ شَيْءٌ أَصَابَكَ مِنْ رِيحِهِ، وَمَثَلُ جَلِيْسِ السُّوءِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْكِيْرِ إِنْ لَمْ يُصِبْكَ مِنْ سَوَادِهِ أَصَابَكَ مِنْ دُخَانِهِ. رواه أبو داؤد وأحمد، وأبو يعلى مختصرا۔ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۸۲۹)

”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: وہ مومن بندہ جو تلاوتِ قرآن کرتا ہے اس کی مثال مالٹا کی طرح (عرب کے ایک لذیذ پھل کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی خوش کن اور مزہ بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور وہ مومن بندہ جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال سوکھی کھجور (چھوہارہ) کی طرح ہے جس میں خوشبو

تو نہیں ہوتی لیکن ذائقہ شیریں ہوتا ہے۔ اور فاجر (بدکار) جو قرآنِ پاک پڑھتا ہے اس کی مثال ریحانہ (نیاز بو کے پھول) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو اچھی اور ذائقہ کڑوا ہوتا ہے۔ اور قرآن پاک کی تلاوت نہ کرنے والے فاجر کی مثال حنظلہ (تمہ) کی سی ہے کہ اس کا ذائقہ بھی کڑوا ہوتا ہے اور خوشبو بالکل نہیں ہوتی۔ اور نیک صالح شخص کے پاس بیٹھنے والے کی مثال خوشبو فروش (عطار) کے پاس بیٹھنے والے کی سی ہے کہ تجھے اس سے کچھ بھی نہ ملے تو اس کی خوشبو تو تجھے ضرور پہنچے گی۔ اور برے آدمی کے پاس بیٹھنے والے کی مثال بھٹی والے (لوہار) کے پاس بیٹھنے والے کی طرح ہے کہ اگر اس کی کالک تجھے نہ بھی پہنچے تو کم از کم اس کا دھواں تو تیرے ناک میں ضرور داخل ہو گا۔"

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے کہ "عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضی الله عنه قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ الله صلی الله علیه وآله وسلم يَقُولُ: اقْرَؤُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ۔" (مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۲۱۲۰)

"حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: قرآن مجید پڑھا کرو، یہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفاعت کرنے والا بن کر آئے گا۔"

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رضی الله عنه، قَالَ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! أَوْصِنِي؟ قَالَ: أُوصِيكَ بِتَقْوَى اللهِ فَإِنَّهُ رَأْسُ الْأَمْرِ كُلِّهِ. قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ! زِدْنِي۔ قَالَ: عَلَيْكَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْآنِ وَذِكْرِ اللهِ، فَإِنَّهُ نُورٌ لَكَ فِي الْأَرْضِ، وَذُخْرٌ لَكَ فِي السَّمَاءِ۔۔۔۔ الحدیث۔ رواه ابن حبان والطبرانی والبیهقی۔

(مشکوٰۃ شریف حدیث نمبر ۴۸۶۶)

"حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کوئی وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ یہ ہی سارے معاملے کی اصل ہے۔ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے کچھ مزید وصیت فرمائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (اے ابوذر!) تلاوتِ قرآن ضرور

کیا کرو کہ یہ زمین میں تمہارے لئے نور اور آسمانوں میں تمہارے لئے (نیکیوں کا) ذخیرہ ہو گا۔"

قرآنِ مجید کا اثر ہمیشہ دیرپا اور بے مثال ہوتا ہے؛ یہ دلوں میں ایسی روشنی اور اطمینان اُتارتا ہے جو کبھی ماند نہیں پڑتا۔ انسانی کلام کی تاثیر وقتی ہوتی ہے، مگر کلامِ الٰہی کی تاثیر روح کی گہرائیوں تک اُتر کر انسان کے ظاہری و باطنی وجود کو بدل دیتی ہے۔ جب دل قرآن سے حقیقی تعلق قائم کرلیتا ہے تو اس کی زندگی میں ایسی برکت، سکون اور استقامت پیدا ہوتی ہے جو زمانوں تک اپنا اثر قائم رکھتی ہے۔

قرآن کریم کے ترجمے کا ادب:-

کسی نے (حضرت رابع خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے) عرض کیا کہ (کیا) قرآن پاک کا ترجمہ بھی ادب میں اسی (قرآن پاک کی) طرح ہوتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ہاں وہ الفاظ (قرآن) نہیں ہوتے لیکن ادب اسی طرح کریں گے، پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام لا محدود اور قدیم ہے اور الفاظ حادث ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۸)

توضیح ملفوظ:-

قرآن کریم کے ترجمے کا ادب:-

واضح رہے کہ قرآن پاک کے ترجمہ کی دو قسمیں ہیں، ایک تحت اللفظ (لفظی) ترجمہ اور دوسرا مرادی ترجمہ (مفہوم)۔

قرآنِ پاک کا ترجمہ اگر بالکل تحت اللفظ ہو تو فقہاءِ کرام کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ پاک کے لفظی ترجمہ کے وہی آداب ہیں جو عربی الفاظ کے ہیں، البتہ چوں کہ بغیر ترجمہ والے قرآن کو بہر صورت فضیلت حاصل ہے کہ وہ لفظًا و معنًا مکمل اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس لیے اس صورت میں بھی زیادہ ادب اس میں ہے کہ مکمل قرآن کا متن جو بغیر ترجمہ کے ہو اس کو ترجمہ والے قرآن سے اوپر رکھا جائے۔

اور اگر ترجمہ لفظی نہیں ہے، بلکہ مفہومی ترجمہ ہے، تو اس ترجمہ کا حکم قرآن کا

نہیں ہے، البتہ اس میں جو آیات لکھی ہیں اس کا حکم قرآن مجید ہی کا ہے، اس صورت میں ترجمہ بغیر والے قرآن مجید کو اس مفہومی ترجمہ والے قرآن سے اوپر رکھنا چاہیے۔ اور اس کو باوضو چھونا چاہیے جیسا کہ فتاوی عالمگیری میں ہے کہ!

قرآن مجید کا خالی ترجمہ اگر جدا لکھا ہو اسے بھی بے وضو چھونا منع ہے۔
(الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ، الباب السادس، الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۸،۳۹)

اُسی میں ایک دوسری جگہ پر ہے: **لو کان القرآن مکتوبا بالفارسیۃ یکرہ لهم مسه عند ابی حنیفة وهکذا عندهما علی الصحیح هکذا فی الخلاصة**۔

اگر قرآن فارسی میں لکھا ہوا ہو تو مذکورہ افراد کے لئے امام ابو حنیفہ کے نزدیک اس کا چھونا مکروہ ہے اور صحیح یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے۔ اسی طرح خلاصہ میں ہے۔ (الفتاوی الہندیۃ کتاب الطہارۃ، الباب السادس، الفصل الرابع نورانی کتب خانہ پشاور ۱/ ۳۹)

در مختار میں ہے: **ولو مکتوبا بالفارسیۃ فی الاصح الا بغلافه المنفصل**

اصح یہ ہے کہ فارسی میں قرآن لکھا ہو تو بھی چھونا جائز نہیں مگر ایسے غلاف کے ساتھ جو مصحف سے الگ ہو۔ (الدر المختار کتاب الطہارۃ، باب الحیض مطبع مجتبائی دہلی ۱/ ۵۱)

معلوم ہوا کہ قرآن کا ترجمہ فارسی یا اردو یا کسی اور زبان میں ہو تو اسے بھی چھونے اور پڑھنے میں قرآنِ مجید ہی کا سا حکم ہے۔

قرآن اللہ کا کلام لا محدود، قدیم اور الفاظ حادث:-

مثل دیگر صفات کے کلام بھی قدیم ہے "الفقہ الأکبر"، ص۲۸ میں مذکور ہے کہ: "**والقرآن کلام الله تعالیٰ فهو قدیم**"، حادث و مخلوق نہیں، جو قرآنِ عظیم کو مخلوق مانے ہمارے امامِ اعظم و دیگر ائمہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم نے اُسے کافر کہا "منح الروض الأزهر" ص۲۶ پر مذکور ہے کہ: "**قال الإمام الأعظم فی کتابه "الوصیة": من قال بأنّ کلام الله تعالیٰ مخلوق فهو کافر بالله العظیم**"، بلکہ صحابہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم سے اُس کی تکفیر ثابت ہے۔ (الفتاوی الرضویۃ، ج۱۵، ص۳۷۹۔۳۸۴۔)

اُس کا کلام آواز سے پاک ہے منح الروض الأزہر، للقاری، ص۱۷ پر مرقوم ہے

کہ: "إنّ کلامه لیس من جنس الحروف والأصوات" اور یہ قرآنِ عظیم جس کو ہم اپنی زبان سے تلاوت کرتے، مَصاحِف میں لکھتے ہیں، اُسی کا کلام قدیم بلاصوت ہے اور یہ ہمارا پڑھنا لکھنا اور یہ آواز حادث، یعنی ہمارا پڑھنا حادث ہے اور جو ہم نے پڑھا قدیم اور ہمارا لکھنا حادث اور جو لکھا قدیم، ہمارا سننا حادث ہے اور جو ہم نے سنا قدیم، ہمارا حفظ کرنا حادث ہے اور جو ہم نے حفظ کیا قدیم (المعتقد المستند، ص۳۵)، یعنی متجلّی قدیم ہے اور تجلّی حادث۔ متجلّی یعنی کلام الٰہی، قدیم ہے، اور تجلّی یعنی ہمارا پڑھنا، سننا، لکھنا، یاد کرنا یہ سب حادث ہے۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

وَصِفَاته فِي الْأَزَل غير محدثة وَلَا مخلوقة وَمن قَالَ إِنَّهَا مخلوقة أَو محدثة أَو وقف أَو شكّ فيهمَا فَهُوَ كَافِر بِاللّٰه تَعَالَى والقرآن كَلَام الله تَعَالَى فِي الْمَصَاحِف مَكْتُوب وَفِي الْقُلُوب مَحْفُوظ وعَلى الألسن مقروء وعَلى النَّبِي عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام منزل ولفظنا بِالْقُرْآنِ مَخْلُوق و كتابتنا لَهُ مخلوقة وقراءتنا لَهُ مخلوقة وَالْقُرْآن غير مَخْلُوق وَمَا ذكره الله تَعَالَى فِي الْقُرْآن حِكَايَة عَن مُوسَى وَغَيره من الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام وَعَن فِرْعَوْن وابليس فَإِن ذَلِك كُله كَلَام الله تَعَالَى إِخْبَارًا عَنْهُم وَكَلَام الله تَعَالَى غير مَخْلُوق وَكَلَام مُوسَى وَغَيره من المخلوقين وَالْقُرْآن كَلَام الله تَعَالَى فَهُوَ قديم لَا كَلَامهم وَسمع مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام كَلَام الله تَعَالَى كَمَا فِي قَوْله تَعَالَى {وكلم الله مُوسَى تكليما} وَقد كَانَ الله تَعَالَى متكلما وَلم يكن كلم مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَام وَقد كَانَ الله تَعَالَى خَالِقًا فِي الْأَزَل وَلم يخلق الْخلق فَلَمَّا كلم الله مُوسَى كَلمه بِكَلَامِهِ الَّذِي هُوَ لَهُ صفة فِي الْأَزَل وَصِفَاته كلهَا بِخِلَاف صِفَات المخلوقين يعلم لَا كعلمنا وَيقدر لَا كقدرتنا وَيرى لَا كرؤيتنا وَيتَكَلَّم لَا ككلامنا وَيسمع لَا كسمعنا وَنحن نتكلم بالآلات والحروف وَالله تَعَالَى يتَكَلَّم بِلَا آلَة وَلَا حُرُوف والحروف مخلوقة وَكَلَام

اللہ تَعَالیٰ غیر مَخلُوق۔

اللہ تعالیٰ کا فعل مخلوق نہیں ہے اور اس کی یہ صفات ازلی ہیں جو غیر حادث ہیں اور جس شخص نے یہ کہا کہ اس کی صفات مخلوق یا حادث (نو پیدا) ہیں یا اس نے ان میں توقف اور شک کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کا منکر اور کافر ہوا اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو صحیفوں میں لکھا ہوا ہے اور زبانوں سے پڑھا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جناب نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا ہے اور ہمارا قرآن کریم کو پڑھنا اور اس کا لکھنا تو مخلوق اور حادث ہے (مگر خود) قرآن غیر مخلوق ہے۔ اور حضرت موسیٰؑ اور دیگر انبیاء کرامؑ سے اللہ تعالیٰ نے بطور حکایت جو کچھ بیان کیا ہے اور فرعون و ابلیس سے اس سے جو کچھ نقل فرمایا ہے تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو ان سے خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلام غیر مخلوق ہے اور حضرت موسیٰؑ اور دیگر مخلوق کا کلام مخلوق اور حادث ہے اور قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے سو وہ قدیم ہے نہ یہ کہ مخلوق کے کلام کی طرح حادث ہے۔ موسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے اور اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام کیا (مگر) اللہ تعالیٰ اس وقت بھی متکلم تھا جب کہ اس نے حضرت موسیٰؑ سے کلام نہیں کیا تھا اور اللہ تعالیٰ اس وقت ازل میں بھی خالق تھا جب کہ اس نے مخلوق کو پیدا نہیں کیا تھا پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو آپ نے اسی کلام کے سبب سے جو اس کی ازلی صفت ہے۔ اور اس کی تمام صفات مخلوق کی صفات سے بالکل الگ ہیں۔ وہ جانتا ہے لیکن نہ اس طرح جیسے ہم جانتے ہیں وہ قادر ہے لیکن ہمارے طرح اسکی قدرت نہیں وہ دیکھتا ہے مگر ہماری مثل نہیں دیکھتا وہ کلام کرتا ہے مگر ہمارے کلام کی مانند نہیں وہ سنتا ہے مگر ایسا نہیں جیسے ہم سنتے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرح آلات و حروف کے ساتھ کلام نہیں کرتا کیونکہ حروف مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے۔

(مترجم الفقہ الاکبر ص-۳۲۲۹)۔

☜ -: قرآن مجید کے آداب اور بغیر علم کے ترجمہ قرآن پڑھنا-:

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن پاک ایک ایسا تاج ہے جس سے بڑھ کر کوئی تاج نہیں فرمایا! آپ لوگ اس (قرآن مجید) کے ادب کا بہت خیال رکھیں درمیان سبق اگر وضو ٹوٹ جائے تو شرم نہ کریں اور فوراً وضو کریں۔ اور بے وضو ہاتھ نہ لگائیں۔ پھر آپ جناب نے فرمایا! کہ یہاں کشمیر کے ایک اُستاد جی تھے جو کہ ہمارے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بھی اُستاد تھے۔ بعد میں فالج ہوا۔ چار پانچ روز بیمار رہ کر وفات پا گئے۔ پرانے ساتھی اور خدمت گار تھے۔ انہوں نے ہمارے دادا حضور حضرت ثانی خواجہ عبد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بتایا کہ آپ نے بیٹوں کے لئے ایک مولوی صاحب پڑھانے کو رکھا۔ تو انہوں نے (ایک دن) دیکھا کہ وہ مولوی صاحب دونوں کہنیوں کو آگے رکھ کر ان پر ٹیک لگا کر قرآن پاک کا سبق پڑھا رہے تھے۔ تو حضرت ثانی (حضرت خواجہ عبد اللہ شاہ) صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹوں کو اس سے پڑھنے سے روکا کہ یہ بے ادب ہے، اور بے ادب کے پڑھانے میں تاثیر نہیں ہوتی۔ پھر فرمایا! کہ ان لوگوں میں ادب اور خلوص تھا ان کو معرفت کا علم حاصل تھا پہلے لوگوں میں کلام اللہ کی تلاوت کی ایک خاص تاثیر ہوتی وہ جب بات کرتے تو دل کو لگتی۔ ان میں ایک مٹھاس تھی۔ پہلے لوگ قرآن پاک (ناظرہ سے) پڑھتے پھر دوسری (علوم اسلامیہ کی) کتابیں پڑھتے اس کے بعد کہیں ترجمہ قرآن پڑھتے۔ اب تو جناب کوئی علم نہیں (رکھتے) بس ترجمہ قرآن پاک پڑھنے لگ گئے۔ اور گمراہی اس سے پھیلتی ہے۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۵۶)

توضیح ملفوظ-:

اس ملفوظ میں دو مسئلوں کی توضیح کرنا ضروری سمجھتے ہیں

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ!

بغیر وضو کے قرآنِ کریم کو چھونا جائز نہیں ہے، یہی جمہور علماء کا مسلک ہے۔
سورۃ واقعہ کی آیت میں اللہ کریم نے فرمایا کہ: "لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ" ترجمہ: "اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو پاک ہیں"

حضرات مفسرین نے فرمایا کہ قرآن سے مراد وہ مصحف ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے اور "مطھرون" سے مراد وہ لوگ ہیں جو نجاست ظاہری اور معنوی یعنی حدث اصغر و اکبر سے پاک ہوں، حدث اصغر کے معنی بے وضو ہونے کے ہیں، اس کا ازالہ وضو کرنے سے ہو جاتا ہے اور حدث اکبر جنابت اور حیض و نفاس کو کہا جاتا ہے جس سے پاکی کے لئے غسل ضروری ہے، مطلب آیت کا یہ ہوگا کہ مصحف قرآن کو چھونا بغیر طہارت کے جائز نہیں اور طہارت کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ ظاہری نجاست سے بھی اس کا ہاتھ پاک ہو اور بے وضو بھی نہ ہو اور حدث اکبر یعنی جنابت بھی نہ ہو، قرطبی نے اسی تفسیر کو اظہر فرمایا ہے، تفسیر مظہری میں اسی کی ترجیح پر زور دیا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں جو مذکور ہے کہ انہوں اپنی بہن کو قرآن پڑھتے ہوئے پایا تو اوراق قرآن کو دیکھنا چاہا، ان کی بہن نے یہی آیت پڑھ کر اوراق قرآن ان کے ہاتھ میں دینے سے انکار کیا کہ اس کو پاک لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا، فاروق اعظم نے مجبور ہو کر غسل کیا، پھر یہ اوراق پڑھے، اس واقعہ سے بھی اسی آخری تفسیر کی ترجیح ہوتی ہے

اگر غلاف اور جزدان قرآن سے علیحدہ ہو (یعنی کتاب کے کور کی طرح چسپاں نہ ہو) تو اس کو پکڑ کر قرآن کا چھونا اور اٹھانا امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے نزدیک جائز ہے۔ امام مالک (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور امام شافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتے ہیں جزدان کو پکڑ کر اٹھانا بھی ناجائز ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ: اور دوسری جگہ فرمایا ہے: فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ اور تکریم کا تقاضا ہے کہ غلاف کے ساتھ بھی کوئی بے وضو آدمی اس کو ہاتھ نہ لگائے۔ ہم کہتے ہیں کہ تکریم قرآن چاہتی ہے کہ بے وضو قرآن کو نہ چھوا جائے اور مَس کا اطلاق اسی وقت ہوتا ہے جب بغیر غلاف اور جزدان کے چھوا جائے اور بیچ میں کوئی

پردہ اور حجاب نہ ہو۔

آستین یا دامن سے قرآن کو پکڑنا، بے وضو آدمی کے لیے مکروہ ہے کیونکہ یہ دونوں ہاتھ کے تابع ہیں۔ جس سکّے پر قرآن کی کوئی سورۃ لکھی ہو اسکو بغیر ہمیانی یا بٹوے کے چھونا ناجائز ہے کیونکہ جس پر قرآن لکھا جائے وہ مصحف ہو جاتا ہے

اس آیت سے بدرجہ اولیٰ دلالتِ نص سے ثابت ہوتا ہے کہ جُنُب کے لیے قرآن پڑھنا جائز نہیں۔ اسی پر اجماع علماء ہے کیونکہ مصحف اس کو کہتے ہیں جس پر وہ نقوش و حروف لکھے ہوئے ہوں جو قرآن کے الفاظ پر دلالت کر رہے ہوں اور جب نقوش اور حروف کو بغیر طہارت کے چھونا ناجائز ہے تو الفاظ قرآن زبان پر لانا (اس شخص کے لیے جو طاہر نہ ہو) بدرجۂ اولیٰ ناجائز ہے۔

امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ) امام شافعی (رحمہ اللہ تعالیٰ) اور امام احمد (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے نزدیک حائضہ اور نفساء کا حکم جنب کی طرح ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نہ حائضہ قرآن کی کوئی چیز (یعنی کوئی آیت) پڑھے نہ جنابت والا۔ (رواہ الدار قطنی والترمذی وابن ماجہ، ترمذی شریف حدیث نمبر ۱۳۱)

قیاس ظاہر چاہتا ہے کہ بے وضو آدمی کے لیے بھی قرآن پڑھنا ناجائز ہو (ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ بے وضو قرآن کو چھو نہیں سکتا اور جب نقوش و حروف کو چھو نہیں سکتا تو قرآن کے الفاظ کو زبان پر کیسے لا سکتا ہے) لیکن استحسان نے بے وضو کے لیے قرآن کی تلاوت کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ بے وضو ہونے کا اثر منہ کے اندر نہیں پہنچتا اسی لیے وضو میں کلی کرنا واجب نہیں ہے، ہاں! جنابت کا اثر منہ کے اندر تک پہنچتا ہے، اس لیے غسل جنابت میں کلی کرنی واجب ہے۔

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ میں ایک رات اپنی خالہ امّ المؤمنین حضرت میمونہؓ کے گھر رہا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی بی بی تو بستر کے طول میں سوئے اور میں عرض میں سو گیا۔ جب کچھ کم و بیش آدھی رات ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ بیدار ہو گئے اور اٹھ بیٹھے۔ اوّل آپ ﷺ نے چہرۂ مبارک سے نیند کا اثر (ہاتھوں سے) مل کر

دور کیا۔ پھر سورۃ ال عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں، اس کے بعد کھڑے ہو کر ایک معلّق مشکیزہ (کا دہانہ) کھول کر اس سے وضوء کیا، الخ۔ (سنن النسائی حدیث نمبر ۱۶۲۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے تلاوت آیات جائز ہے۔ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی حدیث ہے کہ سوائے جنابت کے رسول اللہ ﷺ کو تلاوت قرآن سے کوئی چیز مانع نہیں ہوتی تھی۔ (سنن ابی داوٗد، کتاب الطہارۃ حدیث نمبر ۲۲۹)

روایاتِ مذکورہ کی بنا پر جمہور اُمّت اور ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت شرط ہے، اس کے خلاف گناہ ہے، ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، باوضو ہونا، حالتِ جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے، حضرت علی مرتضیٰ، ابن مسعود، سعد بن ابی وقاص، سعید ابن زید، عطاء اور زہری، نخعی، حکم، حماد، امام مالک، شافعی، ابو حنیفہ رحمہم اللہ سب کا یہی مسلک ہے۔

رہا ملفوظ میں دوسرا مسئلہ -:

کہ قرآن کا ترجمہ بغیر علم کے پڑھنا تو سمجھنا چاہیے کہ قرآن کریم کی آیات میں عام طور سے دو طرح کے مضمون ہوتے ہیں:

۱) عام وعظ و نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات، خوف الٰہی، فکر آخرت اور جنت و جہنم کا تذکرہ وغیرہ۔

۲) وہ آیات جن میں شریعت کے احکام و قوانین، عقائد و عبادات کے مسائل وغیرہ ذکر ہوتے ہیں۔

پہلی قسم کی آیات کے معنی و مفہوم کو معمولی عربی پڑھا ہوا شخص بھی ادنیٰ غور و تدبر سے سمجھ سکتا ہے، البتہ دوسری قسم کی آیات کو کماحقہ سمجھنے کے لیے اسلامی علوم میں پوری مہارت اور بصیرت ضروری ہوتی ہے، کیونکہ احکام و مسائل کے مضمون والی آیات کو ان علوم میں پختگی حاصل کیے بغیر سمجھنا انتہائی دشوار ہے۔

یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ باوجود اہل زبان ہونے کے قرآن کریم کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں طویل مدتیں صرف کیا کرتے تھے، جیسا کہ

صحابہ کرامؓ کے اس حوالے سے واقعات مشہور ہیں، موطاامام مالک کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورۃ بقرہ سیکھنے میں پورے آٹھ سال صرف کیے۔

اس سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کے لیے ان کی عربی دانی فہمِ قرآن کے لیے کافی نہیں تھی، بلکہ باقاعدہ ان کو نبی اکرم ﷺ سے قرآن کریم کی مراد و مفہوم کو سیکھنے کی ضرورت تھی تو آج چودہ سو سال بعد غیر اہل زبان کے لیے صرف عربی جاننا یا صرف اردو ترجمہ پڑھ کر قرآن کریم کے تمام مضامین کو سمجھنا کیسے ممکن ہو گا؟

اور یہ بات بھی ہر ذی شعور سمجھتا ہے کہ صرف انگریزی زبان جاننے والا میڈیکل کی کتابیں پڑھ کر ڈاکٹر یا انجینئر نہیں بن سکتا، بلکہ اس کے لیے باقاعدہ ڈاکٹری اور انجینئرنگ کی تعلیم اس فن کے ماہر اساتذہ کی زیر نگرانی حاصل کرنی پڑتی ہے تو قرآن کریم کے معانی و مطالب سمجھنے کے لیے صرف عربی سمجھنے کو کیوں کافی سمجھ لیا جاتا ہے؟ جبکہ بعض ستم ظریف تو صرف قرآن پاک کا ترجمہ پڑھ کر ہی اپنے آپ کو قرآن کریم کا عالم سمجھنے لگتے ہیں اور قرآن کریم کی من مانی تشریح کرتے ہیں، جو بسا اوقات سلف صالحین کی تفسیر کے خلاف ہوتی ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ یہ نہایت خطرناک طرز عمل ہے جو دین کے معاملے میں بہت گمراہ کن اور ہلاکت کی طرف لے جانے والا ہے، اسی طرز عمل پر احادیث میں سخت وعید آئی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جس نے قرآن کے معاملے میں بغیر علم کوئی بات کہی وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔“ اسی طرح فرمایا: ”جس نے قرآن کے معاملے میں محض اپنی رائے سے گفتگو کی اور کوئی بات صحیح بھی کہہ دی، تب بھی اس نے غلطی کی۔“ (ابوداؤد ونسائی، از الاتقان فی علوم القرآن: ج۲ ص:۱۷۹)

لہٰذا جو لوگ علوم عربیہ سے ناواقف ہوں، ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ مستند علماء کرام (جو تفسیرِ قرآن کی صلاحیت رکھتے ہوں) سے روزانہ سبقاً سبقاً قرآن کریم کا ترجمہ و تفسیر پڑھیں یا ہفتہ میں ایک دن کسی مستند عالم دین کے درس قرآن میں جا کر ان کے درس کو سن کر قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اردو کی معتبر و

مستند تفسیر کو کسی معتبر عالم کی رہنمائی میں مطالعہ کریں، اس طور پر کہ جہاں جو بات سمجھ نہ آئے، خود سے فیصلہ کرنے کے بجائے ان سے رجوع کر لیا کریں تاکہ قرآنی ہدایت کا نور اس کے آداب کی رعایت کرتے ہوئے حاصل ہو جائے۔

-: سورۃ الاخلاص، مکمل توحید کا بیان اور ہر طرح کے شرک سے نفی -:

آپ حضور نے فرمایا! کہ شرک کے خاتمے کے لیے تو مسلمان کے لیے صرف سورہ اخلاص کافی ہے۔ مسلمان کے لیے شرک کا گمان اس سورۃ سے ختم ہو جاتا ہے۔ **قل ھو اللہ احد** فرمایا! کہ جب مشرکین مکہ نے حضور پاک ﷺ سے یہ سوال کیا کہ تیرا اللہ کس چیز سے بنا تو قرآن پاک کا قاعدہ ہے کہ قل اس جگہ آتا ہے جہاں سوال کیا گیا ہو، اور ان لوگوں کے سوال کا جواب صرف اتنا دیا جائے کہ جتنی ان کو سمجھ ہو۔ یعنی قل سے یہ مطلب نہیں کہ حضور پاک ﷺ کو نعوذ باللہ علم نہیں۔ قل کہہ کر اللہ تعالیٰ پابند کر دیتا ہے کہ صرف یہی ان کو بتاؤ یعنی حضور پاک ﷺ کو پابند کر دیا جاتا ہے کہ صرف اتنا ہی پھیلاؤ۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۹، ۵۰)

توضیح ملفوظ -:

سورۃ اخلاص کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض احادیث میں مذکور ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا اپنے رب کا نسب ہمیں بیان کیجئے۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ یہودیوں کے ایک گروہ نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ اپنے رب کے متعلق بتائیں کہ وہ رب کیسا ہے، جس نے آپ کو بھیجا ہے؟ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔ غرضیکہ مختلف مواقع پر حضور اکرم ﷺ سے اُس معبود کے متعلق سوال کیا گیا جس کی عبادت کی طرف آپ ﷺ لوگوں کو دعوت دے رہے تھے۔ ہر موقع پر آپ ﷺ نے اللہ کے حکم سے ان کے جواب میں یہی سورۃ سنائی

تھی۔ البتہ سب سے پہلے یہ سوال مشرکین مکہ نے کیا تھا، اور ان کے جواب میں ہی یہ سورۃ (سورۃ الاخلاص) نازل ہوئی تھی۔

سورۂ اخلاص کی روشنی میں عقیدہ توحید کے ارکان سبعہ:-

پہلا رکن: واسطۂ رسالت

دوسرا رکن: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا

تیسرا رکن: اَحَدِیّت (اللہ کا ایک ہونا)

چوتھا رکن: صَمَدِیّت (اللہ کا بے نیاز ہونا)

پانچواں رکن: لَاوَالدیت (کسی کا والد نہ ہونا)

چھٹا رکن: لَاوَلَدیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)

ساتواں رکن: لَاکُفُویت (کسی کا اس کا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونا)

مسئلہ توحید قرآن حکیم کے بنیادی اور اساسی موضوعات میں سے ہے۔ اِس مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے اگرچہ قرآن حکیم کی متعدد آیاتِ بینات میں دلائل و براہینِ قاطعہ موجود ہیں لیکن سورۃ الاخلاص میں اللہ رب العزت نے اپنی توحید کا جو جامع تصور عطا فرمایا ہے وہ کسی اور مقام پر نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس سورۃ مبارکہ کو سورۃ توحید بھی کہتے ہیں۔ اس سورہ میں توحید کے سات بنیادی ارکان بیان کئے گئے ہیں۔ اگر ان ارکانِ سبعہ کو ملا لیا جائے تو عقیدۂ توحید مکمل ہو جاتا ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک رکن کی خلاف ورزی بھی عقیدۃً ہو جائے تو توحید باقی نہیں رہتی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝١ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝٢ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝٣ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝٤

”(اے نبیِ مکرّم!) آپ فرما دیجئے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور

نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔" (الاخلاص، 1.4:112)

پہلا رکن: واسطۂ رسالت

عقیدہ توحید کے لئے واسطۂ رسالت کی ناگزیریت

سورۂ اخلاص کا آغاز لفظِ "قُلْ" سے کیا گیا جس کا معنی ہے: "(اے نبیِّ مکرّم!) آپ فرما دیجئے۔" کیا فرما دیجئے؟

هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝۱

"وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔"

یہ مختصر مضمون جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت یعنی اس کے ایک ہونے کو بیان کر رہا ہے، اس کی وحدتِ مطلقہ کا بیان ہے۔ چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر برہانِ ناطق ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرے پیارے! ہم چاہتے ہیں کہ توحید کا مضمون بیان کرنے کے لئے تیری زبان اِستعمال ہو۔ جو کچھ اس سے نکلے، میری ہستی پر دلالت کرے۔ میرے ایک ہونے کا مضمون اتنا بلند ہے کہ اس کی ادائیگی کا حق تیری زبان سے ہی ادا ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ اے محبوب! مجھے تیری اُمت کو ایمان سے بہرہ ور کرنا ہے مگر اِن کا میری نسبت عقیدۂ ایمان تب متحقق ہو گا جب یہ آپ سے سن کر آپ کی بات کو سچا مان کر مجھے ایک مانیں گے۔

"قُلْ" عنوانِ رسالت ہے اور "هُوَ اللّٰهُ" عنوانِ توحید

اللہ رب العزت نے سورۃ اخلاص کی ابتداء لفظ قُلْ سے فرمائی۔ لفظِ "قُلْ" عنوانِ رسالت ہے جبکہ عنوانِ توحید "هُوَ اللّٰهُ" ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی کو اللہ کے ہونے کا براہِ راست علم (Direct knowledge) حاصل ہو گیا تو وہ علم "وحدانیت" ہے، عقیدۂ توحید نہیں۔ کیونکہ وہ علم بغیر واسطۂ رسالت کے ہے اور اس میں رسول ﷺ کا حوالہ ہی نہیں تھا لہٰذا وحدانیت کا تصور ایمان تب بنتا ہے جب رسول ﷺ ایمان لانے میں واسطہ و وسیلہ بنیں۔

مخبر کا نام رسول اور خبر کا نام توحید ہے

کوہِ صفاء پر پہلی دعوتِ توحید کا یہ سارا منظر نامہ (scenario) اس بات پر شاہدِ عادل ہے کہ ایمان کے باب میں سب سے پہلے رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور آپ ﷺ کے قابلِ اعتماد ہونے پر ایمان لانا ناگزیر ہے۔ اس لئے لوگوں کو اللہ کی وحدانیت کی خبر دینے سے پہلے وسیلہِ رسالت اور واسطہِ نبوت پر ایمان لانے کے لئے کہا گیا اور آپ ﷺ سے کلمہِ توحید کا اعلان کروایا گیا۔ چنانچہ جب ان کا حضور نبی اکرم ﷺ پر ایمان اور اعتماد قائم ہو گیا تو پھر آپ ﷺ نے اللہ کے ایک ہونے کی خبر (divine news) انہیں پہنچائی۔ اس سے یہ نکتہ بھی کھلا کہ جنہوں نے حضور ﷺ کے ذریعہ، وسیلہ اور واسطہ سے اللہ کو ایک مان لیا وہ مؤمن ہو گئے اور جنہوں نے آپ ﷺ کی بات نہ مانی وہ کافر قرار پائے۔ ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی نبوت ورسالت کے ذریعے ہی ایمان باللہ اور عقیدہ توحید متحقق ہوتا ہے۔ اس لئے ہر اہلِ ایمان کا عقیدہ یہی ہونا چاہئے کہ ایمان باللہ خود وسیلہِ رسالت کا طالب اور متقاضی ہے۔

دوسرا رکن: ذاتِ حق کا فوق الادراک ہونا

ضمیرِ غائب ''ھُوَ'' کے استعمال کی حکمت

سورۃ اخلاص میں لفظ ''قُلْ'' کے بعد اسمِ ذات سے پہلے ''ھُوَ'' کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ کلامِ عربی میں ''ھُوَ'' ضمیر غائب کے لئے استعمال ہوتی ہے اور غائب چیز وہ ہوتی ہے جو آنکھوں کے سامنے نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ ہر وقت ہر جگہ موجود ہے۔ اس کے لئے زمان و مکاں کے فاصلے کوئی حیثیت نہیں رکھتے مثلاً اللہ تعالیٰ نے انسان سے اپنی قربت کے متعلق ارشاد فرمایا: ''وَنَحۡنُ اَقۡرَبُ اِلَيۡهِ مِنۡ حَبۡلِ الۡوَرِيۡدِ''

''اور ہم اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں۔'' (ق، 16:50)

بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور ہر وقت موجود ہے لیکن اس قربت کے باوجود ہم اسے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں اور نہ وہ ہمارے ادراک و محسوسات میں آ سکتا ہے۔ اس کا فوق الادراک ہونا ہی دراصل شان

اُلوہیت ہے اور اس شان کے اظہار کے لئے یہاں بیانِ توحید کے آغاز میں کلمہ ''ھُوَ'' استعمال ہوا ہے۔ ذیل میں ہم اس کے استعمال کی بعض حکمتوں کا جائزہ لے رہے ہیں۔

ان حکمتوں میں ایک یہ ہے کہ غائب میں زیادہ معنویت پائی جاتی ہے اور یہ حاضر کے مقابلہ میں ''بُعدِ معنوی'' پر دلالت کرتا ہے۔ کلام کی فصاحت کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حاضر و موجود حقیقت کی طرف ضمیرِ غائب سے اشارہ کیا جائے۔ یہاں پر ''ھُوَ'' کا لفظ دراصل ذاتِ حق کی غیر موجودگی اور حقیقی غیوبت پر دلالت نہیں کر رہا بلکہ اس سے مراد بُعدِ معنوی ہے یعنی فہم وادراک و شعور سے دوری اور بلندی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

بُعدِ معنوی کا مفہوم

''بُعدِ معنوی'' سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اِتنی بلند اور عُلو شان کی حامل ہے کہ انسان کی ناقص عقل و فکر اور فہم و بصیرت اس کا ادراک نہیں کر سکتی۔ عقل و شعور اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس لئے ''ھُوَ'' کی ضمیر غائب کا استعمال کیا گیا کیونکہ ''ھُوَ'' کی غیوبت میں ذاتِ واجب الوجود کا ماورائے عقل و ادراک ہونے کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ اس کی حقیقت کو سمجھنا انسانی فہم و ادراک سے وراء الوراء ہے۔

تیسرا رکن: اَحَدیّت (اللہ کا ایک ہونا)

سورۃ اخلاص میں احدیت کا بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ''

''(اے نبی مکرم!) آپ فرمادیجئے وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔''

یہاں توحید کے تصور کو اجاگر کیا گیا ہے یعنی توحید کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف بھی ہے اور اس کی صفات کی طرف بھی۔ ذات کی طرف توحید کی نسبت کا معنی یہ ہے کہ اس کا اس پوری کائنات ہست و بود میں کوئی شریک و سہیم نہیں۔ وہ معبود اور خالق و مالک ہونے کے اعتبار سے یکتا و یگانہ ہے۔ چونکہ احد کے صیغے میں واحد کی نسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے اس لئے ''اَحَدٌ'' کہا۔ ہر چند کہ ''وَاحد'' میں بھی اکیلا ہونے کا معنی پایا جاتا ہے لیکن ''وَاحد'' کہنے کی بجائے ''احد'' اس لئے کہا کہ کسی دوسرے کے ہونے کے تمام تر

امکانات ختم ہو جائیں اور یہ وہم و گمان بھی ذہن میں نہ رہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اس پوری کائنات میں کوئی دوسرا معبود بھی ہو سکتا ہے۔ لہٰذا عبادت کے لائق صرف اور صرف وہ تنہا ذات ہے، وہی معبودِ برحق ہے۔ اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو معبود، خدا یا واجب الوجود ہستی اور قدیم مانے، تو وہ ذاتِ الٰہی میں شرک کا مرتکب ٹھہرے گا۔

چوتھا رکن: صمدیّت (اللہ کا بے نیاز اور سب پر فائق ہونا)

"اَللّٰهُ الصَّمَدُ" کا معنی ذات کی نسبت سے یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اوّل سے آخر تک از خود موجود ہے۔ وہ بے نیاز اور سب پر فائق ہے جبکہ ہر شئے اپنے وجود کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی جو کوئی بھی کائنات میں موجود ہے اس کے وجود میں آنے کا سبب خدا کی ذات ہے اور ہر کسی کا موجود ہونا اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔ جب ہر کسی کا وجود اللہ رب العزت کا محتاج ٹھہرا تو اس کی صفات اور کمالات بھی محتاج ہوں گے جبکہ یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ وجود میں کسی کا محتاج ہے اور نہ صفات و کمالات میں کسی کا محتاج ہے۔ مخلوق میں ہر کوئی اپنے وجود میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے اور اپنی صفات و کمالات میں بھی اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے۔

چنانچہ اس فرق کے تناظر میں ہمارا عقیدہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے لیکن وہ اپنے زندہ ہونے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ دوسری طرف ہم بھی زندہ ہیں لیکن ہم اپنی زندگی کے لئے اس کی بخشی ہوئی حیات کے محتاج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کلام کرتا ہے لیکن اس کی صفتِ کلام کسی کی حاجت مند نہیں۔ ہم بھی کلام کرتے ہیں لیکن ہمارا متکلم ہونا اس صاحبِ کلام کا محتاج ہے۔ وہ بصیر ہے لیکن اس کا بصیر ہونا کسی کا محتاج نہیں۔ ہم بھی دیکھتے ہیں لیکن ہمارا دیکھنا اس کا محتاج ہے۔ وہ سمیع ہے بغیر حاجت کے، ہم سمیع ہیں اس کی حاجت کی بناء پر۔ وہ علیم و شہید ہے بغیر حاجت کے اور ہم علیم و شہید ہیں اس کے محتاج ہونے کے سبب سے۔ وہ رحیم، کریم، جواد اور رؤف ہے بغیر حاجت کے لیکن ہم ہر معاملے میں اس کے محتاج ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی جتنی بھی صفات ہیں وہ بغیر حاجت کے ہیں اور ہماری جملہ صفات اس کی عطا سے ہیں۔ اب اگر ہم خدا کو اس کی ذات کی بناء پر رؤف مانیں اور مصطفی ﷺ

کو اس کی عطا کی بناء پر رؤف مانیں تو ایسا عقیدہ رکھنا ہر گز شرک نہیں ہو گا۔ اسی طرح اللہ کو کریم، شہید، علیم، قدیر اور صمد بالذات ماننا اور مصطفی ﷺ کو کریم، شہید اور علیم، اللہ کا محتاج جان کر ماننا شرک نہ ہو گا۔

خالق اور مخلوق کی صفاتِ مشترکہ

کچھ صفات صاحبِ صفت یعنی صفت پیدا کرنے والے میں بھی ہوتی ہیں اور دوسروں میں بھی (بطورِ عطا) ہوتی ہیں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کے حال اور شان کے مطابق ہوتی ہیں جبکہ دوسروں میں ان کے حسبِ حال ہوتی ہیں۔ ایسی صفات جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ نہیں ہیں بلکہ مشترک ہیں ان کا مخلوق کے لئے ان کے حسبِ حال اثبات شرک نہیں ہو گا مثلاً

اللہ دیکھنے والا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ"

"بے شک وہی خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ہے۔" (الاسراء، 1:17)

لیکن قرآن مجید میں انسان کو بھی سمیع و بصیر کہا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا"

"پس ہم نے اسے (ترتیب سے) سننے والا (پھر) دیکھنے والا بنایا ہے۔"

(الدھر، 2:76)

اللہ کی شان ہے کہ وہ رؤف رحیم ہے، ارشاد فرمایا:

"اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"

"بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔" (البقرہ، 143:2)

اور قرآن مجید میں نبی اکرم ﷺ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ"

"بیشک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے (اے لوگو!) وہ تمہارے لئے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لئے نہایت (ہی) شفیق، بے حد رحم فرمانے والے ہیں۔" (التوبہ، ۹:۱۲۸)

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

"اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ"

"بے شک اللہ ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہا ہے۔" (الحج، ۲۲:۱۷)

اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت فرمایا: "فَکَیْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ بِشَہِیْدٍ وَّجِئْنَا بِکَ عَلٰی ہٰٓؤُلَآءِ شَہِیْدًا"

"پھر اس دن کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے حبیب!) ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔" (النساء، 41:4)

فرمایا: اے محبوب! قیامت کا وہ کیا منظر ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک شہید اٹھائیں گے اور اس کی شہادت اس کی امت تک محدود ہو گی لیکن جب تمام محدود شہادتوں والے شہید (گواہ) ایک ایک کر کے گزر جائیں گے تو پھر آخر میں محبوب تجھے سب گواہوں پر ایسا گواہ بنائیں گے کہ کائنات کی ہر شئے اوّل سے آخر تک تیری شہادت پر موقوف ہو گی، اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا"

"اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تم پر گواہ ہو۔" (البقرۃ، ۲:۱۴۳)

اللہ بھی شہید ہے بندے بھی شہید ہیں۔ اللہ بھی رؤف ہے بندے بھی رؤف ہیں۔ اللہ بھی رحیم ہے بندے بھی رحیم ہیں۔ اللہ بھی کریم ہے بندے بھی کریم ہیں۔

اللہ بھی کلام کرتا ہے اور اس کے بندے بھی کلام کرتے ہیں۔ جس طرح ارشاد فرمایا:

"وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوْسٰی تَکْلِیْمًا"

"اور اللہ نے موسٰی (علیہ السلام) سے (بلاواسطہ) گفتگو (بھی) فرمائی۔"

(النساء، ۴:۱۶۴)

اللہ رب العزت نے موسیٰ سے کلام کیا اور موسیٰ نے اللہ تعالیٰ سے کلام کیا۔ یہ صفاتِ مشترکہ ہیں۔ لیکن اَلْحَمْدُ سے وَالنَّاس تک پورے قرآن میں کوئی ایسا مقام نہیں جہاں اس کے معبود ہونے کا ذکر ہے وہیں اس کے ساتھ کسی بندے کو بھی معبود کہا گیا ہو۔ اللہ خالق ہے۔ وہ عدم سے کائنات کو وجود میں لانے والا ہے۔ وہ موت وحیات کا مالک ہے لیکن یہ سب کچھ کسی بندے کے بارے میں نہیں کہا گیا۔

مشترک وغیر مشترک صفات کی ماہیت میں فرق

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ از روئے قرآن معبود ہونا اس کی غیر مشترک اختصاصی صفت ہے اور یہی قرآن بیان کر رہا ہے کہ سمیع و بصیر ہونا اس کی صفتِ مشترک ہے۔ معبود ہونے میں کوئی اس کا شریک، سہیم اور ساجھی نہیں جبکہ سمیع و بصیر، رؤف ورحیم اور شہید جیسی صفات میں خالق کے ساتھ اس کے بندوں کا بھی ذکر ہے۔ اس کا جواب بڑا سادہ ہے اور وہ یہ کہ صفات کی ماہیئت میں فرق ہے۔ وہ صفت جو صرف اللہ تعالیٰ میں پائی جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور میں کسی حال میں بھی نہ پائی جائے اس کو "خاصہِ الُوہیت" کہا جاتا ہے اور وہ صفت جو اللہ تعالیٰ میں اس کی شان اُلوہیت کے اعتبار سے اور بندے میں اس کی شانِ عبدیت کے اعتبار سے پائی جائے اس کو محض صفت کہا جائے گا خاصہِ اُلوہیت نہیں۔ جب اللہ رب العزت کی ذاتِ مقدسہ "وحدہ لاشریک" ٹھہری تو خاصہِ معبودیت صرف اور صرف اسی کے لئے مختص ٹھہرا۔ اس کے سوا کسی اور کے لئے ثابت نہیں۔ لہٰذا جو کوئی اللہ رب العزت کے سوا کسی اور کو ایک لمحہ کے لئے بھی معبود کا درجہ دے وہ کافر اور مشرک ہے، خواہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ہی سے ایسا اعتقاد کیوں نہ رکھے۔

لہٰذا مسلمانوں کا یہ مسلّمہ عقیدہ ہے کہ لمحہ بھر کے لئے بھی حضور ﷺ کو معبود سمجھنا کفر و شرک ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو ان صفات سے متصف کرنا جو اللہ

تعالیٰ کے لئے خاص ہیں کفر و شرک ہے کیونکہ یہ صفات خاصہ الوہیت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات کی نسبت ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ کو سجدہ نہیں کیا جا سکتا۔ نہ آپ ﷺ کی عبادت کی جا سکتی ہے۔ پس ان دو چیزوں میں یہ فرق ٹھہرا کہ کچھ صفات ایسی ہیں جو صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے خاص ہیں کسی اور کے لئے نہیں اور کچھ صفات ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے بھی، لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی شان کے لائق ہیں اور غیر کے لئے اس کی شان کے لائق ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کی ہم عبادت کرتے ہیں جو کمال درجے کی تعظیم ہے جبکہ اپنے والدین کی بھی تعظیم کرتے ہیں لیکن عبادت میں والدین کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک نہیں کرتے۔

پانچواں رکن: لاوالدیت (کسی کا والد نہ ہونا)

سورہ اخلاص کی آیت نمبر 3 میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"لَمْ يَلِدْ"

"نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے۔"

پیدا ہونے والے کو بیٹا یا بیٹی کہتے ہیں جو باپ کا جزو ہوتے ہیں۔ بیٹے سے جزئیت ثابت ہوتی ہے اور کُل کا کچھ نہ کچھ اثر جزو میں آتا ہے۔ اگر خدا کا (معاذ اللہ) کوئی بیٹا ہوتا تو پوری نہ سہی کچھ نہ کچھ خدائی اس میں بھی آجاتی کیونکہ بیٹا ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی اُلوہیت کے اوصاف اس میں کسی حد تک منتقل ہو جائیں۔ سورۃ اخلاص کی اس آیت مبارکہ میں اس چیز کی مکمل نفی کی گئی ہے۔

فرشتوں کے بارے میں یہودی یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اسی طرح حضرت عزیرؑ کے بارے میں ان کا عقیدہ ہے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ

"اور یہود نے کہا: عزیر (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں اور نصاریٰ نے کہا:

مسیح (علیہ السلام) اللہ کے بیٹے ہیں۔" (التوبۃ،۹:۳۰)

لطیف علمی استدلال

یہود و نصاریٰ کے عقیدے کا رد حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ اقدس سے کرایا گیا۔ ارشاد فرمایا:

"قُلۡ اِنۡ كَانَ لِلرَّحۡمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الۡعٰبِدِيۡنَ"

"فرما دیجئے کہ اگر (بفرضِ محال) رحمان کے (ہاں) کوئی لڑکا ہوتا (یا اولاد ہوتی) تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا۔" (الزخرف،۴۳:۸۱)

آپ ﷺ سے کہلوایا گیا کہ اے یہود و نصاریٰ! تم جھوٹ بولتے ہو کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے۔ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ یقیناً عبادت کے لائق ہوتا اور میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والوں میں ہوتا کیونکہ سب سے پہلا عبادت گزار اس کائنات میں مجھے بنایا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قُلۡ اِنَّ صَلَاتِىۡ وَنُسُكِىۡ وَمَحۡيَاىَ وَمَمَاتِىۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِيۡنَ ﴿۱۶۳﴾

"فرما دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میرا حج و قربانی (سمیت سب بندگی) اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں (جمیع مخلوقات میں) سب سے پہلا مسلمان ہوں۔" (الانعام،۶:۱۶۲-۱۶۳)

قرآن نے اللہ تعالیٰ کا بیٹا نہ ہونے پر یہ دلیل دی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہو اور بیٹا ہو کر بھی خدا نہ ہو تو اس کی خدائی پر حرف آتا ہے۔ اسی طرح اگر بیٹا ہو کر خدا ہو تو بھی اس کی خدائی میں شرک واقع ہوتا ہے۔ اس لئے بیٹے سے پاک ہونے کا قطعی اعلان ہوا تاکہ نہ خدائی پر حرف آئے اور نہ خدائی میں شرک لازم آئے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اللہ تعالیٰ کا کوئی جزو ہونا یا اس کا بیٹا ہونا اور اس کے نور کے براہِ راست پرتو سے

تخلیق میں آنے میں بنیادی فرق ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت حضرت جابر بن عبد اللہ سے یہ حدیث مروی ہے۔ جب انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ نے سب سے پہلے کسے پیدا فرمایا؟ تو حضور ﷺ نے جواب دیا:

إن الله خلق قبل الأشياء نور نبيك من نورهٖ.

"بیشک اللہ نے تمام مخلوق سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا۔"

(عبد الرزاق، المصنف، باب فی تخلیق نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، 18:1، قسطلانی، المواھب اللدنیۃ، 9:1، حلبی، السیرۃ الحلبیۃ، 31:1)

اس حدیثِ مبارکہ کے معنی و مفہوم سے بعض لوگ التباس اور مغالطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ "نور نبيك من نوره" کے کلمات جزئیت کی طرف اشارہ کرتے ہیں حالانکہ یہ ایک مغالطہ ہے۔ "لا والدیت" اور مذکورہ حدیث دو الگ الگ چیزیں ہیں ان کا آپس میں التباس اور شائبہ پیدا ہونے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ نور سے تخلیق مراد ہے، جزئیت ہرگز نہیں، جزئیت عقیدہِ باطل ہے۔

اس کا مطلب نہ تولد ہے اور نہ خدا کا جزو ہونا۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنے نور کا جزو ٹھہرایا بلکہ اپنے نور سے پیدا فرمانے کا معنی حدیث مذکورہ کے مطابق یہ ہے کہ اپنے نور کے براہِ راست فیض سے اللہ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا۔ اس معنی کی تصریح مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کے پہلے باب نورِ محمدی ﷺ کے بیان میں مذکورہ بالا حدیث کے تحت یہی کی ہے کہ "تیرے نبی کا نور اپنے نور کے براہِ راست فیض کے پرتو سے پیدا فرمایا۔"

چھٹا رکن: لاولدیت (کسی کی اولاد نہ ہونا)

سورہِ اخلاص کی آیت نمبر 3 میں فرمایا:

وَلَمْ يُوْلَدْ

"اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔"

جب اس کی طرح کوئی نہیں ہے تو اس کی کوئی اصل کیسے ہو سکتا ہے؟ اگر یہ مان لیا جائے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا پیدا کرنے والا بھی ہے تو پھر وہ اللہ تعالیٰ پر بھی فائق ہو گا کیونکہ باپ بیٹے پر تقدمِ زمانی اور وجود میں لانے کا سبب ہونے کی بنا پر بھی فائق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی باپ نہیں ہے اس لئے خدا پر نہ کوئی فائق ہے اور نہ مقدم۔ بیٹا، اپنے وجود میں آنے کے لئے باپ کا محتاج ہوتا ہے جبکہ خدا کسی کا محتاج نہیں اور ہر کوئی اس کا محتاج ہے۔ اس سورۃ توحید میں پیدائش اور ولادت کا ذکر دو طرح سے بیٹے کے طور پر اور باپ کے طور پر ہوا کہ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اگر کسی کی طرف ولادت منسوب ہو جائے، خواہ ولادت دینا ہو یا ولادت پانا، تو وہ سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ جو خدا ہوتا ہے وہ نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوتا ہے۔

جشنِ میلادالنبی ﷺ ردِّ شرک کا اجتماعی اعلان ہے

حضرت عیسیٰؑ کی امت نے ان کے معجزات کو دیکھا، جیسے مردوں کو زندہ کرنا، کوڑھوں کو شفایاب کرنا، مادرزاد نابینا کو صحت مند اور توانا بنانا، ان معجزات اور تصرفات و کمالات کو دیکھ کر امت نے انہیں خدا کے مقام پر فائز کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ کے معجزات، معجزاتِ مصطفوی ﷺ کا درجہ نہیں رکھتے۔ حضور ﷺ کے معجزات تو ان تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر حاوی ہیں جن کی امتوں نے ان کے کمالات دیکھ کر ان کی نسبت خدائی کا دعویٰ کر دیا۔

امتِ مصطفوی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل ہے کہ اس نے اس امت کو یہ شعور عطا کیا کہ وہ قیامت تک ربیع الاول کے مہینے میں اپنے پیارے نبی ﷺ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں جشن مسرت مناتی ہے۔ حزم و احتیاط کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑے کہ سید المرسلین ﷺ جو "بعد از خدا بزرگ توئی" کے حق دار ہیں، خدا نہیں بلکہ اللہ کے پیدا کردہ برگزیدہ نبی ﷺ ہیں کیونکہ جو پیدا ہوتا ہے وہ خدا نہیں ہوتا۔ تو گویا میلادِ مصطفی ﷺ منانا اعلانِ توحید ہے۔ اور نصاریٰ کے برعکس امتِ مسلمہ کا یہ عمل دراصل حضور نبی اکرم ﷺ کی نسبت ہر شرک کے تصور کو جڑ سے اکھاڑ دینے کے

مترادف ہے۔ حضور ﷺ کا میلاد نہ منانے سے شرک کا شائبہ ہو سکتا تھا کہ امت حضور ﷺ کی ولادت کیوں نہیں مناتی۔ کہیں کوئی یہ تو نہیں سمجھتا کہ حضور ﷺ پیدا نہیں ہوئے۔ لہٰذا واضح ہوا کہ ولادت منانا شرک نہیں بلکہ ردِ شرک کا اجتماعی اعلان ہے۔

ساتواں رکن: لاکفویت

(کسی کا اللہ تعالیٰ کا ہمسر و ہم رتبہ نہ ہونے کا بیان)

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾

"اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔"

اس کا کوئی ہمسر اور ہم پلہ نہیں، نہ ہی اس کا کوئی شریک ہے۔ وہ اپنی تمام صفتوں میں یکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی صمد ہے نہ کوئی احد، (کوئی اللہ کے سوا) "لَمْ يَلِدْ" ہے اور لَمْ يُوْلَدْ، وہ سلسلۂ تولید و تولّد سے یکسر پاک ہے۔ کوئی واجب الوجود ہے اور نہ کوئی واجب الارادہ، ان ساری صفتوں میں اللہ تعالیٰ یکتا ہے اور ہر کوئی اس کا محتاج اور تابع ہے۔ اس کا کوئی شریک، ہم پلہ اور کفو نہیں۔

خلاصۂ کلام

سورۃ اخلاص میں بیان کردہ سات ارکان کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ایک ماننا عقیدۂ توحید ہے اور ان سات ارکان میں سے کسی ایک رکن کا بھی انکار اور اس سورۃ میں بیان کردہ صفات کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔ لیکن جن جائز امور سے اس سورۃ میں منع نہیں کیا گیا وہ اپنی جگہ حق ہیں۔ ان جائز امور کو شرک بنانا اور توحید کو توحید کے تقاضوں سے نکالنا افراط و تفریط کا شکار ہونے کے مترادف ہے۔ اس لئے دین اور شریعت مصطفوی ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ امتِ مسلمہ کے تمام طبقات توحید اور ردِ شرک کے مسئلہ میں افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اعتدال و میانہ روی کی راہ کو اپنا شعار بنائیں۔

فضائل سورۃ الاخلاص

۱۔ صحابی لشکر کے سردار کی تلاوت

عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو لشکر کا سردار بنا کر بھیجا، وہ نماز میں (یعنی ہر رکعت میں) اپنی تلاوت **قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ** پر ختم کرتا۔ جب لشکر والے مدینہ واپس آئے تو انہوں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”**لِأَيِّ شَيْءٍ يَصْنَعُ ذٰلِكَ؟**“

(البخاری، کتاب التوحید، باب: ماجاء فی دعاء النبی ﷺ أمته إلی توحید اللہ، رقم: ۷۳۷۵)

لوگوں نے پوچھا، وہ کہنے لگا: ”اس سورۃ میں اللہ کی صفات مذکور ہیں، مجھ کو اس کا پڑھنا اچھا لگتا ہے۔“

آپ ﷺ نے فرمایا: ”**أَخْبِرُوْهُ أَنَّ اللّٰهَ يُحِبُّهُ**“

(العسقلانی: فتح الباری، ص: ۱۳/ ۳۵۷)

ابن دقیق العید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اس بات کی دلیل ہے کہ صحابی اس سورۃ سے محبت کرتا تھا۔ امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندے سے محبت میں اس کے قریب کر لینا، عزت و اکرام اور دل میں حقیقی محبت شامل ہے۔

”**عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ: اِنِّیْ اُحِبُّ هٰذِهِ السُّوْرَةَ {قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ} فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "حُبُّكَ اِيَّاهَا اَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ۔"**“ (مسند احمد: ۱۲۴۵۹)

۱۔ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی، نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور کہا: میں اس سورۃ اخلاص سے محبت کرتا ہوں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔

۲۔ سورۃ الاخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"احشُدُوا، فَإِنِّي سَأَقْرَأُ عَلَيْكُمْ ثُلُثَ الْقُرْآنِ"

(صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب فضل قراءة قل ہو اللہ أحد، رقم:812)

آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے جب قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی تو فرمایا: "یہ سورۃ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔"

عَنْ اَبِي اَيُّوبَ، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: "اَيَعْجَبُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَقْرَاَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ فِي لَيْلَةٍ؟ فَإِنَّهُ مَنْ قَرَاَ {قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ} فِي لَيْلَةٍ فَقَدْ قَرَاَ لَيْلَتَئِذٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ۔" (مسند احمد:۲۳۹۵۰)

سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ ایک رات میں قرآن مجید کا تیسرا حصہ تلاوت کرے، پس جس نے رات کو سورۃ اخلاص کی تلاوت کی، اس نے اس رات کو قرآن کا تیسرا حصہ تلاوت کرلیا۔

عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم اَنَّهُ قَالَ: "اَيَعْجِزُ اَحَدُكُمْ اَنْ يَقْرَاَ ثُلُثَ الْقُرْآنِ فِي لَيْلَةٍ؟" قَالَ: فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلَى اَصْحَابِهِ فَقَالُوا: مَنْ يُطِيقُ ذٰلِكَ؟ قَالَ: "يَقْرَاُ {قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ} فَهِيَ ثُلُثُ الْقُرْآنِ۔" (مسند احمد:۱۱۰۶۸)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: کیا تم اس سے بے بس ہو کہ ایک رات میں قرآن مجید کا تیسرا حصہ پڑھ لو؟ صحابہ کرامؓ پر یہ بات گراں گزری اور انہوں نے کہا: اس عمل کی کون طاقت رکھتا ہے؟ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: {قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ} پڑھ لیا کرو، پس یہ ایک تہائی قرآن ہی ہے"

۳۔ عشر مرتبہ تلاوت سے جنت میں محل

عَنْ مُعَاذِ بْنِ أَنَسٍ الْجُهَنِيِّ صَاحِبِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم قَالَ: "مَنْ قَرَأَ {قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ} حَتّٰى يَخْتِمَهَا عَشْرَ مَرَّاتٍ بَنَى اللّٰهُ لَهُ قَصْرًا فِي الْجَنَّةِ۔"، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: إِذَنْ أَسْتَكْثِرَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ!، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلى الله عليه وآله وسلم: "اَللّٰهُ

أَكْثَرُ وَأَطْيَبُ۔" (مسند احمد:۱۵۶۹۵)

سیدنا معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ" یعنی سورۃ اخلاص آخر تک دس مرتبہ پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں ایک محل تعمیر کرے گا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! پھر تو میں بہت سے محلات حاصل کر سکتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ بھی بہت کثرت والا اور بہت عمدہ عطا کرنے والا ہے۔

۴۔ سو مرتبہ سونے سے پہلے پڑھنے کی فضیلت

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَنْ أَرَادَ أَنْ يَنَامَ عَلَى فِرَاشِهِ فَنَامَ عَلَى يَمِينِهِ ثُمَّ قَرَأَ مِائَةَ مَرَّةٍ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ يَقُولُ لَهُ الرَّبُّ: يَا عَبْدِي ادْخُلْ عَلَى يَمِينِكَ الْجَنَّةَ"

(سنن الترمذی، حدیث: حسن غریب)

ترجمہ: جو شخص سونے سے پہلے دائیں کروٹ پر سوئے اور 100 مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے: "اے میرے بندے! اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا۔"

۵۔ روزانہ 200 مرتبہ پڑھنے سے گناہوں کی معافی

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا "مَنْ قَرَأَ كُلَّ يَوْمٍ مِائَتَيْ مَرَّةٍ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ) مُحِيَ عَنْهُ ذُنُوبُ خَمْسِينَ سَنَةً إِلَّا أَنْ يَكُونَ عَلَيْهِ دَيْنٌ"

(مشکوۃ المصابیح / کتاب فضائل القرآن / حدیث:۲۱۵۸)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص روزانہ دو سو مرتبہ سورۃ الاخلاص پڑھتا ہے، اس کے پچاس سال کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، سوائے اس کے کہ اس پر قرض ہو۔"

اللہ تعالیٰ ہمیں اس سورۃ کی محبت اور اس کی تلاوت سے حاصل ہونے والے ثواب سے مالامال فرمائے اور ہمیں اپنے مخلص بندوں میں شامل فرمائے۔ آمین۔

☜ سورہ العصر:-

(آپ رحمہ اللہ تعالیٰ) نے سورۃ العصر کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اس سورۃ کے مطابق ہم میں ایک بات بھی نہیں تو ظاہر ہے ہم خسارے میں ہی ہیں یہ بات آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے عام لوگوں کی خستہ حالی اور دین سے دوری کی وجہ سے فرمائی۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۹۶)

توضیح ملفوظ:-

سورۃ العصر میں زمانے کی قسم اس بات پر کھائی گئی ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے، اور اس خسارے سے صرف وہی لوگ بچے ہوئے ہیں جن کے اندر چار صفتیں پائی جاتی ہیں۔(۱)ایمان (۲) عمل صالح (۳)ایک دوسرے کو حق کی نصیحت کرنا(۴)ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا۔ اب اس کے ایک ایک جز کو الگ لے کر اس پر غور کرنا چاہیے تا کہ اس ارشاد کا پورا مطلب واضح ہو جائے۔

جہاں تک قسم کا تعلق ہے تو یہاں پر زمانے کی قسم کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ انسان بڑے خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جن میں یہ چار صفتیں پائی جاتی ہوں۔

یہاں چونکہ مطلقاً زمانے کی قسم کھائی گئی ہے، اس لیے دونوں طرح کے زمانے اس کے مفہوم میں شامل ہیں۔ گزرے ہوئے زمانے کی قسم کھانے کا مطلب یہ ہے کہ انسانی تاریخ اس بات پر شہادت دے رہی ہے کہ جو لوگ بھی ان صفات سے خالی تھے وہ بالآخر خسارے میں پڑ کر رہے۔ اور گزرتے ہوئے زمانے کی قسم کھانے کا مطلب سمجھنے کے لیے یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جو زمانہ اب گزر رہا ہے وہ دراصل وہ وقت ہے جو ایک ایک شخص اور ایک ایک قوم کو دنیا میں کام کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ امام رازی نے کسی بزرگ کا قول نقل کیا ہے کہ ”میں نے سورۃ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آواز لگا رہا تھا کہ رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جا رہا ہے، رحم کرو اس

شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جارہا ہے، اس کی یہ بات سن کر میں نے کہا یہ ہے **وَالْعَصْرِ ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ** کا مطلب۔ عمر کی جو مدت انسان کو دی گئی ہے وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے۔ اس کو اگر ضائع کیا جائے، یا غلط کاموں میں صرف کر ڈالا جائے تو یہی انسان کا خسارہ ہے۔ پس گزرتے ہوئے زمانے کی قسم کھا کر جو بات اس سورۃ میں کہی گئی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ تیز رفتار زمانہ شہادت دے رہا ہے کہ ان چار صفات سے خالی ہو کر انسان جن کاموں میں بھی اپنی مہلت عمر کو صرف کر رہا ہے وہ سب کے سب خسارے کے سودے ہیں۔ نفع میں صرف وہ لوگ ہیں جو ان چاروں صفات سے متصف ہو کر دنیا میں کام کریں۔

یعنی انسان کو خسارہ سے بچنے کے لئے چار باتوں کی ضرورت ہے۔ اول خدا اور رسول پر ایمان لائے اور ان کی ہدایات اور وعدوں پر خواہ دنیا سے متعلق ہوں یا آخرت سے، پورا یقین رکھے۔ دوسرے اس یقین کا اثر محض اپنی انفرادی صلاح و فلاح پر قناعت نہ کرے بلکہ قوم و ملت کے اجتماعی مفاد کو پیش نظر رکھے۔ جب دو مسلمان ملیں ایک دوسرے کو اپنے قول و فعل سے سچے دین اور ہر معاملہ میں سچائی اختیار کرنے کی تاکید کرتے رہیں۔ چوتھے ہر ایک کو دوسرے کی یہ نصیحت اور اس کی یہ صفت رہے کہ حق کے معاملہ میں اور شخصی و قومی اصلاح کے راستہ میں جس قدر سختیاں اور دشواریاں پیش آئیں یا خلاف طبع امور کا تحمل کرنا پڑے، پورے صبر و استقامت سے تحمل کریں، ہرگز قدم نیکی کے راستہ میں ڈگمگانے نہ پائے۔ جو خوش قسمت حضرات ان چار اوصاف کے جامع ہوں گے اور خود کامل ہو کر دوسروں کی تکمیل کریں گے ان کا نام صفحات دہر پر زندہ جاوید رہے گا۔ اور جو آثار چھوڑ کر دنیا سے جائیں گے وہ بطور باقیات صالحات ہمیشہ ان کے اجر کو بڑھاتے رہیں گے۔ فی الحقیقت یہ چھوٹی سی سورۃ سارے دین و حکمت کا خلاصہ ہے۔ امام شافعی (رحمۃ اللہ علیہ) نے سچ فرمایا کہ اگر قرآن میں سے صرف یہی ایک سورۃ نازل کر دی جاتی تو (سمجھدار بندوں کی) ہدایت کے لئے کافی تھی۔ بزرگان سلف میں جب دو مسلمان آپس میں ملتے تھے، جدا ہونے سے پہلے ایک دوسرے کو یہ سورۃ سنایا کرتے تھے۔

☜ -: مغرب کے بعد سورۃ یٰسین پڑھنا مشائخ کا معمول-:

آپ جناب نے نماز مغرب کے بعد فرمایا کہ یٰسین شریف اس وقت پڑھیں یہ تقریباً ہمارے سب بزرگوں کا طریقہ رہا ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۵۴)

توضیح ملفوظ-:

خیر و برکت کے لیے سورۃ یٰسین کو پڑھنا چاہیے، کیوں کہ قرآن مجید پڑھنے سے برکت حاصل ہوتی ہے، سورۃ یٰسین کو حدیث مبارک میں قرآن کا دل کہا گیا ہے، اور اس کے پڑھنے کے بہت سے فضائل احادیث میں وارد ہیں۔ بزرگوں اور مشائخ کے معمولات سے بعد از مغرب پڑھنا مفید ثابت ہوا ہے، اس لیے محبین مشائخ اس عمل کو لازمی سر انجام دیتے ہیں۔

سورہ یٰسین کے چند فضائل:

”عَنۡ أَبِي هُرَيۡرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى قَرَأَ طٰهٰ وَيٰس قَبۡلَ أَنۡ يَخۡلُقَ السَّمَاوَاتِ وَالۡأَرۡضِ بِأَلۡفِ عَامٍ، فَلَمَّا سَمِعَتِ الۡمَلَائِكَةُ الۡقُرۡآنَ، قَالَتۡ: طُوبٰى لِأُمَّةٍ يَنۡزِلُ هٰذَا عَلَيۡهَا، وَطُوبٰى لِأَجۡوَافٍ تَحۡمِلُ هٰذَا، وَطُوبٰى لِأَلۡسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذَا۔“ (مشکوۃ شریف:۲۱۴۸)(سنن الدارمی:۳۴۵۷)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کی تخلیق سے ایک ہزار سال پہلے سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسین کی تلاوت فرمائی۔ جب فرشتوں نے سنا تو کہنے لگے: خوشی اس اُمّت کے لیے جن پر یہ سورتیں نازل ہوں گی، سعادت مند ہیں وہ سینے جو ان سورتوں کو محفوظ کریں گے، اور سعادت مند ہیں وہ زبانیں جو ان سورتوں کی تلاوت کریں گی۔

مصطفیٰ کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ!

”عَنۡ أَنَسٍ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ”إِنَّ لِكُلِّ شَيۡءٍ قَلۡبًا، وَقَلۡبُ الۡقُرۡآنِ

یٰسین، وَمَنْ قَرَأَ یٰسین کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ بِقِرَاءَتِہَا قِرَاءَۃَ الْقُرْآنِ عَشْرَ مَرَّاتٍ“
(سنن الترمذی:۲۸۸۷)(سنن دارمی:۳۴۴۸)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ہر شے کا ایک دل ہے، قرآن کا دل یٰسین ہے، جو شخص اسے پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس قرآن کا ثواب لکھتے ہیں۔

محبوب کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ!

”عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي رَبَاحٍ، قَالَ: بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ: ”مَنْ قَرَأَ یٰسین فِي صَدْرِ النَّھَارِ، قُضِيَتْ حَوَائِجُہٗ“

(سنن الدارمی:۳۴۶۱)، (المعجم الأوسط للطبرانی:۳۹۰۳)

ترجمہ: حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: جو شخص دن کے اول حصّے میں سورۃ یٰسین پڑھ لیتا ہے اس کی پورے دن کی ضروریات پوری کر دی جاتی ہیں۔

صاحب التاج والمعراج صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! ”مَنْ دَاوَمَ عَلٰی قِرَاءَۃِ یٰسین کُلَّ لَیْلَۃٍ، ثُمَّ مَاتَ مَاتَ شَھِیْدًا۔“ (المعجم الأوسط للطبرانی:۱۰۱۰)

ترجمہ: جس شخص کا ہر رات سورۃ یٰسین پڑھنے کا معمول ہو، پھر وہ شخص اپنے بستر پر مرے اللہ تعالیٰ اس کو شہداء میں شامل فرمائیں گے۔

”سَمِعْتُ أَبَا ھُرَیْرَۃَ یَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ ﷺ: مَنْ قَرَأَ یٰسین فِي لَیْلَۃٍ أَصْبَحَ مَغْفُورًا لَہٗ۔“ (مسند أبي یعلی:۶۲۲۴)

ترجمہ: جو شخص رات کے وقت سورۃ یٰسین پڑھ لیتا ہے وہ اس حال میں صبح کرتا ہے کہ اس کے پچھلے تمام (صغیرہ) گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

بعض روایات میں شبِ جمعہ میں سورۃ یٰسین پڑھنے کی بھی فضیلت آئی ہے۔

ایک حدیث مبارک میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

”وَإِنَّ فِي کِتَابِ اللّٰہِ لَسُورَۃً تُدْعَی الْعَزِیزَۃَ وَیُدْعَی صَاحِبُھَا الشَّرِیفَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ تَشْفَعُ لِصَاحِبِھَا فِي أَکْثَرَ مِنْ رَبِیعَۃَ وَمُضَرَ وَھِيَ سُورَۃُ یٰسین۔“

(وذکر الترمذی الحکیم فی نوادر الأصول، تفسیر القرطبی الجزء ۱۵، صفحہ ۳)

ترجمہ: بیشک کتاب اللہ میں ایک ایسی سورۃ ہے جس کو "العزیز" کہا گیا ہے اور قیامت کے دن اس کے یاد کرنے والے کو شریف کہا جائے گا، وہ شفاعت کرے گی اپنے صاحب کے لیے ربیعہ اور مضر (کے لوگوں کی تعداد) سے بھی زیادہ لوگوں کی، اور وہ سورۃ یٰسین ہے۔ الغرض یہ کہ سورۃ یٰسین کی تلاوت ہر حال میں باعثِ خیر و برکت ہے۔ آپ اسے دن کے کسی بھی وقت معمول بنا سکتے ہیں تاہم چونکہ اہل اللہ کا مجرب طریقہ مغرب کے بعد کا ہے اس لیے بہتر ہے کہ شام کے بعد اسے اپنا مستقل معمول بنایا جائے تا کہ برکاتِ الٰہیہ زیادہ ظاہر ہوں اور دِل کو زیادہ سکون میسر آئے۔

☜ سجدہ تلاوت ساتھ ساتھ یا بعد میں اکٹھے ادا کر سکتے ہیں؟

سائل نے سوال کیا کہ ایک ہی جگہ پر بیٹھ کر (قرآن مجید) پڑھتے ہوئے سجدہ تلاوت آئے، تو کیا ان کو ساتھ ساتھ یا اکٹھا ادا کرنا چاہیے آپ نے فرمایا سجدہ تلاوت ساتھ ساتھ ادا کرنے چاہئے اکٹھے (ادا) نہیں کرنے چاہئے۔

(ملفوظات صوبیدار عبد الرشید مطبوعہ صفحہ نمبر ۱۸)

توضیح ملفوظ:-

بہتر یہ ہے کہ جس وقت آیتِ سجدہ کی تلاوت کی جائے اسی وقت سجدہ تلاوت ادا کر لیا جائے، فقہاءِ کرام نے کسی عذر کے بغیر سجدۂ تلاوت کو مؤخر کرنے کو مکروہِ تنزیہی (ناپسندیدہ) قرار دیا ہے، البتہ اگر کسی وجہ سے آیتِ سجدہ پڑھنے کے ساتھ سجدہ تلاوت کرنا رہ جائے تو ایک ساتھ متعدد سجدہ تلاوت کرنا بھی درست ہے۔

اور ان سجدوں سے پہلے اس طرح نیت (دل میں ارادہ) کر لینا کافی ہو گا کہ میرے اوپر جو سجودِ تلاوت واجب ہیں وہ سجدے ادا کر رہا ہوں۔

واضح رہے کہ جو آیتِ سجدہ نماز کے دوران تلاوت کی جائے اس کا سجدہ نماز میں

ہی ادا کرنا ضروری ہے، نماز کے بعد ان کی قضا نہیں ہو گی، مذکورہ حکم نماز سے باہر تلاوت کی گئی آیاتِ سجدہ سے متعلق ہے۔

”(وهي على التراخي) على المختار ويكره تأخيرها تنزيها, ويكفيه أن يسجد عدد ما عليه بلا تعيين ويكون مؤديا وتسقط بالحيض والردة (إن لم تكن صلوية) فعلى الفور لصيرورتها جزءاً منها۔

(الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین، رد المحتار، ۲/۱۰۹)

ترجمہ: اور سجدۂ تلاوت کا فوراً کرنا ضروری نہیں مختار قول کے مطابق اس میں تاخیر کی گنجائش ہے اگرچہ بلا عذر تاخیر کرنا مکروہ تنزیہی ہے اور اگر کسی کے ذِمّہ کئی سجدے ہوں تو بغیر تعین سب کا ایک ساتھ ادا کر لینا بھی کافی ہے اور اس طرح وہ ادا کرنے والا شمار ہو گا اور حیض وار تداد کی حالت میں یہ سجدے ساقط ہو جاتے ہیں اور اگر وہ نماز کے اندر نہ ہوں تو سجدۂ تلاوت فوراً کرنا لازم نہیں لیکن اگر نماز کے اندر ہو جائے تو فوراً لازم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ نماز کا حصّہ بن جاتا ہے۔

سجدہ تلاوت کا مسنون طریقہ:-

جب سجدۂ تلاوت کرنے لگے تو سجدۂ تلاوت کی نیت دل میں کرے اور زبان سے بھی کہہ لینا بہتر ہے، نويت أن أسجد لله تعالى عن تلاوة القران (اردو میں یوں کہے کہ اللہ تعالیٰ کے واسطہ سجدۂ تلاوت کرتا ہوں) اور کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھائے بغیر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں جائے اور کم سے کم تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدے سے سر اٹھائے اور کھڑا ہو جائے، سجدۂ تلاوت میں تشہد پڑھنے اور سلام پھیرنے کی ضرورت نہیں، اگر بیٹھ کر اللہ اکبر کہتا ہوا سجدہ میں چلا جائے اور سجدہ کے بعد اللہ اکبر کہتا ہوا سجدے سے سر اٹھائے اور بیٹھ جائے کھڑا نہ ہو تب بھی درست ہے، لیکن کھڑا ہو کر سجدہ میں جانا اور پھر کھڑا ہو جانا افضل ہے۔ اگر نماز میں آیتِ تلاوت کے بعد فی الفور سجدۂ تلاوت کرے تو نیت ضروری نہیں ہے۔

ضعیف اور شہید قرآن پاک کے بارے میں حکم۔

ضعیف اور شہید قرآن پاک کے بارے میں بات چلی تو آپ نے فرمایا کہ قبرستان میں علیحدہ قبر میں دفن کر دیں، (عبدالوہاب) میں نے عرض کی حضور کیا دریا میں ڈال سکتے ہیں؟ فرمایا کہ قبر میں دفن کرنا زیادہ بہتر ہے اور فرمایا کہ اس طرح بھی کر سکتے ہیں کہ جب کوئی مسلمان میت کو دفن کر دیں تو اندر لحد اینٹوں وغیرہ سے چھپانے کے بعد (مردے کے ساتھ نہیں بلکہ مکمل میت کو چھپانے کے بعد سرہانے کی طرف) اوپر کچھ رکھ دیں یہ بھی صحیح ہے اسکا مسلمان میت کو بھی فائدہ ہو گا۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۹۴)

توضیح:-

علامہ شامی علیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”والدفن أحسن كما في الأنبياء والأولياء إذا ماتوا، وكذا جميع الكتب إذا بليت وخرجت عن الإنتفاع بها اه: يعني أن الدفن ليس فيه إخلال بالتعظيم، لأن أفضل الناس يدفنون، وفي الذخيرة: المصحف إذا صار خلقاً وتعذر القراءة منه لا يحرق بالنار، إليه أشار محمد وبه نأخذ، ولا يكره دفنه، وينبغي أن يلف بخرقة طاهرة ويلحد له لأنه لو شق ودفن يحتاج إلى إهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف وإن شاء غسله بالماء أو وضعه في موضع طاهر لا تصل إليه يد محدث ولا غبار ولا قذر تعظيماً لكلام الله عزوجل اه“

یعنی ان مقدس اوراق کو دفن کرنا زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ انبیاء اور اولیاء کو انتقال کے بعد دفن کرنا زیادہ بہتر ہے اور اسی طرح تمام کتابوں کا حکم ہے، جب وہ بوسیدہ ہو جائیں اور ان سے نفع حاصل نہ کیا جا سکے۔ یعنی ان کتابوں کو دفن کرنے میں ان کی تعظیم میں کوئی خلل نہیں ہوتا، اس وجہ سے کہ افضل لوگوں کو بھی دفن ہی کیا جاتا ہے اور ذخیرہ میں ہے کہ مصحف جب قابل استعمال نہ رہے اور اس سے پڑھنا متعذر ہو جائے تو اس کو آگ سے

نہ جلایا جائے، اسی کی طرف امام محمد نے اشارہ کیا ہے اور اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں، اس کو دفن کرنا مکروہ نہیں ہے، البتہ مناسب یہ ہے کہ اس کو ایک پاک کپڑے میں لپیٹا جائے اور اس کے لیے لحد بنائی جائے، اس وجہ سے کہ اگر اس کے لیے شق (سیدھی قبر) بنائی گئی اور اس میں دفن کیا گیا تو اس پر مٹی ڈالنے کی طرف بھی محتاجی ہو گی اور اس میں ایک قسم کی تحقیر ہے، الّا یہ کہ اس کے اوپر چھت بنادی جائے اور اگر چاہے تو اس کو پانی سے دھو دے یا اس کو کسی ایسی پاک جگہ پر رکھے، جہاں بے وضو بے غسل کا ہاتھ، گرد و غبار اور گندگی نہ پہنچے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔

(الدر المختار مع رد المحتار، جلد ۰۹، ص ۶۹۶، مطبوعہ پشاور)

کتب فقہ میں پانی میں بہانے کے بارے میں بھی وارد ہے لیکن موجودہ زمانے میں چوں کہ قرآنِ مجید کے اوراق پرنٹڈ ہوتے ہیں، پانی میں بہانے کے باوجود لکھائی نہیں مٹتی؛ اس لیے پانی میں بہانے سے گریز کیا جائے، اگر دفنانے کی کوئی صورت نہ ہو اور پانی میں بہانا ہو تو اس کی بہتر صورت یہ ہے کہ قرآنی ضعیف و شہید اوراق کے ساتھ کوئی وزنی شے باندھ دی جائے اور اسے بہتے ہوئے گہرے پانی میں یا کنویں کی تہہ میں احترام کے ساتھ پہنچا دیا جائے، خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی ضعیف و شہید اوراق کو دفن کرنا زیادہ بہتر ہے۔

☜ قرآن کریم دیکھ کر پڑھنا افضل ہے یا کہ زبانی؟

دربار شریف میں میاں جی سے آپ نے پوچھا (میاں جی قرآن مجید سے دیکھ کر سورۃ یٰسین شریف پڑھ رہے تھے) کہ آپ کو یٰسین شریف زبانی یاد نہیں؟ میاں جی نے عرض کی کہ حضور یاد ہے لیکن پڑھتے پڑھتے آیتیں بھول جاتا ہوں اور کسی اور جگہ پہنچ جاتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ دیکھ کر پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے ایک تو تلاوت ہو جاتی ہے اور ایک مصحف شریف کی زیارت بھی نصیب ہوتی ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۶۷)

توضیح ملفوظ:-

جس طرح کہ مشکوۃ شریف میں حدیث مبارکہ میں مذکور ہے

وعن عثمان بن عبد الله بن أوس الثقفي عن جده قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : "قراءة الرجل القرآن في غير المصحف ألف درجة وقراءته في المصحف تضعف على ذلك إلى ألفي درجة ۔" رواه البيهقي في شعب الإيمان (مشکوۃ شریف، جلد دوم، فضائل قرآن کا بیان، حدیث نمبر ۶۷۷)

حضرت عثمان بن عبد اللہ بن اوس ثقفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے دادا (حضرت اوس) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا بغیر مصحف (یعنی زبانی) قرآن پڑھنا ہزار درجہ ثواب رکھتا ہے اور مصحف میں (دیکھ کر) پڑھنے کا ثواب بغیر مصحف (یعنی زبانی) پڑھنے کے ثواب سے دو ہزار درجہ تک زیادہ کیا جاتا ہے۔

اور اس میں ثواب کی زیادتی کی وجہ یہ ہے کہ مصحف میں دیکھ کر کی جانے والی تلاوت میں غور و فکر اور خشوع و خضوع زیادہ حاصل ہوتا ہے ایک تو مصحف شریف کی زیارت نصیب ہوتی ہے اور مصحف کو ہاتھ لگایا جاتا ہے اسے اوپر اٹھایا جاتا ہے اس طرح نہ صرف یہ کہ قرآن کریم کی عظمت و احترام کا اظہار ہوتا ہے بلکہ جیسا کہ منقول ہے کہ قرآن کریم کی زیارت بھی عبادت ہے چنانچہ اکثر صحابہ و تابعین مصحف میں دیکھ کر ہی تلاوت کیا کرتے تھے۔

☜ قبرستان میں تلاوت کرنا:-

میں (راقم ملفوظات عبد الوہاب) نے نماز عصر کے بعد زیارت شریف کے سامنے عرض کیا حضور یہاں مزار شریف کے سامنے قدموں مبارک کی جانب قرآن پاک لے کر تلاوت کر سکتے ہیں۔ فرمایا! ہاں کر سکتے ہیں۔ لیکن اس طرف یا اس طرف ایک سائیڈ پر بیٹھیں تو اچھا اور بہتر ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ عام قبرستان میں رشتہ داروں کی قبروں پر۔ فرمایا! جائز ہے، ٹھیک ہے اب قبرستان میں کسی کا سر ہو گا تو کسی کے پاؤں۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۴۳)

توضیح ملفوظ:-

واضح رہے کہ قبرستان میں تلاوتِ قرآنِ پاک کے بارے میں فقہائے کرام نے احادیث کی روشنی میں فرمایا ہے کہ قبرستان میں قرآنِ پاک کی تلاوت کرنا جائز ہے، اور جس میّت کے ایصالِ ثواب کے لیے تلاوت کی جائے، اسے اس کا نفع پہنچتا ہے۔

شرح الصدور میں ہے:

"وأخرج عبد العزيز صاحب الخلال بسنده عن أنس رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من دخل المقابر فقرأ سورة يس خفف الله عنهم و كان له بعدد من فيها حسنات."

ترجمہ: عبد العزیز صاحبِ خَلّال نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "جو شخص قبرستان میں داخل ہو اور سورۂ یٰسین کی تلاوت کرے، اللہ تعالیٰ اہلِ قبور پر تخفیف فرماتا ہے، اور تلاوت کرنے والے کو قبرستان میں موجود ہر فرد کی تعداد کے برابر نیکیاں عطا کی جاتی ہیں۔"

(فصل: فی نبذ من أخبار من رأی الموتی فی منامہ، ص: ۳۰۴، دار المعرفۃ، لبنان)

بذل المجہود میں ہے:

"وذهب بعض إلى أنه يقرأ عليه عند القبر، ويؤيده خبر ابن عدي وغيره: من زار قبر والديه أو أحدهما في كل جمعة فقرأ عندهما يس، غفر له بعدد كل حرف منها."

ترجمہ: بعض اہلِ علم کا قول ہے کہ قبر کے پاس قرآن پڑھا جانا چاہیے۔ اسے ابنِ عدی وغیرہ کی حدیث سے تقویت ملتی ہے کہ: "جو شخص ہر جمعہ کو اپنے والدین یا ان میں سے کسی ایک کی قبر کی زیارت کرے اور وہاں سورۂ یٰسین کی تلاوت کرے، اس کے ہر حرف کے بدلے اسے مغفرت عطا کی جاتی ہے۔"

(کتاب الجنائز، باب الجلوس عند المصیبۃ، ج ۱۰، ص ۳۸۷، الدراسات الإسلامیۃ، الہند)

شرح الفقہ الأکبر میں ہے:

”ثم القراءة عند القبور مكروهة عند أبي حنيفة ومالك وأحمد رحمهم الله في رواية؛ لأنه محدث لم ترد به السنة، وقال محمد بن الحسن وأحمد في رواية: لا يكره، لما روى عن ابن عمر رضى الله عنه أنه أوصى أن يقرأ على قبره وقت الدفن بفواتح سورة البقرة وخواتمها والله سبحانه وتعالى أعلم.“

ترجمہ: ”قبر کے پاس تلاوتِ قرآن ایک روایت کے مطابق امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک مکروہ ہے، کیونکہ یہ ایسا عمل ہے جس کی اصل سنت میں صراحتاً نہیں ملتی۔ لیکن امام محمد بن حسن شیبانی اور امام احمد کی دوسری روایت کے مطابق یہ مکروہ نہیں، کیونکہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کے دفن کے وقت قبر پر سورۂ بقرہ کی ابتدائی اور آخری آیات پڑھی جائیں۔“ (شرح الفقہ الاکبر الدعاء للمیت ینفع، ص۲۲۴، دار الکتب العلمیۃ)

حاشیۃ الطحطاوی میں ہے:

”قوله: 'ويستحب للزائر قراءة سورة يس' بعد أن يقعد لتأدية القرآن على الوجه المطلوب بالسكينة والتدبر والاتعاظ، وفي السراج: ويستحب أن يقرأ على القبر بعد الدفن أول سورة البقرة وخاتمتها اهـ.... وأخذ من ذلك جواز القراءة على القبر... وقال محمد: تستحب؛ لورود الآثار، وهو المذهب المختار كما صرحوا به في كتاب الاستحسان.“

ترجمہ: ”زائر کے لیے سورۂ یٰسین پڑھنا مستحب ہے، اس شرط کے ساتھ کہ بیٹھ کر سکون، تدبر اور نصیحت کے جذبے سے تلاوت کرے۔“

اور ”السراج“ میں ہے کہ دفن کے بعد قبر پر سورۂ بقرہ کی ابتدا اور انتہا پڑھنا مستحب ہے۔

اسی سے قبر پر تلاوت کرنے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

امام محمد نے فرمایا کہ "یہ مستحب ہے، کیونکہ اس بارے میں آثار وارد ہوئے ہیں، اور یہی مذہبِ مختار ہے۔" (کتاب الصلاۃ، باب أحکام الجنائز، ص۶۲۱، دار الکتب العلمیۃ)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"والأفضل الدفن فی المقبرۃ التی فیها قبور الصالحین، ویستحب إذا دفن المیت أن یجلسوا ساعۃ عند القبر بعد الفراغ بقدر ما ینحر جزور ویقسم لحمها، یتلون القرآن ویدعون للمیت، كذا فی الجوهرۃ النیرۃ. قراءۃ القرآن عند القبور عند محمد رحمه الله تعالی لا تكرہ، ومشایخنا رحمهم الله تعالی أخذوا بقوله وهل ینتفع والمختار أنه ینتفع، هكذا فی المضمرات."

ترجمہ: "بہتر ہے کہ میت کو ایسے قبرستان میں دفن کیا جائے جہاں صالحین کی قبریں ہوں۔ اور مستحب ہے کہ دفن کے بعد لوگ اتنی دیر قبر کے پاس بیٹھیں جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح ہو کر اس کا گوشت تقسیم ہو جائے، اور اس دوران قرآن کی تلاوت کریں اور میت کے لیے دعا کریں۔ امام محمد کے نزدیک قبر پر قرآن پڑھنا مکروہ نہیں، اور ہمارے مشائخ نے بھی ان کے قول کو اختیار کیا ہے۔ اور یہ بھی مختار قول ہے کہ میت کو اس کا نفع پہنچتا ہے۔" (کتاب الصلاۃ، الفصل السادس، ج۱، ص۱۶۶، دار الفکر)

فتاویٰ شامی میں ہے:

"ولا یكرہ الجلوس للقراءۃ علی القبر فی المختار؛ لتأدیۃ القراءۃ علی الوجه المطلوب بالسكینۃ والتدبر والاتعاظ."

ترجمہ: "اور مختار قول یہ ہے کہ قبر پر بیٹھ کر تلاوت کرنا مکروہ نہیں، کیونکہ تلاوت سکون، غور و فکر اور نصیحت کے پہلو کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔"

(کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ الجنائز، ج۲، ص۲۴۶، مطبوعہ سعید)

محیط برہانی میں ہے: "قراءۃ القرآن فی القبور عند ابی حنیفۃ رضی الله عنه تكرہ وعند محمد لا تكرہ قال صدر الشهید رحمه الله: ومشائخنا

اخذوا بقول محمد و حکی عن الشیخ الامام الجلیل ابی بکر محمد بن الفضل البخاری رحمہ اللہ: ان القراءۃ علی المقابر اذا اخفی ولم یجھر لا تکرہ ولا باس بہ وانما کرہ قراءۃ القرآن فی المقبرۃ جھرا و اما المخافتۃ فلا باس بہ وان ختم وقیل ان نوی ان یؤنسہ بصوتہ یقرا۔"

ترجمہ:"امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قبرستان میں قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مکروہ نہیں۔ صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ہمارے مشائخ نے امام محمد علیہ الرحمۃ کے قول کو لیا ہے اور شیخ امام جلیل ابو بکر محمد بن فضل بخاری رحمہ اللہ سے حکایت کیا گیا ہے کہ قبرستان میں قراءت کرنا آہستہ آواز سے ہو، اونچی آواز سے نہ ہو، تو مکروہ نہیں اور اس میں حرج نہیں اور مکروہ محض اس وقت ہو گا کہ جب قبرستان میں اونچی آواز سے تلاوت کی جائے، آہستہ پڑھنے میں حرج نہیں، اگرچہ مکمل قرآن کریم پڑھا جائے اور کہا گیا کہ قرآن کریم پڑھنے کی آواز سے میت کو مانوس کرنے کی نیت ہو، تو قرآن کریم پڑھ سکتا ہے۔"

(المحیط البرھانی، ج۵، ص۳۱۱، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

ایک اور مقام پہ فرماتے ہیں:"ان قراءۃ القرآن فی المقبرۃ ھل تکرہ؟ المختار انہ لا تکرہ۔"

ترجمہ: کیا قبرستان میں قراءتِ قرآن مکروہ ہے؟ مختار یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے۔

(المحیط البرھانی، ج۵، ص۴۰۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اس میں یہ احتیاط کی جائے کہ تلاوتِ قرآن کے وقت کسی قبر پر پاؤں نہ رکھے یا کسی قبر پر نہ بیٹھے۔ چنانچہ البنایہ شرح ہدایہ میں ہے:"لا باس بقراءۃ القرآن عند القبور ولکن لا یجلس علی القبر۔"

ترجمہ:"قبروں کے پاس قرآن کریم پڑھنے میں حرج نہیں، لیکن وہ قبر پر نہ بیٹھے۔"

(البنایۃ شرح الھدایہ، ج۳، ص۲۶۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

نتیجہ: قرآن کی تلاوت قبرستان میں جائز اور مستحب ہے، بشرطیکہ قبور کا احترام

اور قرآن مجید کا ادب واحترام ہمیشہ برقرار رکھا جائے۔

زمین پر اللہ کا خلیفہ:-

آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا ہونے سے قبل خلیفۃ اللہ کا خطاب دیا کہ میں زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے والا ہوں، فرشتوں نے کہا کہ وہ فساد کریں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا! کہ میں جو کچھ جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ پھر حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا! اور "نفخت فیہ من روحی"، یعنی حیات کی اپنی صفت اس میں ڈال دی، حضرت آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے الحمد للہ کہا، اللہ تعالیٰ نے سب علم اس کو عطا فرمایا، سب چیزوں کے نام اور پہچان بتائی، پھر فرشتوں سے پوچھا، انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا اور عاجزی کی اور جب حضرت آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو انہوں نے سب اسماء فرشتوں کو بتادیئے، تو انہوں نے پاکی بیان کی۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۱۱۳، ۱۱۴)

توضیح ملفوظ:-

خلیفہ سے مراد حضرت آدم (علیہ السلام) ہیں؛ کیونکہ وہ احکام الٰہیہ اور ضوابط کے اجراء اور بندوں کی ہدایت اور انہیں اللہ کی طرف دعوت دینے اور مراتب قرب پر فائز کرانے کیلئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ تھے، ان کے خلیفہ بنانے کی یہ وجہ نہ تھی، کہ خدا تعالیٰ کو ان کی حاجت تھی، وہ تو غنی اور بے نیاز ہے، اسے کسی شیئے کی بھی حاجت نہیں، بلکہ وجہ یہ ہے کہ حضرت آدم (علیہ السلام) جن لوگوں کے لئے خلیفہ بنائے گئے وہ حق تعالیٰ سے بلاواسطہ مستفیض نہیں ہوسکتے تھے، اور نہ اس کے اوامر و نواہی کو بلاواسطہ و وسیلہ حاصل کرسکتے تھے، اس لیے حضرتِ آدم علیہ السلام کو زمین میں اپنا جانشین و خلیفہ بنایا، یہ خلیفۃ اللہ بلاواسطہ اللہ تعالیٰ سے اس کے احکام معلوم کرتے اور پھر ان کو دنیا میں نافذ کرتے ہیں یہ سلسلہ خلافت و نیابت الٰہیہ کا آدم (علیہ السلام) سے شروع ہوکر خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تک ایک ہی انداز میں چلتا رہا یہاں تک کہ حضرت خاتم الانبیاء (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے آخری خلیفہ ہوکر بہت ہی اہم خصوصیات کے ساتھ تشریف لائے۔

حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہی آیات کو موضوع سخن بنایا ہے کہ اللہ کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا کہ "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٣٠﴾

(سورہ البقرہ آیت نمبر ۳۰)

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو انہوں نے عرض کیا: کیا تو زمین میں اسے نائب بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا حالانکہ ہم تیری حمد کرتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا: بیشک میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰئِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن طِينٍ ﴿٧١﴾ فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٧٢﴾ فَسَجَدَ الْمَلَٰئِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں مٹی سے انسان بناؤں گا۔ پھر جب میں اسے ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی طرف کی روح پھونکوں تو تم اس کے لیے سجدے میں گرنا۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَٰئِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ (البقرہ:۳۱)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھا دیے پھر ان سب اشیاء کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا: اگر تم سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔

پھر حضرت آدم عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کی تخلیق کے بعد انہیں تمام چیزوں کے نام سکھا دیے اور پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کر کے فرمایا کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ تم ہی خلافت کے مستحق ہو تو ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ فرشتوں نے یہ سن کر عرض کی: قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٣٢﴾

(البقرہ:۳۲)

ترجمہ: (فرشتوں نے) عرض کی: (اے اللہ!) تو پاک ہے۔ ہمیں تو صرف اتنا علم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھادیا، بے شک تو ہی علم والا، حکمت والا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام سے فرمایا: اے آدم! تم انہیں ان تمام اشیاء کے نام بتادو!

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ غَیۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا کُنۡتُمۡ تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ (البقرہ:۳۳)

ترجمہ: (پھر اللہ نے) فرمایا: اے آدم! تم انہیں ان اشیاء کے نام بتادو۔ تو جب آدم نے انہیں ان اشیاء کے نام بتادیئے تو (اللہ نے) فرمایا: (اے فرشتو!) کیا میں نے تمہیں نہ کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی چیزیں جانتا ہوں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

قرآن کریم واہل بیت کو تھامے رکھو:-

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ سرکار دوعالم رحمت کائنات صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ تا ہوں، ایک قرآن پاک اور دوسری اہل بیت علیہم الرضوان جس نے ان دونوں کو تھام لیا وہ کامیاب ہوا، حضور پاک صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! کہ میری اہل بیت علیہم الرضوان کی مثال کشتیٔ نوح کی طرح ہے جو اس میں سوار ہوا کامیاب ہوا اور جو رہ گیا غرق ہوا، پھر آپ جناب نے فرمایا، اہل بیت کی محبت فرض ہے، اہل بیت کرام علیہم الرضوان کی محبت، حضور پاک صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی محبت ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۲)

توضیح ملفوظ:-

حدیث مبارکہ میں ہے سرکارِ دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا! عَنۡ جَابِرِ بۡنِ عَبۡدِاللہ رضی اللہ عنہما، قَالَ: رَأَیۡتُ رَسُولَ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِی حَجَّتِهِ یَوۡمَ عَرَفَةَ، وَهُوَ عَلَی نَاقَتِهِ الۡقَصۡوَاءِ یَخۡطُبُ، فَسَمِعۡتُهُ یَقُولُ: یَاأَیُّهَا النَّاسُ!

إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ أَخَذْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا: كِتَابَ اللهِ، وَعِتْرَتِي أَهْلَ بَيْتِي۔ رواه الترمذي والطبراني۔ وقال أبو عيسى: هذا حديث حسن۔

(ترمذی شریف، حدیث نمبر ۳۷۸۶)

''حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو حجۃ الوداع کے موقع پر عرفہ کے دن اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ دیتے ہوئے دیکھا۔ میں نے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! میں نے تمہارے درمیان ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ اگر تم انہیں پکڑے رکھو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ وہ اللہ کی کتاب اور میرے اہلِ بیت ہیں۔''

اور دوسری جگہ اہل بیت کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا ''وعن أبي ذر أنه قال وهو آخذ بباب الكعبة: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: ''ألا إن مثل أهل بيتي فيكم مثل سفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف عنها هلك۔''

(احمد) (مشکوۃ شریف، نبی کریم ﷺ کے گھر والوں کے مناقب کا بیان۔ حدیث ۸۲۱)

اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) انہوں نے کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر یوں بیان کیا میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''یاد رکھو، تمہارے حق میں میرے اہل بیت کی وہی اہمیت ہے جو نوح کی کشتی میں سوار ہو گیا اس نے نجات پالی اور جو شخص اس کشتی میں سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا۔''

(مسند الشھاب، حدیث نمبر ۱۳۴۵) (معجم الصغیر الطبرانی کتاب المناقب، حدیث نمبر ۸۶۸)

مطلب یہ کہ جس طرح طوفان نوح کے وقت وہی شخص زندہ سلامت بچا اور اس دنیا میں باقی رہا جو نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو گیا تھا اور جو کشتی میں سوار نہیں ہوا وہ ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکا، طوفان کی بلاخیز موجوں نے اس کا نام ونشان تک مٹا کر رکھ دیا ٹھیک اسی طرح اُمّت محمدیہ کے حق میں اہل بیت محمد ﷺ ایک ایسی پناہ گاہ ہیں کہ جو شخص ان کے دامان عاطفت سے وابستہ ہو گیا، جس نے ان کے اکرام واحترام اور ان کی

محبت و متابعت کو لازم پکڑ لیا اس نے دارین میں نجات پالی، اور جو شخص ان کے دامن محبت و متابعت سے وابستہ نہیں ہو سکا وہ دونوں جہاں میں ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکتا خواہ وہ کتنا مال لٹا دے، کیسی ہی عزت و جاہ کا سہارا لے لے، کتنی بڑی طاقت سے اپنے آپ کو وابستہ کر لے پس آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے گویا دنیا اور دنیا کی چیزوں یعنی یہاں کی فریب کاریوں، کفر و شرک کی گمراہوں، بدعات و جہالت کے اندھیروں اور فاسد و بیہودہ خواہشات و آرزوؤں کو ایسے گہرے اور بپھرے ہوئے سمندر سے مشابہت دی جس کی سطح پر تہ در تہ موجوں کی بلاخیزی ہو اس کے اوپر فضا میں گھنے اور کالے بادلوں کا جماؤ ہو، چاروں طرف تاریکی ہو اور سمندر نے ساری آبادیوں اور زمینوں کو گھیر رکھا ہو، اور پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے آگاہ کیا کہ اس سمندر کی بلاخیزی اور ہلاکت آمیزی سے وہی شخص زندہ سلامت بچ سکتا ہے، نجات پا سکتا ہے جو میرے اہل بیت کی محبت کی کشتی میں سوار ہو جائے۔

فقہ

ضروری اور فرضی علوم کے حصول کیلئے کتاب کا انتخاب:-

ایک موقع پر اس غلام (عبدالوہاب) نے عرض کیا کہ حضور علم دین کے حصول کا شوق رکھتاہوں، میرے لئے کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو آپ بچوں کو درس قرآن پاک دے رہے ہو، اسی کو جاری رکھو، یہ بڑے اجر و ثواب کا کام ہے، پھر آپ نے فرمایا کہ "بہار شریعت "کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے وہ لے لیں اور مطالعہ کریں اس میں تمام ضروری اور فرضی علوم ہیں (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۲۸)

توضیح ملفوظ:-

بہار شریعت، مولانا محمد امجد علی اعظمی کی وہ کتاب جو دَورِ حاضر کے دوسرے مصنفین کی جملہ تصانیف پر بھاری ہے۔ یہ ان کی معرکہ آرا تصنیف "بہار شریعت" ہے اس کتاب کے سبب وہ زندہ جاوید ہوئے اس کتاب میں انہوں نے فقہ حنفی کو اردو قالب میں ڈھال کر وقت کی اہم ضرورت کو پورا کیاہے اس سے فائدہ حاصل کرنے والوں میں علماء عوام دونوں شامل ہیں مصنف فقہ اسلامی اور مسائل شرعیہ کو مکمل طور پر بیس جلدوں میں سمیٹنا چاہتے تھے مگر عمر نے ساتھ نہ دیا اور سترہ حصے لکھنے کے بعد دنیائے دار فانی سے ۲ ذی قعدہ،۶ ستمبر ۱۳۶۷ھ /۱۹۴۸ء دوشنبہ کو ۱۲ بج کر ۶ منٹ پر انتقال کر گئے اور وصیت کر گئے کہ اگر میری اولاد یا تلامذہ یا علمائے اہل سنت میں سے کوئی صاحب اس کا قلیل حصہ جو باقی رہ گیاہے اس کو پورا کر دیں۔ چنانچہ ان کے شاگرد اور دیگر علماء بہار شریعت کے باقی تین حصے ۱۸، ۱۹، ۲۰ ضبط تحریر میں لاچکے ہیں جو چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ مصنف کی

وصیت کے مطابق یہ خیال رکھا گیا ہے اور اس میں یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ مسائل کے مآخذ کتب کے صفحات کے نمبر اور جلد نمبر بھی لکھ دیے ہیں تا کہ اہل علم کو مآخذ تلاش کرنے میں آسانی ہو اکثر کتب فقہ کے حوالہ جات نقل کر دیے ہیں جن پر آج کل فتوی کا مدار ہے حضرت مصنف کے طرز تحریر کو حتی الامکان بر قرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فقہی موشگافیوں اور فقہا کے قیل و قال کو چھوڑ کر صرف مفتی بہ یعنی جس پر فتوی ہے اقوال کو سادہ اور عام فہم زبان میں لکھا گیا ہے۔

منیۃ المصلی پڑھنے کی تلقین:-

جب آپ طالب علموں کو کتاب "منیۃ المصلی" پڑھا رہے تھے تو فرمایا کہ اس کتاب کا پڑھنا ہر مسلمان پر فرض (لازمی، ضروری) ہے اس کے بغیر نماز (کے مسائل) استنجا (طہارت کے مسائل) اور دوسرے مسائل نہیں سیکھ سکتے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۷)

توضیح ملفوظ:-

منیۃ المصلی کا پورا نام منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی ہے یہ فقہ حنفی کی متداول کتب میں سے ہے۔ یہ کتاب شیخ امام محمد بن محمد بن الرشید بن علی سدید الدین، الکاشغری المتوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف کردہ ہے مصنف نے اس کتاب میں صرف ان مسائل کو جمع کیا ہے جو طہارت اور نماز سے متعلق ہیں۔ اور بہت ہی آسان انداز میں مسائل کو بیان کیا ہے۔

یہ کتاب معتبر کتب حنفیہ میں سے ہے اسی وجہ سے کئی جبال العلم نے اس پر تشریحی و تعلیقی کام کیے ہیں ان میں سے صغیری کبیری مشہور شرحیں ہیں اس کی مشہور زمانہ شروحات سے حاجی خلیفہ نے اس کی کئی شروحات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے اس کی مشہور شرح ایک حلیۃ المحلی شرح منیۃ المصلی علامہ ابن امیر الحاج رحمہ اللہ المتوفی ۸۷۹ھ کی تالیف کردہ ہے اور دوسری شرح علامہ ابراھیم بن محمد حلبی المتوفی ۹۵۶ھ کی ہے جو غنیہ المستملی اور الحلبی الکبیری کے نام سے موسوم ہے۔ یہ کتاب اور اس کی درج بالا شروحات مطبوع ہیں اور افادہ عامہ کا ذریعہ ہیں۔۔ حاجی خلیفہ کشف الظنون میں لکھتے ہیں کہ ھو کتاب معروف

متداول بین الحنفیۃ علاوہ ازیں اس کے حواشی میں سے علامہ وصی احمد محدث سورتی کا حاشیہ بنام التعلیق المجلی لمافی منیۃ المصلی مرجع خاص وعام ہے۔

بغیر وضو کے سجدہ کرنا

(راقم ملفوظات عبد الوہاب کہتے ہیں کہ) میں نے بغیر وضو کے سجدہ (کرنے) کے متعلق پوچھا، تو (آپ) نے فرمایا! کہ یہ (بغیر وضو سجدہ کرنا) ٹھیک نہیں ہے، دیکھو جب اس مالک کے سامنے سجدہ ریز ہونا ہے تو اس کے کچھ آداب ہیں۔ سجدہ عاجزی کے لئے ہوتا ہے، تو وضو اور پاکی کے بغیر کیسے ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا، کہ ہم لوگ لا الہ الا اللہ کا ذکر اور درود شریف وغیرہ پڑھتے ہیں یہ اس کی مہربانی ہے کہ بغیر وضو کے اجازت دی اور قبول فرماتا ہے ورنہ اگر بغیر وضو اس (مالک کریم) کا نام نہ لے سکتے تو پھر؟ اس لئے تو بزرگان دین رحمھم اللہ ہر وقت باوضو رہتے تھے کہ بغیر وضو اس (کریم مالک) کا نام تک نہ لیں۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۳۵)

توضیح ملفوظ:۔

بغیر وضو کے سجدہ کرنا، جائز و درست نہیں کیونکہ سجدہ جزء نماز ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے بغیر وضو کسی شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک کہ وہ وضو نہ کر لے۔"

(مسلم، صحیح کتاب الطہارۃ، باب وجوب الطہارۃ للصلوٰۃ، ۱:۲۰۴، رقم:۲۲۵)

اس کے علاوہ حضرت جابر بن عبد اللہ اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب سورۃ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۸ نازل ہوئی:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ

"اس میں ایسے لوگ ہیں جو (ظاہراً و باطناً) پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ طہارت شعار لوگوں سے محبت فرماتا ہے"

تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَامَعْشَرَ الأَنْصَارِ إِنَّ اللهَ قَدْ أَثْنَى عَلَيْكُمْ فِي الطُّهُوْرِ فَمَا طُهُوْرُكُمْ؟ قَالُوْا: نَتَوَضَّأُ لِلصَّلوٰةِ وَنَغْتَسِلُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَنَسْتَنْجِي بِالْمَاءِ، قَالَ: فَهُوَ ذَاكَ فَعَلَيْكُمُوْهُ۔ (ابن ماجہ، السنن، کتاب الطہارۃ وسننہا، باب الاستنجاء بالماء، ۱:۲۰۵، رقم:۳۵۵)

”اے گروہِ انصار! اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بارے میں تمہاری تعریف کی ہے تو بتاؤ تمہاری طہارت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کی: ہم نماز کے لیے وضو کرتے ہیں، جنابت کی حالت میں غسل کرتے ہیں اور پانی سے استنجاء کرتے ہیں۔ فرمایا: یہی تو وہ بات ہے، اسے اپنے اوپر لازم رکھو۔“

مندرجہ بالا احادیث کی روشنی میں اُمّت کا اس پر اجماع ہے کہ بغیر طہارت کے نماز پڑھنا حرام ہے، خواہ وہ طہارت وضو سے حاصل کی جائے یا تیمم سے، خواہ فرض نماز پڑھنی ہو یا نفل، سجدہ تلاوت کرنا ہو یا سجدہ شکر۔ لہٰذا نماز ایک قلعہ ہے اور وضو اس کا دروازہ۔

واضح رہے کہ جن شرائط کا نماز کے لیے پایا جانا ضروری ہے، ان ہی شرائط کا سجدہ تلاوت کے لیے بھی پایا جانا ضروری ہے، جیسے بدن کا پاک ہونا، کپڑوں کا پاک ہونا، جگہ کا پاک ہونا، ستر کو چھپانا، قبلہ کی طرف رخ ہونا، باوضو ہونا، لہٰذا سجدہ تلاوت جزء نماز ہونے کی وجہ سے بغیر وضو کے ادا کرنا جائز نہیں ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔

☜ مقتدی جماعت کے لئے کب کھڑے ہوں۔

نماز مغرب کے بعد آپ مسائل بیان فرمارہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ ساجد شاہ جی گذشتہ روز میانوالی سے آئے تو بتایا کہ وہاں ایک مولوی صاحب نے کہا کہ کچھ مولویوں نے نئی بات شروع کردی ہے کہ وہ اقامت کے دوران بیٹھے ہوتے ہیں جب حی علی الفلاح کہتے ہیں تو اس وقت اٹھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ یہ نئی بات نہیں یہ حضور پاک ﷺ کی سنت مبارکہ ہے حضور سرکارِ دوعالم ﷺ حجرہ مبارک میں تشریف فرما ہوتے

جب ''حی علی الصلوۃ ہوتی تو آپ اٹھتے اور حی علی الفلاح ہوتی تو آپ حجرے سے نکل کر مسجد میں داخل ہوتے۔ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان حی علی الصلوۃ پر پر اٹھتے۔ میں نے عرض کیا کہ حضور لکی مروت میں کچھ مولوی اس مولوی کی طرح کرتے ہیں آپ نے فرمایا کہ انہیں کسی چیز کا علم ہی نہیں۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۶۳)

توضیح-:

عبد اللہ بن ابی قتادۃ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ اپنے والد گرامی حضرت ابو قتادۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **اذا اقیمت الصلاۃ فلا تقوموا حتی ترونی۔**

ترجمہ: جب اقامت کہی جائے تو اس وقت تک نہ اٹھو جب تک تم مجھے نہ دیکھ لو۔

(صحیح بخاری حدیث نمبر ۶۳۷، ۸۳۶، ۹۰۹، صحیح مسلم حدیث نمبر ۵۹۳۱، سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۹۳۵، جامع ترمذی حدیث نمبر ۲۹۵، سنن النسائی حدیث نمبر ۶۸۷، مسند احمد بن حنبل حدیث نمبر ۲۲۶۴۰، ۲۲۶۴۹، ۲۲۶۶۶، ۲۲۶۷۵، ۲۲۷۰۲)

بخاری و مسلم کی یہ صحیح حدیث اعلان کر رہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اقامت شروع ہوتے ہی کھڑے ہونے سے منع فرمایا ہے۔ حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث پاک کے تحت شرح مشکوٰۃ المصابیح میں لکھتے ہیں کہ: ''یعنی تکبیر کے وقت صف میں پہلے سے نہ کھڑے ہو جاؤ بلکہ جب مجھے حجرہ شریف سے نکلتے دیکھو تب کھڑے ہو تا کہ نماز کے قیام کے ساتھ نبی کریم ﷺ کے لئے قیام تعظیمی بھی ہو جائے، نبی کریم ﷺ ''حی علی الفلاح'' پر حجرے سے باہر جلوہ گر ہوتے تھے۔ اب بھی سنت یہی ہے کہ مقتدی صف میں بیٹھ کر تکبیر سنے ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہوں۔ (مرآۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۴۰۰)

ایک اور جگہ اسی حدیث پاک ''لاتقوموا حتی ترونی'' کے تحت لکھتے ہیں:

اس زمانہ میں طریقہ یہ تھا کہ صحابہ کرام صف بنا کر بیٹھ جاتے، نبی کریم ﷺ اپنے حجرے میں رونق افروز ہوتے، مکبر کھڑے ہو کر تکبیر شروع کرتا، جب ''حی علی الفلاح'' پر پہنچتا

تو سرکار علیہ الصلوۃ والسلام حجرے سے باہر تشریف لاتے اور صحابہ کرام کو نظر آتے، فقہاء فرماتے ہیں: کہ نمازی صف میں ''حی علی الفلاح'' پر کھڑے ہوں ان کا ماخذ یہ حدیث ہے۔
(مراٰۃ المناجیح شرح مشکوۃ المصابیح، ج۱، ص۳۹۱، مطبوعہ قادری پبلشرز اردو بازار لاھور)

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: کان اذا قال بلال: قد قامت الصلاۃ نھض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فکبر۔

ترجمہ: جب حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''قد قامت الصلاۃ'' کہتے تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم اٹھتے، پھر ''اللہ اکبر'' کہتے۔
(مسند البزار حدیث نمبر ۱۷۳۳، السنن الکبریٰ للبیہقی حدیث نمبر ۲۰۹۳)

امام قاضی عیاض بن موسی مالکی رحمۃ اللہ علیہ متوفّٰی ۵۴۴ھ لکھتے ہیں:
وروی عن انس انہ کان یقوم اذا قال المؤذن قد قامت الصلوۃ وذھب الکوفیون الی انھم یقومون فی الصف اذا قال حی علی الفلاح

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ وہ مؤذن کے قول قد قامت الصلوۃ کے وقت کھڑے ہوتے تھے اور علمائے کوفہ اسی بات پر ہیں کہ وہ صف میں مؤذن کے قول ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاح'' کے وقت کھڑے ہوتے تھے۔
(اکمال المعلم بفوائد مسلم شرح مسلم قاضی عیاض، جلد ۲ صفحہ ۵۵۷ مطبوعہ دار الوفاء بیروت)

حاشیہ ترمذی میں ہے: قولہ لا تقوموا حتی ترونی خرجت قال الشیخ فی اللمعات قال الفقھاء یقومون عند قولہ حی علی الصلاۃ ولعل ذالک عند حضور الامام ویحتمل انہ ﷺ کان یخرج عند ھذا القول الخ۔

ترجمہ: اس ''لا تقوموا'' والی حدیث مبارکہ کے بارے میں شیخ عبد الحق محدث دھلوی علیہ رحمۃ نے لمعات میں فرمایا: کہ فقہاء فرماتے ہیں: نماز کی جماعت کو شروع کرنے کے لئے حی علی الصلاۃ پر کھڑا ہونا چاہیئے اور شاید یہ حکم امام کے حاضر ہونے کے وقت کا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم حی علی الفلاح کے وقت حجرہ مقدسہ سے باہر تشریف

لاتے تھے۔

(حاشیہ ۳ جامع ترمذی جلد ا صفحہ ۶۷ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور، اشعۃ اللمعات اردو، جلد ا، صفحہ نمبر ۶۹)

امام محمد علیہ رحمتہ نے کہا: کہ لوگوں کے لئے یہی مناسب ہے کہ جب مؤذن حی علی الفلاح کہے تو کھڑے ہوں اور اپنی صفیں سیدھی کریں اور اپنے کندھوں کو کندھوں سے ملائیں۔ (مؤطا امام محمد، مترجم: صفحہ ۴۷ مطبوعہ مکتبہ حسان کراچی)

علامہ شہاب الدین بزاز کردری (متوفّی ۸۲۷ھ) لکھتے ہیں: **ودخل المسجد وھو یقیم یقعد ولا یقف قائما۔**

ترجمہ: کوئی شخص مسجد میں آیا اس حال میں کہ مؤذن تکبیر کہہ رہا ہے تو بیٹھ جائے کھڑا نہ رہے۔ (فتاوی بزازیہ بر حاشیہ عالمگیری، جلد ۴، صفحہ ۲۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صاحب تحفۃ الاحوزی لکھتے ہیں کہ "وعن ابی حنیفۃ یقومون اذا قال حی علی الفلاح۔ ترجمہ: یعنی امام اعظم ابو حنیفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے مروی ہے کہ سب لوگ حی علی الفلاح کہنے کے وقت کھڑے ہوں۔

(تحفۃ الاحوزی شرح جامع ترمذی جلد ۳، صفحہ ۱۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو الحسن علی بن خلف المالکی علیہ الرّحمہ متوفّی ۴۴۹ھ) لکھتے ہیں: **وقال ابو حنیفۃ ومحمد یقومون فی الصف اذا قال المؤذن حی علی الفلاح واذا قال قد قامت الصلوۃ کبر الامام وھو فعل اصحاب عبد اللہ والنخعی۔**

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ و امام محمد قدس سرھما فرماتے ہیں: کہ لوگ صف میں اس وقت کھڑے ہونگے جب مؤذن حی علی الفلاح کہے اور جب قد قامت الصلوۃ کہے امام تکبیر کہے اور یہ عبد اللہ اور امام نخعی کے ساتھیوں (شاگردوں) کا فعل ہے۔ (شرح ابن ابطال شرح صحیح بخاری جلد ۲، صفحہ ۳۳۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

صاحب الدر المختار فرماتے ہیں کہ "**یقوم الامام والقوم اذا قال الموذن حی علی الفلاح عند علمائنا الثلاثہ۔**"

امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں جب مؤذن حی علی الفلاح کہے۔ ہمارے

تینوں اماموں کے نزدیک یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ عنہم یہ مستحب ہے۔ (الدر المختار مع رد المختار،۱:۴۷۹)

حاشیہ شلبی علی التبیین میں ہے:"قال فی الوجیز: والسنۃ ان یقوم الامام والقوم اذا قال المؤذن حی علی الفلاح۔ ومثلہ فی المبتغی"

یعنی وجیز میں ہے: سنّت یہ ہے کہ امام اور قوم اس وقت کھڑے ہوں جب موذن حَيَّ عَلَى الْفَلَاح کہے۔ اسی بات کے مثل "المبتغی" میں ہے۔

(حاشیہ شلبی علی تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، ج۱، ص۲۸۳)

کتاب مَا لَا بُدَّ مِنْهُ میں ہے:"طریق خواندن نماز بروجہ سنت آنست کہ اذان گفتہ شود واقامت ونزد حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة امام برخیزد (ومقتدیاں نیز برخیزد)۔" نماز پڑھنے کا سنّت طریقہ یہ ہے کہ اذان و اقامت کہی جائے اور اقامت کہنے والے کے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة کے ساتھ امام کھڑا ہو (اور مقتدی بھی)۔ (مالابد منہ فارسی، ص۲۸)۔

☜ دونوں سجدے فرض، تسبیحات رکوع و سجود، فرض کی آخری رکعتوں میں سہواً سورۃ پڑھنا:-

(راقم ملفوظات عبد الوہاب چشتی صاحب لکھتے ہیں کہ!) آپ نے فرمایا کہ نماز میں ایک سجدہ کر لو تو نماز نہیں ہوتی دونوں (سجدے) فرض ہیں۔ فرمایا کہ تین (تین) بار تسبیحات رکوع اور سجدہ میں کہنا چاہیے۔ اور فرمایا کہ فرض کی آخری دو رکعتوں میں سورۃ پڑھ لو تو سجدہ سہو (لازم) نہیں آتا۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۵)

توضیح ملفوظ:-

نماز کی ہر رکعت میں دونوں سجدے فرض ہیں، اگر ایک سجدہ کسی رکعت میں چھوٹ گیا اور نماز مکمل کر لی تو نماز کا اعادہ کرنا لازم ہے، اور اگر نماز کے دوران چھوٹا ہوا سجدہ یاد آئے، اسے کر لے اور آخر میں سجدہ سہو کر لے۔ مراقی الفلاح میں مذکور ہے کہ!

"(و) یفترض (العود إلی السجود) الثانی؛ لأن السجود الثانی کالأول فرض

بإجماع الأمة۔" (مراقی الفلاح بامداد الفتاح شرح نور الایضاح ونجاۃ الأرواح، ص:۱۲۶)

دوسجدوں کی حکمت-:

اس بارے ہمارے مشائخ کے چند اقوال ہیں:(۱) دوسجدے شیطان کو رسوا کرنے کے لیے کیے گئے کیونکہ اُس نے سجدہ نہیں کیا تھا،اُسے ایک سجدے کا حکم دیا گیا تھا تواُس نے نہ کیا، توہم اُسے رسوا کرنے کے لیے دوسجدے کرتے ہیں،(۲)(فرشتوں نے) پہلا سجدہ اَمرِ الٰہی کی تعمیل میں کیااور دوسرا سجدہ شیطان کو رسوا کرنے کے لیے کیا، کیونکہ اُس نے ازراہِ تکبر سجدہ نہیں کیا تھا،(۳): پہلا سجدہ ایمان کے شکرانے کے طور پر ہے اور دوسرا ابقائے ایمان کے لیے،(۴): پہلا سجدہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیااور دوسرااس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اُنھیں اسی میں لوٹایا جائے گا۔(۵) قول یہ ہے:جب ذُرّیتِ آدم سے میثاقِ توحید لیا گیاتوانہیں سجدہ کرنے کا حکم ہوا تاکہ قول و فعل میں مطابقت ہو جائے،توسب مسلمانوں نے سجدہ کیااور کُفار سجدے میں نہ گئے،توجب مسلمانوں نے سجدے سے اپنے سر اٹھائے اور دیکھا کہ کُفّار نے سجدہ نہیں کیا،توانہوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر اداکرتے ہوئے دوبارہ سجدہ کیا، جیسا کہ شیخ الاسلام نے ذکر کیاہے۔" (البحر الرائق، جلد۱، ص:۳۱۰)

علامہ حسن بن عمار بن علی الشر نبلالی لکھتے ہیں: ترجمہ:"سجدوں کی تکرار کی حکمت کے بارے میں ایک قول یہ ہے: تعبدی ہے، ایک قول یہ ہے: دوسجدے شیطان کو رسوا کرنے کے لیے کیے گئے کیونکہ اُس نے سجدہ نہیں کیا تھا اور ایک قول یہ ہے: جب ذُرّیتِ آدم سے میثاقِ توحید لیا گیاتو انھیں سجدہ کرنے کا حکم ہوا، تاکہ قول و فعل میں مطابقت ہو جائے،توسب مسلمانوں نے سجدہ کیااور کُفار سجدے میں نہ گئے،توجب مسلمانوں نے سجدے سے اپنے سر اٹھائے اور دیکھا کہ کُفّار نے سجدہ نہیں کیا،توانھوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر اداکرتے ہوئے حکمِ الٰہی کی تعمیل میں دوبارہ سجدہ کیا۔"

(مراقی الفلاح شرح نورالایضاح، ص:۸۸)

امام اہلسنّت امام احمد رضا قادری ؒلکھتے ہیں: ’’مبسوط امام شیخ الاسلام پھر حلیۃ میں دونوں سجدے فرض ہونے کی حکمت بیان فرمائی: ’’یہ اس بناء پر ہے جو روایات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب اولادِ آدم علیہ الصلاۃ والسلام سے عہد لیا جس کا ذکر اللہ نے اس آیت میں کیا ہے: ’’اور یاد کرو اس وقت کو جب اے حبیب! آپ کے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں میں ان کی اولاد سے عہد لیا، ‘‘تو انہیں بطور تصدیق سجدے کا حکم دیا تو اللہ کے حکم پر تمام مسلمان سجدہ ریز ہو گئے، لیکن کافر کھڑے محروم رہ گئے، جب مسلمانوں نے سجدے سے سر اُٹھایا اور دیکھا کہ کفار نے سجدہ نہیں کیا تو وہ دوبارہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے سجدہ ریز ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں سجدۂ اوّل کی توفیق دی، لہٰذا نماز میں دو سجدے فرض ولازم ہو گئے اور رکوع ایک ہی رہا۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد ۶، ص:۱۷۳)

مسئلہ-: نماز کے رکوع اور سجدہ میں کم از کم تین مرتبہ تسبیحات کہنا سنت ہے۔

پھر اگر انفرادی نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی مرتبہ چاہے تسبیح پڑھ سکتا ہے، البتہ مستحب یہ ہے کہ طاق عدد میں پڑھے اور عمومی احوال میں امام کے لیے مستحب یہ ہے کہ پانچ مرتبہ کہے؛ تاکہ مقتدی تین مرتبہ سہولت سے کہہ سکیں۔

مسئلہ-: اگر فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد قصداً یا سہواً کوئی سورۃ پڑھ لی تو سجدۂ سہو واجب نہیں۔ علامہ نظام الدین رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ترجمہ: ’’اگر (فرض کی) آخری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ اور (دوسری کوئی) سورۃ پڑھی تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہو گا اور یہی صحیح ترین قول ہے اور اگر رکوع یا سجود یا تشہُد میں قرآن پڑھا، تو سجدۂ سہو لازم ہے اور یہ اُس وقت ہے کہ جب (التّحیّات میں) ابتداً قراءت سے کی اور پھر تشہُد پڑھی ہو اور اگر پہلے التّحیات پڑھی اور پھر قراءت کی تو اُس پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہے، جیسا کہ ’’محیط السرخسی‘‘ میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، جلد ۱، ص:۱۲۶)

چار رکعت والی فرض نماز کی آخری دو رکعتوں میں اور مغرب کی تیسری رکعت میں سورۃ فاتحہ پر اکتفاء کرنا سنت ہے سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ نہ ملانا سنت ہے اگر سورۃ

ملادی تو سجدہ سہو واجب نہیں ہو گا تاہم اس کی عادت بنالینا خلاف اولیٰ اور غیر مناسب ہے۔

-:مساجد میں لائٹیں جلانا-:

آج اس غلام (عبدالوہاب چشتی اعظمی) نے اکثر لوگوں کے فارغ ہونے کے بعد کچھ لائٹیں بجھادیں تو مغرب کے نوافل ادا کرنے کے بعد حضور (زبدۃ المشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا! کہ مسجد میں بتیاں جلانے کا بہت ثواب ہے۔ جو شخص مسجد میں آکر بتیاں جلاتا ہے جتنے نمازی مسجد میں نماز پڑھنے آتے ہیں اس کو ان سب جتنا ثواب ملتا ہے۔ پھر فرمایا! آپ لوگ ابھی پوری طرح لوگوں نے نماز نہیں پڑھی ہوتی اور لوگ نکلے نہیں ہوتے کہ بتیاں بجھادیتے ہو۔ جلائے رکھو۔ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جہاں اتنا بوجھ بجلی کے بل کا آتا ہے ادھر یہ بھی سہی۔

توضیح ملفوظ-:

مسجد میں روشنی کرنا، چراغ جلانا، لگانا، باعث برکت ہے سرکار دو عالم ﷺ نے چراغ لگانے والے کو دعادی ہے، روایات ملاحظہ فرمائیں!

عن ميمونة مولاة النبي صلى الله عليه وسلم، انها قالت: يا رسول الله، افتنا في بيت المقدس، فقال: " ائتوه فصلوا فيه، وكانت البلاد إذ ذاك حربا، فإن لم تأتوه وتصلوا فيه، فابعثوا بزيت يسرج في قناديله۔" (سنن ابی داؤد حدیث نمبر ۴۵۷)

نبی اکرم ﷺ کی آزاد کردہ لونڈی میمونہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: اللہ کے رسول! آپ بیت المقدس کے سلسلے میں ہمیں حکم دیجیے تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم وہاں جاؤ اور اس میں نماز پڑھو"، اس زمانے میں ان شہروں میں لڑائی پھیلی ہوئی تھی، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر تم وہاں نہ جاسکو اور نماز نہ پڑھ سکو تو تیل ہی بھیج دو کہ اس کی قندیلوں میں جلایا جاسکے۔"

احادیث مبارکہ اور کتب تاریخ کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسجد

نبوی میں سب سے پہلے روشنی کرنے والے صحابیٔ رسول حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ ہے۔ سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ عن ابی سعید الخدری قال اوّل من اَسْرَجَ فی المساجد تمیم الداری۔ (سنن ابن ماجہ، حدیث نمبر ۷۶۱)

ترجمہ: ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ سب سے پہلے تمیم دارمی رضی اللہ عنہ نے مسجدوں میں چراغ جلایا تھا۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی بعض مؤرخین نے نقل کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں عن أبي هند الداري عن أبي هِندٍ قال: حمَلَ تميمُ الدّاريُّ معهُ من الشّامِ إلى المدينةِ قناديلَ وزيتًا ومُقطًا، فلمّا انتهى إلى المدينةِ وافق ذلكَ يومَ الجُمعةِ فأمرَ غلامًا له يقالُ له أبو البرّادِ فقامَ فشدَّ المُقطَ وهو بضمّ الميمِ وسكونِ القافِ وهو الحَبلُ وعلَّقَ القناديلَ وصبَّ فيها الماءَ والزَّيتَ وجعلَ فيها الفَتلَ، فلمّا غربتِ الشَّمسُ أسرجَها، فخرَجَ رسولُ اللهِ صلّى اللهُ عليهِ وآلِهِ وسلَّمَ إلى المسجدِ فإذا هو يَزهرُ، فقال: مَن فعلَ هذا؟ قالوا تَميمٌ يا رسولَ اللهِ، قال: نوَّرتَ الإسلامَ نوَّرَ اللهُ عليكَ في الدُّنيا والآخرَةِ، أما إنَّهُ لو كانَت لي ابنَةٌ لزوَّجتُكها، فقال نوفَلُ بن الحَرِثِ بنِ عبدِ المطَّلِبِ: لي ابنَةٌ يا رسولَ اللهِ تُسمّى أمَّ المغيرةِ بنتَ نوفلٍ، فافعَل فيها ما أردتَ، فأنكَحهُ إيّاها على المكانِ۔ (الإصابة لابن حجر العسقلانی ۴/۱۸)

ترجمہ: کتاب الصحابۃ للمدینی میں ابن قتیبہ کے حوالہ سے یہ تفصیل درج ہے:
”ابو ہند کہتے ہیں کہ تمیم داری اپنے ساتھ ملک شام سے روغن زیتون اور قندیل اور رسی (یا زنجیر) لے کر چلے جب مدینہ پہنچے تو اتفاق سے شب جمعہ تھی تمیم داری نے اپنے غلام ابو البراد کو حکم دیا وہ اٹھا رسی باندھی اور قندیل لٹکائی اس میں پانی اور زیتون کا تیل ڈالا پھر بتی لگائی پھر ابو البراد سے کہا اسے سلگاؤ چنانچہ اس نے سلگایا۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا یہ روشنی کس نے کی؟ صحابہ نے کہا تمیم نے یا رسول اللہ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا

(دعادی) نَوَّرْتَ الاسلامَ نَوّرك عليك فى الدنيا والآخرة اما انه لو كانت لى ابنة لَزَوّجتُكَها" یعنی تم نے اسلام کو روشن کر دیا اللہ تعالیٰ دارین میں تمہیں نور عطا کرے۔ سنو اگر میرے پاس کوئی بیٹی ہوتی تو ضرور تمہارا اس سے نکاح کرا دیتا۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ملاحظہ فرمائیں

عن أبي إسحاق الهمذاني قال: خرجَ عليُّ بنُ أبي طالبٍ في أوّلِ ليلةٍ من رمضانَ، فسَمِعَ القراءةَ من المساجِدِ، ورأى القَناديلَ تزهرُ، فقالَ: نوَّرَ اللهُ لعمرَ بنِ الخطّابِ قبرَهُ كما نوَّرَ مساجدَ اللهِ بالقرآنِ۔

(مسند الفاروق لابن کثیر: ۱/۱۸۷)

ترجمہ: ابو اسحاق ھمدانی سے منقول ہے: حضرت علی کرم اللہ وجہہ رمضان کی پہلی رات نکلے تو انہوں نے مسجد سے قراءت کی آواز سنی اور دیکھا کہ چراغ چمک رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابن خطاب کے لیے ان کی قبر کو منور کر دے جس طرح انہوں نے اللہ کے گھر کو قرآن پاک کے ساتھ منور کر دیا۔

خلاصۂ کلام:- مذکورہ بالا تفصیل سے یہ معلوم ہو گیا کہ روایتیں دونوں چراغ سے متعلق ہے، مگر مؤرخین نے بات لکھی ہے کہ سب سے پہلے قندیل جلانے والے تمیم داری ہی ہے، اور یہ عہد رسول میں ہوا ہے، اور نبی کریم ﷺ نے انکو دعا بھی دی ہے، اور جب دور گزرتا گیا اور عہد عمر رضی اللہ عنہ شروع ہوا اور مصلین کی تعداد میں اضافہ ہوا اور مسجد کی توسیع ہوئی اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بڑے پیمانے پر قنادیل چراغ لٹکائیں، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دعا دی، لہٰذا کوئی تعارض باقی نہ رہا۔

☜ دعا بعد از نماز جنازہ:-

میں (عبد الوہاب چشتی) نے عرض کیا کہ حضور جنازہ کے بعد دعا کھڑے ہو کر مانگے یا بیٹھ کر۔ تو (آپ نے) فرمایا کہ سوال کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر مانگنے کا نہیں۔ بلکہ صفیں توڑنا چاہیے کیونکہ صف میں (کھڑے ہو کر) اس طرح دعا مکروہ ہے۔ وہ اس لئے

کہ فقہائے کرام لکھتے ہیں کہ تاکہ (جنازے کے لئے آنے والے) لوگ دور سے جان لیں کہ جنازہ ہو گیا۔ اور جو بیٹھ کر دعا مانگتے ہیں یہ بھی صحیح ہے۔ اس کا بھی یہی مقصد ہوتا ہے کہ جنازہ ہو گیا۔

باقی جو لوگ دعا کا جنازہ کے بعد انکار کرتے ہیں تو یہ تو آیت کریمہ ہے کہ دعا میں مبالغہ (یعنی خوب کوشش) کرو اب آیت کوئی کیسے نہ مانے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۷۱)

توضیح ملفوظ:-

نماز جنازہ کے فوراً بعد صفیں توڑ کر جو دعا مانگی جاتی ہے یہ بالکل جائز و مستحب ہے اور احادیث و آثار سے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت ہے۔ دعا سے کہیں منع نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا، نیکی و سعادت ہے۔ نماز، روزے، حج میں وقت کی قید ہے۔ مگر دعا کے لئے اللہ تعالیٰ یا رسول پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے کسی وقت کی قید نہیں لگائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ! وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾

(البقرۃ،۲:۱۸۶)

"اور (اے حبیب!) جب میرے بندے آپ سے میری نسبت سوال کریں تو (بتا دیا کریں کہ) میں نزدیک ہوں، میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے، پس انہیں چاہیے کہ میری فرمانبرداری اختیار کریں اور مجھ پر پختہ یقین رکھیں تاکہ وہ راہِ (مراد) پا جائیں۔"

دعا کی ترغیب قرآن مجید میں موجود ہے فرمایا: فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ﴿۷﴾

(النشرح ۷)

صحابی رسول حبر الامہ سلطان المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں مطلقاً فرماتے ہیں: اذا فرغت من الصلاۃ فانصب فی الدعاء واسأل اللہ وارغب الیہ۔

یعنی جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعاء میں کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے

مانگیں اور اس کی طرف متوجہ ہوں۔

(جامع البیان للطبری ج۲۴ ص۶۹۴، تفسیر ابن ابی حاتم الرازی,۲۱ ص۲۴۷ ج۳جلالین نصف ثانی الم نشرح مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی)

اور پھر سورۃ مومن میں مطلقاً فرمایا وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِيٓ أَسْتَجِبْ لَكُمْ ط

"اور تمہارا رب فرماتا ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

(سورہ مومن آیت ۶۰)

اس آیت میں مطلقاً عموماً فرمایا کہ دعا کرو قبول کروں گا یہ نہیں فرمایا کہ فلاں وقت تو مستحب و مشروع ہے فلاں وقت نہیں اور فلاں وقت ناجائز و ممنوع بلکہ بغیر تقیید وقت مطلقاً حکم ارشاد فرمایا کہ دعا مانگو۔ اور دعا مقصود و مطلوب اس لیے بھی کہ سرکار علیہ السلام نے فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے، رسولِ کریم صَلَّی اللہ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: جو آدمی اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس پر غضب فرماتا ہے۔ (ترمذی، کتاب الدعوات، حدیث:۳۳۸۴)

پھر دوسری جگہ ارشاد فرمایا!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه عَنِ النَّبِيِّ صلی الله علیه وآله وسلم قَالَ لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللهِ تَعَالَى مِنَ الدُّعَاءِ۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صَلَّی اللہ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ کوئی چیز بزرگ تر نہیں۔"

(ترمذی، السنن، ۵:۴۵۵، رقم:۳۳۷۰، ابن ماجہ، السنن، ۲:۱۲۵۸، رقم:۳۸۲۹)

پھر ایک اور جگہ ارشاد فرمایا

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی الله علیه وآله وسلم يَقُولُ الدُّعَاءُ هُوَ الْعِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ {وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ} (غافر، ۴۰:۶۰)

"حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں میں نے نبی

کریم ﷺ سے سنا آپ نے فرمایا" دعا عبادت ہے" پھر یہ فرمایا{تمہارے رب کا فرمان ہے کہ مجھ سے دعا مانگا کرو میں قبول کرتا ہوں۔ بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب ذلیل ہو کر جہنم رسید ہوں گے}۔"

(ترمذی، السنن، ۵:۴۷۴، رقم:۳۳۷۳، ابن ماجہ، السنن، ۲:۱۲۵۸، رقم:۳۸۲۸، دار الفکر بیروت، نسائی، السنن الکبریٰ، ۶:۴۵۰، رقم:۱۱۴۶۴، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

اور دعا کثرت سے مانگنی چاہیے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اکثروا الدعاء۔ دعاء کثرت سے کرو۔

(صحیح مسلم رقم الحدیث ۷۴۴، سنن ابی داؤد رقم الحدیث ۱۴۷، سنن النسائی ۱۱۲؍۵۲، مسند احمد ۳۸۰۹)

اور میت کے لیے بالخصوص ارشاد فرمایا کہ! عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم يَقُولُ إِذَا صَلَّيْتُمْ عَلَى الْمَيِّتِ فَأَخْلِصُوا لَهُ الدُّعَاءَ

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ چکو تو خلوص دل سے اس کے لیے دعا کرو۔"

(أبو داوٗد، السنن، باب الدعاء للمیت، ۳:۲۱۰، رقم:۳۱۹۹)

(ابن ماجہ، السنن، باب ماجاء فی الدعاء فی الصلاۃ علی الجنازۃ، ۱:۴۸۰، رقم:۱۴۹۷)

اور آپ ﷺ نے خاص جنازہ کے بعد دعا فرمائی جیسا کہ المغازی للواقدی میں ہے: جب مقامِ موتہ میں لڑائی شروع ہوئی رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور اللہ عزوجل نے حضور ﷺ کے لئے پردے اُٹھا دیئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور ﷺ دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: زید بن حارثہ نے جھنڈا اٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا۔ حضور ﷺ نے انہیں اپنی صلاۃ و دعاء سے مشرف فرمایا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے لئے استغفار کرو، بیشک وُہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: پھر جعفر بن ابی طالب نے علم اُٹھایا اور لڑتا رہا یہاں تک کہ شہید ہوا، حضور ﷺ نے ان کو اپنی صلاۃ و دُعا سے شرف بخشا اور صحابہ کو ارشاد ہوا اس کے

لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہوا اور اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔
(غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی فصل فی الجنائز سہیل اکیڈمی لاہور ص ۵۸۴،المغازی للواقدی ۲۴۷، فتاوی رضویہ ج۹ص ۲۲۵)

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد سیدی اعلٰحضرت علیہ رحمۃ فرماتے ہیں: اقول یہ حدیث اگرچہ اپنے دونوں طریقوں سے مُرسل ہے مگر مُرسل ہمارے نزدیک اور جمہور کے نزدیک حجت ہے، پھر ہمارے نزدیک ثابت یہی ہے کہ امام واقدی ثقہ ہیں جیسا کہ امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں افادہ فرمایا۔ پھر الفاظ شرعیہ میں اصل یہ ہے کہ اپنے شرعی معانی پر محمول ہوں تو صلاۃ، غیر دعا ہے، پھر تاسیس (از سر نو کوئی افادہ) تاکید سے بہتر ہے، تو دعا، غیر صلاۃ ہے۔
(حرز ثمین شرح حصن حصین حواشی حصن حصین آدابِ دُعا ص ۱۷ حاشیہ ۱۵ افضل المطابع لکھنؤ ص ۹)

اسی حدیث شریف سے صاف ظاہر ہے کہ آپ نے بعد نماز جنازہ کے دعا کی ہے اور صحابہ کرام کو بھی آپ نے امر فرمایا ہے پس صورتِ مسؤلہ کے جواز میں کیا کلام رہا انتہی منہ (فتاوی رضویہ ج۹ص ۲۲۷)

اور البدائع والصنائع میں ہے:

مَا رُوِیَ أَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ صَلَّی عَلَی جِنَازَةٍ فَلَمَّا فَرَغَ جَاءَ عُمَرُ وَمَعَهُ قَوْمٌ فَأَرَادَ أَنْ یُصَلِّیَ ثَانِیًا، فَقَالَ لَهُ النَّبِیُّ: صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةُ عَلَی الْجِنَازَةِ لَا تُعَادُ، وَلَكِنْ اُدْعُ لِلْمَیِّتِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ" وَهَذَا نَصٌّ فِی الْبَابِ وَرُوِیَ أَنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ وَابْنَ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ تَعَالَی عَنْهُمْ فَاتَتْهُمَا صَلَاةٌ عَلَی جِنَازَةٍ فَلَمَّا حَضَرَا مَا زَادَا عَلَی الِاسْتِغْفَارِ لَهُ وَرُوِیَ عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ أَنَّهُ فَاتَتْهُ الصَّلَاةُ عَلَی جِنَازَةِ عُمَرَ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ فَلَمَّا حَضَرَ قَالَ: إِنْ سَبَقْتُمُونِی بِالصَّلَاةِ عَلَیْهِ فَلَا تَسْبِقُونِی بِالدُّعَاءِ لَهُ
(الکاسانی، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، ۱/۳۱۱ /ادارالکتب العلمیہ)

رسول اللہ ﷺ نے ایک جنازہ پر نماز ادا فرمائی۔ پس جب فارغ ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر ہوئے اور ان کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے تو آپ نے دوبارہ نماز اداء کرنے کا ارادہ کیا تو نبی ﷺ نے ان سے فرمایا: جنازہ پر نماز دہرائی نہیں جاتی لیکن میں میت کے لیے دعا اور استغفار کروں گا۔ روایت ہے کہ ابن عباس اور ابن عمر رضی اللہ عنہما کسی جنازہ کی نماز میں شریک نہ ہو سکے۔ جب وہ پہنچے تو انہوں نے صرف استغفار کیا۔ اور روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کسی جنازہ، بالخصوص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ، سے محروم ہو گئے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو فرمایا: 'اگر تم مجھ سے پہلے اس پر نماز پڑھ چکے ہو تو دعا میں مجھ سے آگے نہ نکل جاؤ۔"

مذکورہ حوالہ جات سے روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ دعا بعد از نماز جنازہ مانگنا جائز و مستحب امر ہے۔ صفیں توڑ کر کھڑے ہو کر بھی مانگ سکتے ہیں اور بیٹھ کر بھی۔

☜ -:سنت غیر مؤکدہ پڑھنے کا طریقہ:-

کسی نے آپ جناب (حضرت زبدۃ المشائخ) سے سنت غیر مؤکدہ کا طریقہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ سنت غیر مؤکدہ اور اس طرح چار رکعت (ایک سلام کے ساتھ) نفل کا یہ طریقہ ہے کہ ان کی دوسری رکعت میں التحیات کے بعد درود شریف بھی پڑھیں۔ اور تیسری رکعت کے لئے اُٹھنے کے بعد "سبحانك اللھم" سے (پڑھنا) شروع کریں، کیونکہ چار رکعت نفل یا سنت غیر مؤکدہ کی تیسری رکعت تکبیر تحریمہ (یعنی پہلی رکعت) جیسی ہے، پھر فرمایا کہ نفل دو دو رکعت پڑھنے چاہئیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۴۱، ۱۴۲)

توضیح ملفوظ:-

ایک سلام سے پڑھی جانے والی چار رکعت سنتِ غیر مؤکدہ اور نفل نماز کے پہلے قعدہ میں التحیات کے ساتھ درود شریف اور دعا پڑھنا بہتر اور افضل ہے، لیکن اگر کسی نے فقط التحیات پڑھی، اور درود شریف اور دعا پڑھے بغیر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو بھی نماز درست ہے۔

چار رکعت والی سنتِ غیر مؤکدہ یا نفل کی تیسری رکعت کے شروع میں ثناء و تعوذ پڑھنا مستحب ہے۔ یونہی قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد درود پاک اور دعا پڑھنا بھی لازم نہیں بلکہ بہتر ہے، لہٰذا انھیں بھولے سے یا لاعلمی میں چھوڑتے رہنے والا شخص گناہ گار نہیں ہو گا، اور انہیں چھوڑنے کی وجہ سے نماز فاسد یا واجب الاعادہ بھی نہیں ہو گی۔

سنت غیر مؤکدہ اور نوافل کی تیسری رکعت میں ثنا پڑھنے کا حکم بیان کرتے ہوئے حلبۃ المجلی میں ہے: "فقام من القعدۃ الاولیٰ الی الرکعۃ الثالثۃ فانہ یستحب لہ ان یبتدی الثالثۃ بالاستفتاح والتعوذ" یعنی جب نمازی سنتِ غیر مؤکدہ کے قعدہ اولیٰ کے بعد تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو، تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ تیسری رکعت کو ثناء اور تعوذ کے ساتھ شروع کرے۔

(حلبۃ المجلی، جلد ۲، صفحہ ۱۸۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے نوافل وغیرہ کے پہلے قعدہ میں درود پاک و دعا پڑھنے کے متعلق سوال ہوا، تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: "پڑھنا بہتر ہے۔" (فتاوی رضویہ، جلد ۷، صفحہ ۴۴۳، رضا فاؤنڈیشن، لاھور)

-: وضو کرتے وقت سلام کا جواب :-

حضور مرشد پاک (حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) وضو کر رہے تھے، تو کسی نے سلام کیا، (وضو کے) بعد میں آپ جناب نے فرمایا کہ (جب) کوئی وضو کر رہا ہو تو سلام نہیں کرنا چاہیے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۸)

توضیح ملفوظ :-

سلام کرنا ایک مسنون عمل ہے لیکن بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں پر سلام کرنے کو فقہاء کرام نے مکروہ کہا ہے۔ اگر لوگ مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں اور ذکر و تسبیح میں مشغول ہوں تو ایسے لوگوں کو سلام نہیں کرنا چاہئے البتہ جو لوگ ذکر و تسبیح

میں مشغول نہ ہوں ویسے ہی نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوں تو ایسے لوگوں کو دھیمی آواز میں سلام کرنا کہ سنن ونوافل میں مشغول لوگوں کی نماز میں کوئی خلل نہ پڑے جائز ہے تاہم اگر سارے لوگ نماز میں مشغول ہوں تو سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۳) وضو کرنے والے کو دوران وضو سلام نہیں کرنا چاہیے بلکہ جب وہ وضو سے فارغ ہو جائے تو تب سلام کرنا چاہیے۔

(۴) استنجاء خانہ میں داخل ہونے والے شخص کو داخل ہونے سے پہلے سلام کیا جاسکتا ہے البتہ استنجاء خانہ میں موجود شخص کو سلام نہیں کہنا چاہیے کیونکہ استنجاء خانہ محل نجاست ہے اور ایسی جگہ پر سلام کرنا مکروہ ہے۔

(۵) قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کو سلام نہیں کرنا چاہیے اور اگر کوئی سلام کر لے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں۔

اس لئے یہ بات یاد رکھیں کہ بوقت اذکار وعبادت سلام کرنا ممنوع ہے اور اگر کسی نے کر دیا تو اس کا جواب واجب نہیں ہکذا فی بہار شریعت۔

(بحوالہ فتاوی ادارہ شرعیہ ج۳ص۵۴۸)

کیونکہ وضو کرنے والا وضو کی دعاؤں میں مشغول ہوتا ہے، تو اس دوران سلام نہیں کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی سلام کر دیں تو چاہئے کہ وضو کرنے کے بعد سلام کا جواب دیں۔

اشارے سے سلام کرنا:-

فقط اشارے سے سلام کرنا یا اشارہ سے جواب دینا جائز نہیں یہ ہنود ونصاریٰ کا طریقہ ہے، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے: **عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا، لا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلا بِالنَّصَارَى، فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ الإِشَارَةُ بِالأَصَابِعِ، وَتَسْلِيمَ النَّصَارَى الإِشَارَةُ بِالْكَفِّ۔**

(سنن ترمذی، حدیث نمبر ۲۶۹۵)

ترجمہ: عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے غیروں سے مشابہت اختیار کرے، نہ یہود کی مشابہت کرو اور نہ نصاریٰ کی، یہودیوں کا سلام انگلیوں کا اشارہ ہے اور نصاریٰ کا سلام ہتھیلیوں کا اشارہ ہے۔“

البتہ اگر جس کو سلام کیا جارہا ہے وہ دور ہے اور صیغۂ سلام کے تلفظ کے ساتھ ہاتھ سے اشارہ بھی کردے تاکہ وہ سمجھ لے کہ یہ سلام کر رہا ہے، تو اس کی گنجائش ہے۔

(۲) حنفیہ کے نزدیک دونوں ہاتھ سے مصافحہ کرنا سنت ہے، کما فی الدر المختار بخاری شریف کی روایت میں، عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مصافحہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ”کفی بین کفیه“ کہ میری ہتھیلی آپ ﷺ کی دونوں ہتھیلیوں کے بیچ میں تھی اور یہ بہت بعید ہے کہ آپ ﷺ دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کریں اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک ہاتھ سے کریں، امام بخاری نے اس حدیث سے مصافحہ ثابت کیا ہے اور یہ بھی نقل کیا ہے، صافح حماد بن زید ابن المبارك بكلتا يديه جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف کا بھی طریقہ یہی تھا۔

اور یہ بھی ذہن نشین رہے کہ عام حالات میں سلام کا جواب اس قدر آواز سے دینا ضروری ہے کہ سلام کرنے والا سن لے۔ اور اگر اس قدر آہستہ جواب دیا گیا کہ سلام کرنے والے نے نہیں سنا تو جواب ادا نہیں ہوگا۔

-: چھینک کی ابتداء :-

حضور (زبدة المشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا! کہ جب حضرت آدم کے جسم میں اللہ تعالیٰ نے روح ڈالی تو فوراً سب سے پہلے ان کو چھینک آئی اور انہوں نے الحمد للہ کہا۔ اس لیے ہم لوگوں کو جب بھی چھینک آتی ہے تو وہی سنت ادا کرتے ہیں۔ فرمایا! کہ شیطان نے (اپنی) بڑائی (تکبر) ظاہر کی۔ اور آدم علیہ السلام نے الحمد للہ کہا۔ فرمایا! کہ

سب چیزوں کے نام حضرت آدم علیہ السلام نے بتا دیئے جو قیامت تک تھیں۔ فرمایا! کہ فرشتوں نے جن پر عکس علم اللہ تھا اُنہوں نے عاجزی ظاہر کی۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے الحمد للہ کہا۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۵)

توضیح ملفوظ:-

چھینک کی ابتداء حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی اور یہ حدیث ترمذی شریف میں ہے: جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جب آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور ان کے اندر روح ڈالی تو ان کو چھینک آئی تو آدم علیہ السلام نے "الحمد للہ" کہا تو اللہ رب العزت نے "یرحمک اللہ یا آدم" کہا پھر آدم علیہ السلام کو اشارہ کیا کہ آپ فرشتوں کی جماعت جو بیٹھی ہوئی ہے ان کے پاس جائیں اور ان کو "السلام علیکم" کہیں (تو وہ گئے اور فرشتوں کو سلام کیا) تو فرشتوں نے اس کے جواب میں "وعليك السلام ورحمة الله" کہا پھر آدم علیہ السلام اللہ رب العزت کی طرف لوٹ کر آئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: یہ تیرا اور تیرے بعد میں آنے والی اولاد کا سلام ہے۔

عن أبي هريرة، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لما خلق الله آدم ونفخ فيه الروح عطس فقال: الحمد لله، فحمد الله بإذنه، فقال له ربه: رحمك الله يا آدم، اذهب إلى أولئك الملائكة، إلى ملإ منهم جلوس، فقل: السلام عليكم، قالوا: وعليك السلام ورحمة الله، ثم رجع إلى ربه، فقال: إن هذه تحيتك وتحية بنيك. (سنن الترمذی رقم: ۳۳۶۸)

(ترجمہ اوپر والی عبارت میں موجود ہے)

چھینک اور جماہی کے آداب:-

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور آپ کے اندر روح پھونکی، تو حضرت آدم علیہ السلام کو فوراً چھینک آئی اور سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ کی توفیق سے چھینک پر "الحمد للہ" فرمایا، چھینک آنا اچھی بات ہے، چھینک

انسان کی صحت کی علامت ہے، نزلہ کے وقت نیز عام اوقات میں بھی جب چھینک آتی ہے تو انسان کا دماغ، کان اور ناک کے راستے صاف ہوتے ہیں، آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے، سر کا بوجھ کم ہو جاتا ہے، جب نومولود بچہ چھینکتا ہے تو والدین اور معالجین چھینک کو بچے کی تندرستی کی علامت سمجھ کر خوش ہو جاتے ہیں، غرض کہ چھینک انسان کی نشاط و چستی کا سبب ہے، جس سے انسان کو اعمال و طاعات نیز دنیوی کاموں میں نشاط پیدا ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا: **إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ**

(رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ ا/۹۱۹، ۶۲۲۳)

اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں، (کیونکہ اعمال میں چستی و نشاط کا سبب ہوتی ہے)۔

دینِ اسلام کی خوبی اور کمال یہ ہے کہ اسلام انسان کو کامل و اکمل بنانے کے لیے ہر چھوٹے اور بڑے ادب سے اس کو آراستہ و مزین کرتا ہے؛ چنانچہ اسلام نے انسانی ضروریات میں سے ہر ضرورت سے متعلق بہترین آداب و تعلیمات کو پیش کیا ہے، منجملہ ان کے چھینک ہے، جسے ہم معمولی چیز سمجھتے ہیں، اس کے آداب کو بھی بیان کیا ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ ہم چھینک کے آداب کو معلوم کریں اور ان پر عمل کریں۔

چونکہ چھینک اللہ کی نعمتِ صحت و تندرستی کی علامت، چستی اور نشاط کا سبب ہے؛ اس لیے چھینک آنے پر الحمدللہ کے ذریعہ اللہ کا شکر ادا کرنے کو مستقل عبادت قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **إذا عطس احدکم فليقل الحمد لله**

(رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ ۹۱۹/۱، ۶۲۲۴)

جب تم میں سے کوئی چھینکے تو **الحمد لله** کہے۔

ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو جب چھینک آئی تو اللہ نے آپ کی زبان سے الحمدللہ کو جاری فرما کر ساری انسانیت کے لیے ایک ادب قرار دیا، شریعت اسلامیہ نے بھی

اس کو ادب بلکہ مستقل سنت قرار دیا ہے۔

چھینک کے آداب

(۱) جب کسی شخص کو چھینک آئے تو الحمدللہ کہے۔

(رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ ۱/۹۱۹، ۶۲۲۴)

یا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلیٰ کُلِّ حَالٍ کہے (رواہ الترمذی عن ابن عمر ۲/۱۰۳) دونوں صورتیں جائز ہیں۔

(۲) جب چھینکنے والا اپنی چھینک پر الحمدللہ کہے، تو سننے والا اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ (بخاری ۱/۹۱۹، ۶۲۲۴)

(۳) یرحمک اللہ کے جواب میں چھینکنے والا یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ وَیُصْلِحُ بَالَکُمْ، یا یَغْفِرُ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ کہے۔ (بخاری ۱/۹۱۹، ۶۲۲۴)

(۴) چھینکنے والا چھینک کے وقت اپنے چہرے کو کپڑے یا کم از کم ہاتھ سے ڈھانک لے (تاکہ چھینک کے وقت ناک اور منہ سے نکلنے والی ریزش سے کسی کو تکلیف نہ ہو، نیز کھانے پینے کی چیزوں میں ناک اور منہ کی رطوبات نہ گریں)۔

(۵) چھینک کے وقت اپنی آواز کو پست رکھے۔ آپ علیہ السلام چھینک کے وقت اپنے چہرے کو کپڑے یا ہاتھ سے ڈھانک لیتے تھے اور آواز کو پست کر لیا کرتے تھے۔ (ابوداؤد ۶۸۶/۲)

(۶) محرم عورتیں چھینک کر الحمدللہ کہیں تو محرم مردوں کے لیے یرحمک اللہ کہنا ضروری ہے، نیز مرد محارم مرد کی چھینک کا جواب دینا بھی ضروری ہے۔ (ہندیہ ۳۲۷/۵)

چھینک کا جواب

مسلمان بھائی چھینک کر الحمدللہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا یہ اس کا شرعی حق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ایک مسلمان بھائی پر دوسرے مسلمان بھائی کے

لیے چھ حقوق ہیں، جب کوئی مسلمان بھائی بیمار ہو جائے تو اس کی عیادت کرے (۲) جب کسی مسلمان کی وفات ہو جائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے (۳) اگر دعوت دے تو قبول کرے (۴) سلام کرے تو سلام کا جواب دے (۵) چھینک پر الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمك الله کہے (٦) مسلمان بھائی کی موجودگی اور غیر موجودگی میں اس کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ کرے۔ (مسلم ۲/۲۱۳ حقوق المسلم)

جب چھینکنے والا الحمد للہ کہے تو سننے والے پر یرحمك الله کہنا بعض علماء کے نزدیک واجب ہے، (فتاوی ہندیہ میں یہی قول نقل کیا ہے) بعض علماء نے مستحب قرار دیا ہے، جمہور علماء کے نزدیک فرضِ کفایہ ہے، (فتاوی ہندیہ میں واجب لکھا ہے) لہٰذا چھینکنے والے کی الحمد للہ سننے والا ایک شخص ہو تو ضرور یرحمك الله کہنا چاہیے، اگر ایک جماعت ہو تو ان میں سے کسی ایک شخص کی طرف سے یرحمك الله کہنا کافی ہے۔ (عمدۃ القاری ۱۵/۳۴۰)

مندرجہ ذیل مواقع میں چھینک کا جواب ضروری نہیں:-

(۱) جو آدمی چھینک کر الحمد للہ نہ کہے۔ (بخاری ۱/۹۱۹، ۶۲۲۵)

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **إِذَا عَطَسَ اَحَدُ كُمْ فَحَمِدَ اللهَ فَشَمِّتُوْهُ وَاِنْ لَمْ يَحْمَدِ اللهَ فَلَا تُشَمِّتُوْهُ** (رواہ البخاری ۱/۹۱۹)

جب تم میں سے کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو تم جواب دو اگر وہ الحمد للہ نہ کہے تو اس کا جواب مت دو، لہٰذا جو شخص اپنی چھینک پر الحمد للہ نہ کہے وہ جواب کا مستحق نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کی خدمت میں دو شخص حاضر تھے، دونوں کو چھینک آئی، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے ایک شخص کی چھینک پر یرحمك الله فرمایا دوسرے کی چھینک پر یرحمك الله نہیں فرمایا، اس پر دوسرے شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے اس کے لیے یرحمك الله فرمایا، میرے لیے نہیں فرمایا، آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اس نے چھینک پر الحمد للہ کہا؛ اس لیے وہ جواب کا مستحق

ہوا، اور تم نے اپنی چھینک پر الحمدللہ نہیں کہا تو تم جواب کے مستحق نہیں ہوئے۔
(متفق علیہ، بخاری ۹۱۹/۱)

(۲) جب آدمی تین مرتبہ سے زیادہ چھینکے، تو جواب دینا ضروری نہیں ہے، چاہے تو جواب دے؛ چاہے تو جواب نہ دے۔ (ابوداؤد: ۶۸۷/۲)

(۳) بے ایمان کی چھینک کے جواب میں یرحمك اللہ کہنا جائز نہیں ہے۔
حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہودی لوگ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چھینکتے تھے (چھینک پر الحمدللہ بھی کہتے) اور یہ امید رکھتے کہ آپ علیہ السلام جواب میں یرحمك اللہ فرمائیں گے؛ لیکن آپ علیہ السلام ان کے جواب میں یرحمك اللہ نہ فرماتے (اس لیے کہ وہ اپنی بے ایمانی کی وجہ سے اللہ کی رحمت کے مستحق نہیں ہیں؛ لہٰذا ان کو رحمت کی دعا نہیں دی جاسکتی) بلکہ ان کے جواب میں آپ علیہ السلام یَهْدِيكُمُ اللهُ وَيُصْلِحُ بَالَكُمْ فرماتے (اللہ تم کو ہدایت دیں اور تمہارے احوال درست فرمائیں) (ابوداؤد: ۶۸۷/۲)

(۴) جمعہ وعیدین کے خطبات کے وقت میں جواب نہ دے۔
(عمدۃ القاری ۳۴۰/۱۵)

(۵) اگر کوئی شخص بیت الخلاء میں چھینک کر الحمدللہ کہے تو اس کا جواب بھی لازم نہیں۔ (عمدۃ القاری: ۳۴۰/۱۵)

مسئلہ: اگر کسی شخص کو نماز میں چھینک آگئی اور اس نے بے اختیار الحمدللہ کہہ دیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی، جو نمازی چھینکنے والے کے جواب میں یرحمك اللہ کہے، اس کی نماز فاسد ہو جائیگی۔ (ھدایہ ۱۳۵/۱)

جماہی کے آداب:-

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْعُطَاسَ، وَيَكْرَهُ التَّثَاؤُبَ (رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ: ۹۱۹/۱، ۶۲۲۳)

اللہ تعالیٰ کو جماہی ناپسند ہے، جب تم میں سے کسی کو جماہی آتی ہے اور وہ شخص

منہ کھولتے ہا، ہا کہتا ہے تو شیطان ہنستا ہے۔

جماہی زیادہ کھانے، آنتوں کے بھر جانے، نفس وطبیعت کے بوجھل ہو جانے اور حواس کی کدورت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے، جو غفلت، سستی اور سوئے فہم کا سبب بنتی ہے، نیز جماہی کے وقت انسان کا چہرہ طبعی حالت پر باقی نہیں رہتا ہے، جس کی وجہ سے شیطان خوش ہو جاتا ہے کہ انسان کی طبعی حالت بھی متغیر ہوئی، نیز اب یہ انسان طاعات و اعمال اور دیگر ضروری امور میں سستی اور کاہلی کا شکار ہو گا۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہی وجہ ہے کے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کو عمر بھر جماہی نہیں آئی ہے، جس کی صراحت مصنف ابن شیبہ کی روایت میں موجود ہے، نیز علامہ خطابی نے مسلمہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کسی بھی نبی کو جماہی نہیں آئی۔

(فتح الباری:۱۵ے/۱۰)

فَأَمَّا التَثَاوُبُ فَإِنَّمَا هُوَ مِنَ الشَّيْطَانِ فَإِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ (بخاری ۹۱۹/۱)

جماہی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو جہاں تک ہو سکے اس کو دفع کرے، (جبڑوں کو مضبوطی سے دبالے، اگر بے قابو ہو جائے تو منہ پر ہاتھ رکھ لے)۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ علیہ السلام نے فرمایا:

إِذَا تَثَاوَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيُمْسِكْ بِيَدِهِ عَلَى فَمِهِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَدْخُلُ

(رواہ مسلم:۴۱۳۰/۲ باب العطاس)

جب تم میں سے کسی کو جماہی آئے تو اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لے؛ اس لیے کے شیطان منہ میں داخل ہو جاتا ہے، (لہٰذا منہ پر ہاتھ رکھے)

علماء نے لکھا ہے کہ اگر انسان تلاوت، دینی گفتگو وغیرہ میں مشغول ہو اور جماہی آجائے تو جماہی کو مکمل طور سے بند ہو جانے کے بعد تلاوت کرے، جماہی کے وقت ہا، ہا، کرتے ہوئے تلاوت، دینی باتیں اور ضروری باتیں نہ کرے۔

فرشتوں سے حضرت آدم علیہ السلام کی برتری کا سبب کیا تھا؟

اللہ کریم نے سورۃ البقرہ میں ارشاد فرمایا!وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۳۱﴾

(البقرہ:۳۱)

اور اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو تمام (اشیاء کے) نام سکھا دیئے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا، اور فرمایا: مجھے ان اشیاء کے نام بتادو اگر تم (اپنے خیال میں) سچے ہو

قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۳۲﴾

(البقرہ:۳۲)

فرشتوں نے عرض کیا: تیری ذات (ہر نقص سے) پاک ہے ہمیں کچھ علم نہیں مگر اسی قدر جو تو نے ہمیں سکھایا ہے، بیشک تو ہی (سب کچھ) جاننے والا حکمت والا ہے۔

قَالَ يٰٓـاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ‌ ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّـكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

(البقرہ:۳۳)

اللہ نے فرمایا: اے آدم! (اب تم) انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کرو، پس جب آدم (علیہ السلام) نے انہیں ان اشیاء کے ناموں سے آگاہ کیا تو (اللہ نے) فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی (سب) مخفی حقیقتوں کو جانتا ہوں، اور وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو۔

وَاِذۡ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوۡٓا اِلَّآ اِبۡلِيۡسَ ؕ اَبٰى وَاسۡتَكۡبَرَ ‌ۖ وَكَانَ مِنَ الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۳۴﴾

(البقرہ:۳۴)

اور (وہ وقت بھی یاد کریں) جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، اس نے انکار اور تکبر کیا اور (نتیجۃً) کافروں میں سے ہو گیا۔

اِمام بیضاوی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر تمام اشیاء پیش فرمائیں اور بطورِ الہام کے آپ کو ان تمام چیزوں کے نام، کام، صفات، خصوصیات، اصولی علوم اور صنعتیں سکھادیں۔ (بیضاوی، البقرۃ، تحت الآیۃ:۳۱، ۱/ ۲۸۶-۲۸۵)

حضرت آدم علیہ السلام کے علمی فضل و کمال کو دیکھ کر فرشتوں نے بارگاہِ الٰہی میں اپنے عِجز کا اعتراف کیا اور اس بات کا اظہار کیا کہ ان کا سوال اعتراض کرنے کیلئے نہ تھا بلکہ حکمت معلوم کرنے کیلئے تھا اور اب انہیں اِنسان کی فضیلت اور اس کی پیدائش کی حکمت معلوم ہوگئی جس کو وہ پہلے نہ جانتے تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع اور نقصان کے تعلیم فرمادیا اور یہ علم ان کے دل میں بلاواسطہ کلام القاء کر دیا کیونکہ بدون اس کمال علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے اس کے بعد ملائکہ کو اس حکمت پر مطلع کرنے کی وجہ سے ملائکہ سے امور مذکورہ کا سوال کیا گیا اگر تم اپنی اس بات میں کہ تم کار خلافت انجام دے سکتے ہو، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام و احوال بتاؤ لیکن انہوں نے اپنے عجز و قصور کا اقرار کیا اور خوب سمجھ گئے کہ بدون اس علم عام کے کوئی کار خلافت زمین میں نہیں کر سکتا اور اس علم عام سے قدر قلیل ہم کو اگر حاصل ہوا بھی تو اتنی بات سے ہم قابل خلافت نہیں ہو سکتے۔ یہ سمجھ کر کہہ اٹھے کہ تیرے علم و حکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔

اور جس وقت حکم دیا اللہ کریم نے سب فرشتوں کو (اور جنوں کو بھی جیسا کہ بعض روایات میں حضرت ابن عباس سے منقول ہے غرض ان سب کو یہ حکم دیا گیا کہ) سجدہ میں گر جاؤ آدمؑ کے سامنے سو سب سجدہ میں گر پڑے بجز ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

-:اندھیرے اور بارش میں نماز کے لئے آنا:-

گڑھی شریف میں جبکہ خوب بارش برس رہی تھی اور لائٹ بھی چلی گئی تھی

(خوب اندھیرا چھا گیا تھا) تو مسجد کے بر آمدے میں ہم لوگ حضور (زبدۃ المشائخ) کے ساتھ نماز مغرب کے انتظار میں تھے تو (آپ) نے فرمایا کہ اس طرح کے موسم میں حافظ جی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ خاص نماز ہے ہر کوئی نہیں آتا قسمت والے آتے ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۵)

توضیحِ ملفوظ:-

اندھیرے اور بارش میں نماز باجماعت کا شوق خوش قسمت لوگوں کا طریقہ و عادت ہے اگرچہ سخت بارش میں گھروں میں نماز پڑھنے کا حکم ہے لیکن کچھ لوگ معمولی بارش اور اندھیرے میں بھی باہر نہیں نکلتے۔ اندھیرے میں نماز کے لئے آنا باعث فضیلت و شرف ہے حدیث مبارکہ میں سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا!

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِي قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ : لِيَبْشَرِ الْمَشَاؤنَ فِي الظُّلَمِ بِنُورٍ تَامٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (ابن ماجہ، السنن، رقم الحدیث: ۷۸۰)

سیدنا سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (باجماعت نماز کیلئے) رات کے اندھیروں میں (مسجدوں کی طرف) جانے والوں کیلئے قیامت کے دن مکمل نور کی خوشخبری ہے (کہ میدانِ حشر میں مومنوں کا سفر اُن کے ایمان اور اعمال صالحہ کی روشنی میں طے ہو گا)۔

☜ مسجد میں دنیاوی چیز کا اعلان کرنا:-

نماز عصر کے بعد جبکہ حضور (شیخ طریقت) زیارت شریف کے سامنے اپنے وظیفہ میں مشغول تھے تو ایک افغان مہاجر آیا مجھے حضور نے اشارہ سے حکم دیا کہ پوچھ کیا کہتا ہے۔ اُس نے کہا کہ بکرا گم ہو گیا ہے تو مسجد میں اعلان کرانا ہے، میں نے کہا کہ کل شاید تمہارا والد آیا تھا تو کسی طالب علم نے اعلان کر دیا وہ چلا گیا۔ پھر حضور کے پوچھنے پر میں نے ساری بات عرض کر دی، اور (میں نے) پوچھا (کہ) اس طرح دنیاوی چیز کا اعلان مسجد میں صحیح ہے؟ تو فرمایا! کہ صحیح تو نہیں ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۹)

توضیح ملفوظ:-

جہاں تک مسجد میں اِعلان کا تعلق ہے تو عین مسجد یا فنائے مسجد میں ذاتی اور مالی مفاد کے اعلانات جائز نہیں ہیں اس بارے احادیث مبارکہ پیش کئے جاتے ہیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ سَمِعَ رَجُلًا يَنْشُدُ ضَالَّةً فِي الْمَسْجِدِ فَلْيَقُلْ لَا رَدَّهَا اللهُ عَلَيْكَ فَإِنَّ الْمَسَاجِدَ لَمْ تُبْنَ لِهَذَا ترجمہ: جو شخص کسی آدمی کو مسجد میں کسی گم شدہ چیز کے بارے میں اعلان کرتے ہوئے سنے تو وہ کہے: اللہ تمھیں وہ چیز واپس نہ لوٹائے کیونکہ مسجدیں اس کام کے لیے نہیں بنائی گئیں۔

(صحیح مسلم، کتاب المساجد و موضع الصلاۃ، باب النہی عن نشد الضالۃ فی المسجد، صفحہ ۳۹۷، حدیث ۵۶۸، بیروت)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ!

عن ابی هريرة، ان رسول الله صلى الله عليه وسلم، قال: "إذا رايتم من يبيع، او يبتاع فى المسجد، فقولوا: لا اربح الله تجارتك، وإذا رايتم من ينشد فيه ضالة، فقولوا: لا رد الله عليك". قال ابو عيسى: حديث ابى هريرة حديث حسن غريب، والعمل على هذا عند بعض اهل العلم، كرهوا البيع، والشراء فى المسجد، وهو قول: احمد، وإسحاق، وقد رخص فيه بعض اهل العلم فى البيع والشراء فى المسجد.

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد میں خرید و فروخت کر رہا ہو تو کہو: اللہ تعالیٰ تمہاری تجارت میں نفع نہ دے، اور جب ایسے شخص کو دیکھو جو مسجد میں گمشدہ چیز (کا اعلان کرتے ہوئے اسے) تلاش کر تا ہو تو کہو: اللہ تمہاری چیز تمہیں نہ لوٹائے۔" (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۱۳۲۱)۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ!

عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَجُلًا نَشَدَ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ: مَنْ دَعَا إِلَى الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا وَجَدْتَ،

إِنَّمَا بُنِيَتِ الْمَسَاجِدُ لِمَا بُنِيَتْ لَهُ"

سفیان ثوری نے ہمیں خبر دی، انھوں نے علقمہ بن مرثد سے، انھوں نے سلیمان بن بریدہ سے اور انھوں نے اپنے والد (بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے روایت کی کہ ایک آدمی نے مسجد میں اعلان کیا اور کہا: کون سرخ اونٹ (کی نشاندہی) کے لیے آواز دے گا؟۔ تو نبی ﷺ فرمانے لگے: "تجھے (تیرا اونٹ) نہ ملے، مسجدیں صرف انھی کاموں کے لیے بنائی گئی ہیں جن کے لیے انھیں بنایا گیا۔ (یعنی عبادت اور اللہ کے ذکر کے لیے) (صحیح مسلم حدیث نمبر:۵۶۹)

علامہ غلام رسول سعیدی رحمہ اللہ تعالیٰ شرح صحیح مسلم میں رقمطراز ہیں: "مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا احادیث کے پیشِ نظر مکروہ ہے، قرآنِ کریم کی تلاوت، وعظ و نصیحت اور ذکرِ الٰہی کے علاوہ مسجد میں آواز بلند کرنا ممنوع ہے، کیونکہ یہ عمل مسجد کے آداب کے خلاف ہے، آج کل پاکستان کے شہروں اور دیہاتوں میں عام رواج ہے کہ کسی کا مویشی یا بچہ گم ہو جائے تو مسجد میں اعلان کرتے ہیں، اگر اہلِ مسجد نے مسجد بناتے وقت کوئی جگہ خارج از مسجد بنائی ہے اور اس میں لاؤڈ اسپیکر کے مائیک کا انتظام ہے تو اس جگہ اعلان کرنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ جگہ خارج از مسجد ہے اور لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے اہلِ محلّہ کو مطلع کرنا مقصود ہے اور اگر اس قسم کا انتظام نہیں ہے تو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنا ہر حال میں مکروہ ہے۔" (شرح صحیح مسلم، ج:۲، ص:۱۳۵)

اکثر مفتیانِ کرام نے اپنے فتاویٰ میں عمومی انداز میں ممانعت کا قول کیا گیا ہے، اور مفادِ عامّہ اور مصلحتِ عامّہ سے متعلق امور کا استثناء نہیں رکھا، جبکہ آج کل عام طور پر صورتِ حال اس کے برعکس ہے۔ پس ہماری نظر میں یہ احادیثِ مبارکہ اور فقہائے کرام کے اقوال "ذاتی مفاد کے اعلانات کی ممانعت" سے متعلق ہیں۔ جن امور میں معیّن طور پر کسی فرد کے مالی معاملات کا مفاد نہ ہو، بلکہ بحیثیتِ مجموعی وہ مفادِ عامّہ کا مسئلہ ہو، تو اُن امور کی بابت اعلانات جائز ہیں۔

جیسے پولیو ویکسین لگانے کا اعلان، شدید بارشوں میں یا سیلابی کیفیت میں کسی گاؤں / بستی یا علاقے کے بند ٹوٹ جانے کے خطرات کا اعلان یا فرض کیجیے: کسی گاؤں یا محلے میں ڈاکو آگئے اور لوٹ مار کر رہے ہیں تو لوگوں کو خبر دار کرنے کے لیے اعلان، بعض جگہ فری میڈیکل کیمپ لگائے جاتے ہیں، قریبی مسجد سے اُن کا اعلان، اسی طرح کوئی ایسا اعلان جو فرضِ کفایہ کی ادائیگی کے لیے عام مسلمانوں تک اطلاع پہنچانے کے لیے ہو، جیسے : کسی کی وفات یا جنازے کا اعلان، بعض جگہ وفات اور جنازے کا اعلان مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر کیا جاتا ہے، اس میں بھی منع کی کوئی وجہ موجود نہیں ہے،

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں ہے: ”ولا بأس بإعلام الناس بموته من أقربائه وأصدقائه وجيرانه ليؤدوا حقه بالصلاة عليه، والدعاء والتشييع، وقد روى عن النبى - صلى الله عليه وسلم - ”أنه قال فى المسكينة التى كانت فى ناحية المدينة إذا ماتت فآذنونى“؛ ولأن فى الإعلام تحريضا على الطاعة وحثا على الاستعداد لها فيكون من باب الإعانة على البر والتقوى، والتسبب إلى الخير والدلالة عليه، وقد قال الله تعالى {وتعاونوا على البر والتقوى} [المائدة: ۲] وقال النبى صلى الله عليه وسلم: ”الدال على الخير كفاعله“ إلا أنه يكره النداء فى الأسواق والمحال؛ لأن ذلك يشبه عزاء أهل الجاهلية۔“

(بدائع الصنائع، کتاب الصلاۃ، فصل صلاۃ الجنازۃ، ۱/ ۲۹۹، ط: دار الکتب العلمیۃ)

ترجمہ: ”یہ جائز ہے کہ موت کی خبر لوگوں تک پہنچائی جائے، خاص طور پر قریبی رشتہ دار، دوست اور ہمسایہ، تاکہ وہ مرحوم کا حق ادا کر سکیں، اسے غسل و کفن اور نماز جنازہ کے ذریعے یاد کریں، اس کے لیے دعا کریں اور جنازے میں شرکت کریں۔“ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینے کی ایک مسکین عورت کے بارے میں فرمایا: ”جب وہ وفات پا جائے تو مجھے اطلاع دیجیے۔“ خبر رسانی اس لیے بھی اہم ہے کیونکہ یہ نیکی کی طرف ترغیب دیتی ہے اور لوگوں کو اس کی ادائیگی کے لیے تیار کرتی ہے۔ اس کا تعلق برائی سے

بچنے اور نیکی کے کاموں میں معاونت سے ہے، اور اس میں خیر کی راہ دکھانے اور دوسروں کو بھلائی کی طرف ہدایت دینے کا عنصر شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”اور تم نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی مدد کرو“[المائدہ:۲] اور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص کسی کو خیر کی طرف رہنمائی کرے، گویا خود اس نیکی کا عمل کرنے والا ہے۔“ تاہم، یہ خبر دار کیا گیا ہے کہ اس اطلاع کو بازاروں یا دکانوں میں دینے سے پرہیز کیا جائے، کیونکہ اس طرح کا انداز قبل از اسلام کے رسم ورواج کی یاد دلاتا ہے اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

اسی طرح انسانی ہمدردی کا معاملہ ہو، جیسے: کسی بچے کی گمشدگی کا اعلان، کیونکہ یہ بھی مالی مفاد کا معاملہ نہیں ہے، اس لیے یہ بھی جائز ہونا چاہیے۔ بعض مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے جہاد کے لیے مسجد میں عطیات کا اعلان بھی فرمایا ہے اور دینے والوں کی حوصلہ افزائی بھی فرمائی ہے، آپ نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر لشکر بھی ترتیب دیے ہیں، بیرونی وفود سے ملاقاتیں بھی کی ہیں اور صدقات وغنیمت کا مال بھی تقسیم کیا ہے۔ مقدمات کے فیصلے کے لیے قاضی مسجد میں بیٹھ سکتا ہے کہ عوام کی مسجد تک رسائی آسان ہوتی ہے اور قاضی کا بیٹھنا بھی مفادِ عامّہ کے لیے ہوتا ہے، علامہ ابوالحسن برہان الدین مرغینانی قاضی کے بارے میں لکھتے ہیں: ترجمہ: ”اور (قاضی) فیصلہ کرنے کے لیے مسجد میں کھلے عام بیٹھے تاکہ اُس کی نشست گاہ مسافروں اور بعض مقیم لوگوں کے لیے مشتبہ نہ ہو اور جامع مسجد میں بیٹھنا افضل ہے، کیونکہ وہ مشہور ہوتی ہے۔ (الہدایہ، ج:۵، ص:۳۴۵، مکتبۃ البشریٰ)۔“

ظاہر ہے قضا بھی مفادِ عامّہ کا مسئلہ ہے اور اسی لیے رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدینؓ نے مسجدِ نبوی میں بیٹھ کر فیصلے کیے ہیں، تاہم آج کل نہ اس کے مواقع ہیں اور نہ اس دور کا مسئلہ ہے، کیونکہ اب اس کے لیے مستقل ادارے اور نظام قائم ہے، البتہ پولیو ویکسین اور فری میڈیکل کیمپ کی بابت اعلان مفادِ عامّہ کا مسئلہ ہے، لہٰذا مفتی کو اس بارے میں وسعتِ نظر سے کام لینا چاہیے اور مسلمانوں کی مصلحتِ عامّہ کو پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

امام سنتیں پڑھے بغیر امامت کروا سکتے ہیں؟

(حضور زبدۃ المشائخ) نماز عصر کے لیے تشریف لا رہے تھے تو میں (عبد الوہاب چشتی) نے مسجد کو آتے ہوئے عرض کیا کہ حضور اگر ظہر کے پہلے چار سنت نہ پڑھے ہوں تو (کیا) امامت کرا سکتے ہیں؟ فرمایا: کہ ہاں! لیکن بہتر ہے کہ پڑھ لیں دو چار منٹ لوگ انتظار کر لیں تو کیا ہو جاتا ہے۔ پھر مصلی شریف پر تشریف فرما ہوئے۔ اور فرمانے لگے کہ یہ ایسے ہی غلط رواج ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں کہ نماز قضاء ہو جائے گی پورے ٹائم کا کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ حالانکہ سب نمازوں سے کم وقت فجر اور مغرب کی نماز کا ہوتا ہے اور پوری رات کے ساتویں کے برابر ہے۔ یعنی رات ہو گی اس کا ساتواں حصہ جتنا وقت فجر کی نماز کی ادائیگی کا ہے اور جتنا پورا دن ہو گا اس کے ساتواں حصہ کا وقت مغرب کی نماز کی ادائیگی کا ہو گا۔ اور فرمایا! کہ ظہر کا وقت ہمارے حنفی مذہب میں دو مثل سایہ تک ہے۔ فرمایا کہ آج کل یہاں پانچ بجے عصر داخل ہوتی ہے۔ اہلحدیث کے ہاں ساڑھے چار بجے داخل ہوتی ہے۔ لیکن حنفی مذہب کی پانچ بجے آج کل عصر داخل ہوتی ہے۔ فرمایا! کہ حضرت جبرائیل نے جو حضور ﷺ کو نمازیں پڑھائیں۔ ایک دن اول وقتوں میں۔ دوسرے دن آخر وقت میں پڑھیں فرمایا! کہ بس خواہ مخواہ لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ نماز قضا ہو جائے گی۔ حالانکہ ہر نماز کا (مقررہ) وقت ہے فرمایا! کہ پہلے امام سنت ادا کرے پھر ظہر کی جماعت کرائے سارے تو چار منٹ لگتے ہیں انتظار کرنا چاہیے۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۹۲، ۹۳)

توضیح ملفوظ:-

واضح رہے کہ کسی بھی فرض نماز کی امامت کرنے کے لیے فرض سے پہلے سنتوں کا پڑھنا لازم نہیں ہے، اگر کوئی امام سنتیں پڑھے بغیر فرض نماز کی امامت کرواتا ہے تو وہ فرض نماز بغیر کسی کراہت کے ادا ہو جائے گی۔ تاہم چوں کہ فجر سے پہلے دو سنتیں اور ظہر سے پہلے چار سنتیں سنن مؤکدہ میں سے ہیں، اس لیے امام کو چاہیے کہ وہ جماعت

کے طے شدہ وقت سے پہلے ہی سنت ادا کرنے کا اہتمام کرلے، اگر کبھی جماعت کا وقت ہو جائے اور امام نے سنتیں نہ پڑھی ہوں تو مقتدیوں کو چاہیے کہ امام کو سنتوں کی ادائیگی کا موقع دے دیں، لیکن اگر امام سنتیں پڑھے بغیر بھی فرض نماز پڑھالے تو نماز کسی قسم کی کراہت کے بغیر ادا ہو جائے گی۔

حدیث شریف میں ہے: "عن عائشة أن النبی صلی اللہ علیه وسلم کان إذا لم یصل أربعا قبل الظهر صلاهن بعدها۔"

(أخرجه الامام الترمذی فی سننه فی باب آخر بعد باب ماجاء فی الرکعتین بعد الظهر، ۲/ ۲۹۱، ط: مصر)

مفہوم: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ جب جناب رسول اللہ ﷺ سے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں رہ جاتیں تو ظہر کی جماعت کے بعد ادا کرلیا کرتے تھے۔ اور ظاہر ہے آنحضرت ﷺ ہی امام ہوا کرتے تھے۔

فجر و ظہر کی نماز کا وقت:-

نماز عصر کیلئے حضور تشریف لائے۔ جماعت کیلئے ابھی وقت باقی تھا چونکہ ایک ہفتہ علالت کی بناء پر نمازوں میں تشریف نہ لا سکے تھے اس لئے نصر اللہ بھائی سے پوچھا کہ فجر کی جماعت آجکل کتنے بجے پڑھ رہے ہو۔ عرض کیا پونے پانچ بجے۔ فرمایا! کہ نہیں اب وقت تبدیل ہو گیا ہے پُورے 5 بجے پڑھا کرو۔ کیونکہ حضور پاک کا فرمان مبارک ہے "فجر کی نماز روشنی میں ادا کرو" فرمایا! جب ذرا روشنی ہو جائے تو زیادہ ثواب ہے۔ چونکہ نماز ظہر کی جماعت آجکل یہاں، 3:30 پر ادا ہو رہی ہے۔ تو میں نے عرض کیا کہ غریب نواز ظہر کی جماعت دیر سے تو نہیں اس کا ٹائم بھی تبدیل فرمائیں گے۔ فرمایا! کہ نہیں وہ ابھی ٹھیک ہے کیونکہ گرمیاں ہیں ابھی۔ اور حضور سرکار دوعالم ﷺ کا فرمان مبارک ہے "نماز ظہر سرد کر کے ادا کرو" یعنی ذرا گرمی کی سختی ختم ہو جائے تو۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۷)

توضیح ملفوظ:-

اوپر جو حدیث فجر کی نماز کے بارے میں حضرت صاحب نے بیان کی ہے،

ملاحظہ فرمائیں

"عن رافع بن خديج، قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: "اسفروا بالفجر، فإنه اعظم للاجر". قال: وقد روى شعبة، والثورى هذا الحديث، عن محمد بن إسحاق، قال: ورواه محمد بن عجلان ايضا، عن عاصم بن عمر بن قتادة، قال: وفى الباب عن ابى برزة الاسلمى، وجابر، وبلال. قال ابو عيسى: حديث رافع بن خديج حسن صحيح، وقد راى غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبى صلى الله عليه وسلم والتابعين الإسفار بصلاة الفجر، وبه يقول سفيان الثورى، وقال الشافعى، واحمد، وإسحاق معنى الإسفار: ان يضح الفجر فلا يشك فيه، ولم يروا ان معنى الإسفار تاخير الصلاة۔ (سنن ترمذی حدیث نمبر ۱۵۴)

رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کو فرماتے سنا: "فجر خوب اجالا کر کے پڑھو، کیونکہ اس میں زیادہ ثواب ہے۔" امام ترمذی کہتے ہیں: رافع بن خدیج کی حدیث حسن صحیح ہے، اس باب میں ابوبرزہ اسلمی، جابر اور بلال رضی اللہ عنہم سے بھی احادیث آئی ہیں، صحابہ کرام اور تابعین میں سے کئی اہل علم کی رائے نماز فجر اجالا ہونے پر پڑھنے کی ہے۔ یہی سفیان ثوری بھی کہتے ہیں۔ اور شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ "اسفار" "اجالا ہونے" کا مطلب یہ ہے کہ فجر واضح ہو جائے اور اس کے طلوع میں کوئی شک نہ رہے، "اسفار" کا یہ مطلب نہیں کہ نماز تاخیر (دیر) سے ادا کی جائے۔ ظہر کی نماز کے بارے میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کے ساتھ سفر پر تھے مؤذن نے ظہر کی اذان کہنا چاہی: فقال النبى! (أبرد) ثم أراد أن يوذن فقال له (أبرد) حتى رأينا فئ التلول فقال النبى! (إن شدة الحر من فيح جهنم فإذا اشتد الحر فأبردوا بالصلاة)

(صحیح بخاری: ۵۳۹)

"آپ نے فرمایا ٹھنڈا کرو۔ پھر مؤذن نے ارادہ کیا کہ اذان کہے تو آپ نے اسے

پھر فرمایا کہ ٹھنڈا کرو یہاں تک کہ ہم نے ٹیلوں کا سایہ دیکھ لیا پھر آپ نے فرمایا: بے شک گرمی کی شدت جہنم کے سانس میں سے ہے، پس جب گرمی زیادہ ہو تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔"

☜ نماز باجماعت کی ترغیب:-

"مغرب کی نماز کے بعد جب آپ نے دعا مانگی تو دعا کے فوراً بعد ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے جو نماز کے لئے لیٹ آرہے تھے، نصیحت فرمائی کہ آپ لوگوں کو ہدایت نصیب ہو، کچھ خدا کا خوف کرو، نماز مغرب کے لئے اذان شروع ہو جاتی ہے۔ اور آپ لوگ اس وقت بھی گپ شپ اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ پھر بھاگ بھاگ کر وضو کرنے آتے ہو۔ اور جماعت کی رکعتوں سے بھی رہ جاتے ہو، آپ لوگ آؤ تکبیر تحریمہ میں شریک ہوں۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نمازوں میں سستی کرنا منافقین کی نشانی ہے۔ آپ لوگ کیوں منافقین کی نشانیاں اپناتے ہو۔ پہلے زمانے میں مسجد میں (مالک بن دینار کا) ایک قول لکھا ہوتا تھا، "کہ مومن مسجد میں اس طرح ہوتا ہے کہ جس طرح مچھلی پانی میں" فرمایا! کہ آپ لوگ نماز بھی پڑھتے ہو لیکن اس طرح کیوں کرتے ہو اس طرح سستی نہ کیا کریں۔" (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۹۴)

توضیح ملفوظ:-

باجماعت نماز پڑھنے کا اجر و ثواب

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً۔

جماعت کے ساتھ نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ (صحیح بخاری:۶۴۵)

تکبیر تحریمہ پانے کی برکات

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى لِلّٰهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا فِي جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولٰى، كُتِبَتْ لَهُ بَرَاءَتَانِ، بَرَاءَةٌ مِنَ النَّارِ، وَبَرَاءَةٌ مِنَ النِّفَاقِ۔

جس نے اللہ کی رضا کے لیے چالیس دن تک تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز پڑھی تو اس کے لیے دو قسم کی برات لکھی جائے گی: ایک آگ سے برات، دوسری نفاق سے برات۔ (سنن ترمذی:۲۴۱)

امام کے ساتھ متصل تکبیر کہہ کر اقتدا کرے تو بالاتفاق تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا، البتہ اس کے بعد بھی وسعت دی گئی ہے، اس میں مختلف اقوال ہیں: (۱) ثناء سے پہلے پہلے شریک ہو جائے۔ (۲) سورۂ فاتحہ کے نصف سے پہلے امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔ (۳) سورۂ فاتحہ کے ختم ہونے تک شامل ہو جائے۔ (۴) پہلی رکعت کے رکوع سے پہلے شامل ہو جائے۔ اس قول کی تصحیح کی گئی ہے، لہٰذا جو شخص پہلی رکعت کے رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہو جائے تو اس کو بھی تکبیر اولیٰ کا ثواب مل جائے گا۔

نمازوں میں سستی و کاہلی منافقین کی نشانی:-

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾" (سورہ النساء:۱۴۲)

بیشک منافق (بزعم خویش) اللہ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ انہیں (اپنے ہی) دھوکے کی سزا دینے والا ہے، اور جب وہ نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کے ساتھ (محض) لوگوں کو دکھانے کیلئے کھڑے ہوتے ہیں اور اللہ کو یاد (بھی) نہیں کرتے مگر تھوڑا۔"

سورہ التوبہ میں اللہ کریم نے فرمایا کہ:- وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ (التوبۃ،۹:۵۴)

اور ان سے ان کے نفقات (یعنی صدقات) کے قبول کیے جانے میں کوئی (اور) چیز انہیں مانع نہیں ہوئی سوائے اس کے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کے منکر ہیں اور وہ نماز کی ادائیگی کے لیے نہیں آتے مگر کاہلی و بے رغبتی کے ساتھ اور وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ (بھی) نہیں کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناخوش ہوتے ہیں۔

حدیث نبوی ہے مصطفیٰ کریم ﷺ نے فرمایا "عن ابن عباس، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "من سمع المنادي فلم يمنعه من اتباعه، عذر، قالوا: وما العذر؟، قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التي صلى۔" (سنن أبي داود: ۱/۱۵۱)

حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو مؤذن کی آواز سنے اور کسی عذر کے نہ ہونے کے باوجود مسجد کو نہ جائے (بلکہ گھر میں ہی نماز پڑھ لے) تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ صحابہ نے پوچھا: عذر کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: خوف (یعنی دشمن کا) یا مرض۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے نماز میں کوتاہی کرنے والوں کی سخت مذمت فرمائی ہے، سورۃ مریم میں انبیاءِ کرام علیہم السلام کے ذکرِ خیر کے بعد فرمایا کہ ان کے بعد ایسے ناخلف آئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کیا اور خواہشِ نفس کے پیچھے ہو لیے، چناں چہ وہ بہت جلد جہنم میں داخل ہوں گے۔

"فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾" (مریم:۵۹)

تفسیر طبری میں اسی آیت کے تحت مذکور ہے کہ

"روى ابن جريرٍ عن عمر بن عبدالعزيز: "لم تكن إضاعتهم تركها، ولكن أضاعوا الوقت۔" (تفسیر الطبری ج:۱۶ ص:۹۸)

ابن جریر روایت کرتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں نماز ضائع کرنے کا مطلب نمازوں کے مقررہ اوقات کا خیال نہ رکھنا ہے۔

-:نماز باجماعت کے بعد تین مرتبہ دعامانگنا-:

(راقم ملفوظات صوبیدار عبد الرشید صاحب لکھتے ہیں کہ) آپ جناب نے دعا کے متعلق فرمایا کہ ہمارے بزرگ تین مرتبہ دعا کرتے ہیں۔

(ملفوظات، صوبیدار عبد الرشید صفحہ نمبر ۳۸)

توضیح ملفوظ-:

درگاہ عالیہ چشتیہ سلیمانیہ، تونسہ شریف کے مشائخ کا معمول ہے کہ حضرات ہر نماز باجماعت کے بعد تین مرتبہ دعا مانگتے ہیں، اور مشائخ درگاہ گڑھی شریف کا بھی بعینہ یہی معمول ہے، کچھ لوگ اس بارے میں سوال کرتے تھے کہ تین مرتبہ دعا کیوں مانگتے ہیں، تو عرض یہ ہے کہ اللہ کریم نے خود ہی ارشاد فرمایا کہ "قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ" اور تمہارے رب نے فرمایا مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا"

اور حبیب کریم رؤف الرحیم ﷺ نے فرمایا: اذا سأل احدکم فلیکثر فأنه یسأل ربه۔ جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو کثرت سے مانگے۔ کیونکہ وہ اپنے رب سے مانگ رہا ہے۔ (صحیح ابن حبان رقم الحدیث ۸۹۰)

نماز کے بعد دعا کرنا حدیث اور عمل صحابہ کرام علیہم الرضوان، سب سے ثابت ہے۔ قرآن عظیم میں فرمایا: فاذا فرغت فانصب۔ (الم نشرح:۷)

صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: اذا فرغت من الصلاۃ فانصب فی الدعاء واسال اللہ وارغب الیه۔ یعنی جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعاء میں کوشش کریں اور اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور اس کی طرف متوجہ ہوں۔

(جامع البیان للطبری، ج ۲۴ ص، ۴۹۶، تفسیر ابن ابی حاتم الرازی ج:۲۱، ص:۴۲۷)

اور جناب حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس آیہ مقدسہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: امره اذا فرغ من صلاته ان یبالغ فی الدعاء۔ یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو حکم دیا ہے کہ: جب اپنی نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعاء میں مبالغہ کریں۔

(جامع البیان للطبری ج۲۴ ص۶۹۴)۔

معلوم ہوا کہ کثرت سے رب کریم کی بارگاہ میں دست سوال دراز کرنا چاہیے اور یہی آداب دعا میں سے بھی ہے کہ رب کریم سے تین مرتبہ دعا مانگنا چاہیے جیسا کہ الحصن الحصین من کلام سید المرسلین الأذکار والأدعیة النبویة" میں إمام أبی الخیر محمد بن محمد بن محمد ابن الجزری آداب دعا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "وأن یکرر الدعاء والتثلیث۔" کہ کم از کم تین مرتبہ دعا مانگنا۔
(الحصن، الحصین صفحہ نمبر ۲۵)

اب وہ احادیث ملاحظہ فرمائیں جن میں آپ ﷺ نے تین تین مرتبہ اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا کی ہے۔

حدیث نمبر۱-: عن عبد الله، ان رسول الله صلی الله علیه وسلم "کان یعجبه ان*یدعو ثلاثا، ویستغفر ثلاثا۔" (سنن ابی داؤد داؤد، حدیث نمبر:۱۵۲۴)

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تین تین بار دعا مانگنا اور تین تین بار استغفار کرنا اچھا لگتا تھا۔

حدیث نمبر-۲: عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ ﷺ يُصَلِّي عِنْدَ الْبَيْتِ، وَأَبُو جَهْلٍ وَأَصْحَابٌ لَهُ جُلُوسٌ، وَقَدْ نُحِرَتْ جَزُورٌ بِالْأَمْسِ، فَقَالَ أَبُو جَهْلٍ: أَيُّكُمْ يَقُومُ إِلَى سَلَا جَزُورِ بَنِي فُلَانٍ، فَيَأْخُذُهُ فَيَضَعُهُ فِي كَتِفَيْ مُحَمَّدٍ إِذَا سَجَدَ؟ فَانْبَعَثَ أَشْقَى الْقَوْمِ فَأَخَذَهُ، فَلَمَّا سَجَدَ النَّبِيُّ ﷺ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، قَالَ: فَاسْتَضْحَكُوا، وَجَعَلَ بَعْضُهُمْ يَمِيلُ عَلَى بَعْضٍ وَأَنَا قَائِمٌ أَنْظُرُ، لَوْ كَانَتْ لِي مَنَعَةٌ طَرَحْتُهُ عَنْ ظَهْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ، وَالنَّبِيُّ ﷺ سَاجِدٌ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ حَتَّى انْطَلَقَ إِنْسَانٌ فَأَخْبَرَ فَاطِمَةَ، فَجَاءَتْ وَهِيَ جُوَيْرِيَةٌ، فَطَرَحَتْهُ عَنْهُ، ثُمَّ أَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَشْتِمُهُمْ، فَلَمَّا قَضَى النَّبِيُّ ﷺ صَلَاتَهُ، رَفَعَ صَوْتَهُ، ثُمَّ دَعَا عَلَيْهِمْ، وَكَانَ إِذَا دَعَا دَعَا ثَلَاثًا، وَإِذَا سَأَلَ سَأَلَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ: "اللهُمَّ، عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ" ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَلَمَّا سَمِعُوا صَوْتَهُ ذَهَبَ عَنْهُمُ الضِّحْكُ،

وَخَافُوا دَعْوَتَهُ، ثُمَّ قَالَ: "اللهُمَّ، عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلِ بْنِ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُقْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ" -وَذَكَرَ السَّابِعَ وَلَمْ أَحْفَظْهُ- فَوَالَّذِي بَعَثَ مُحَمَّدًا ﷺ بِالْحَقِّ، لَقَدْ رَأَيْتُ الَّذِينَ سَمَّى صَرْعَى يَوْمَ بَدْرٍ، ثُمَّ سُحِبُوا إِلَى الْقَلِيبِ- قَلِيبِ بَدْرٍ- قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: "الْوَلِيدُ بْنُ عُقْبَةَ غَلَطٌ فِي هَذَا الْحَدِيثِ۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۷۹۴)

زکریا (بن ابی زائدہ) نے ابو اسحاق سے، انہوں نے عمرو بن میمون اودی سے، انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، انہوں نے کہا: ایک بار رسول اللہ ﷺ بیت اللہ کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل اور اس کے ساتھی بھی بیٹھے ہوئے تھے، اور ایک دن پہلے ایک اونٹنی ذبح ہوئی تھی۔ ابو جہل نے کہا: تم میں سے کون اٹھ کر بنی فلاں کے محلے سے اونٹنی کی بچے والی جھلی (بچہ دانی) لائے گا اور محمد سجدے میں جائیں تو اس کو ان کے کندھوں کے درمیان رکھ دے گا؟ قوم کا سب سے بدبخت شخص (عقبہ بن ابی معیط) اٹھا اور اس کو لے آیا۔ جب نبی ﷺ سجدے میں گئے تو اس نے وہ جھلی آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان رکھ دیا، پھر وہ آپس میں خوب ہنسے اور ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ میں کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا، کاش! مجھے کچھ بھی تحفظ حاصل ہوتا تو میں اس جھلی کو رسول اللہ ﷺ کی پشت سے اٹھا کر پھینک دیتا، نبی ﷺ سجدے میں تھے۔ اپنا سر مبارک نہیں اٹھا رہے تھے، حتی کہ ایک شخص نے جا کر حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خبر دی، وہ آئیں، حالانکہ وہ اس وقت کم سن بچی تھیں، انہوں نے وہ جھلی اٹھا کر آپ ﷺ سے دور پھینکی۔ پھر وہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئیں اور انہیں سخت سست کہا۔ جب نبی ﷺ نے اپنی نماز مکمل کر لی تو آپ ﷺ نے باآواز بلند ان کے خلاف دعا کی، آپ جب کوئی دعا کرتے تھے تو تین مرتبہ دعا کرتے تھے اور آپ ﷺ اگر کچھ مانگتے تو تین بار مانگتے تھے، پھر آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا: "اے اللہ! قریش پر گرفت فرما۔" جب قریش نے آپ ﷺ کی آواز سنی تو ان کی ہنسی جاتی رہی اور وہ آپ کی

بد دعا سے خوف زدہ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے پھر بد دعا فرمائی: اے اللہ! ابو جہل بن ہشام پر گرفت فرما اور عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عقبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط پر گرفت فرما۔" (ابو اسحاق نے کہا:) انہوں (عمرو بن میمون) نے ساتویں شخص کا نام بھی لیا تھا لیکن وہ مجھے یاد نہیں رہا (بعد ازاں ابو اسحاق کو ساتویں شخص عمارہ بن ولید کا نام یاد آ گیا تھا۔ (ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا:) اس ذات کی قسم جس نے محمد ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے! جن کا آپ ﷺ نے نام لیا تھا میں نے بدر کے دن ان کو مقتول پڑے دیکھا، پھر ان سب کو گھسیٹ کر کنویں، بدر کے کنویں کی طرف لے جایا گیا اور انہیں اس میں ڈال دیا گیا۔ ابو اسحاق نے کہا: اس حدیث میں ولید بن عقبہ (کا نام) غلط ہے۔ (صحیح ولید بن عتبہ ہے)

حدیث نمبر ۳: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ سَأَلَ الْجَنَّةَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ الْجَنَّةُ اللَّهُمَّ أَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَمَنِ اسْتَجَارَ مِنَ النَّارِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَتِ النَّارُ اللَّهُمَّ أَجِرْهُ مِنَ النَّارِ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۳۴۰)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے تین بار جنت مانگتا ہے۔ جنت (جنت کے اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے) کہتی ہے۔: یا اللہ! اسے جنت میں داخل فرما دے۔ اور جو کوئی تین بار (جہنم کی) آگ سے پناہ مانگتا ہے۔ جہنم (جہنم اس کے حق میں دعا کرتے ہوئے) کہتی ہے۔ یا اللہ! اسے آگ سے محفوظ فرما۔

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ دعا تین بار مانگنا مسنون ہے

حدیث نمبر ۴: عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ قَيْسِ بْنِ مَخْرَمَةَ بْنِ الْمُطَّلِبِ أَنَّهُ قَالَ يَوْمًا: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِّي وَعَنْ أُمِّي؟ فَظَنَنَّا أَنَّهُ يُرِيدُ أُمَّهُ الَّتِي وَلَدَتْهُ قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضی اللہ عنہ أَلَا أُحَدِّثُكُمْ عَنِّي وَعَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قُلْنَا بَلَى قَالَتْ لَمَّا كَانَتْ لَيْلَتِيَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ ﷺ فِيهَا عِنْدِي انْقَلَبَ فَوَضَعَ رِدَائَهُ وَخَلَعَ نَعْلَيْهِ فَوَضَعَهُمَا عِنْدَ رِجْلَيْهِ وَبَسَطَ طَرَفَ إِزَارِهِ عَلَى فِرَاشِهِ فَاضْطَجَعَ فَلَمْ يَلْبَثْ

اِلاَّ رَیْثَمَا ظَھَرَ اَنَّہٗ قَدْ رَقَدْتُ فَاَخَذَ رِدَائَہٗ رُوَیْدًا وَانْتَعَلَ رُوَیْدًا وَفَتَحَ الْبَابَ [رُوَیْدًا] فَخَرَجَ ثُمَّ اَجَافَہٗ رُوَیْدًا فَجَعَلْتُ دِرْعِیْ فِیْ رَأْسِیْ وَاخْتَمَرْتُ وَتَقَنَّعْتُ اِزَارِیْ ثُمَّ انْطَلَقْتُ عَلٰی اِثْرِہٖ حَتّٰی جَاءَ الْبَقِیْعَ فَقَامَ فَاَطَالَ الْقِیَامَ *ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ* ثُمَّ انْحَرَفَ فَانْحَرَفْتُ وَاَسْرَعَ فَاَسْرَعْتُ فَھَرْوَلَ فَھَرْوَلْتُ فَأَحْضَرَ فَأَحْضَرْتُ فَسَبَقْتُہٗ فَدَخَلْتُ فَلَیْسَ اِلاَّ اَنِ اضْطَجَعْتُ فَدَخَلَ فَقَالَ: مَالَكِ یَا عَائِشُ حَشْیَا رَابِیَۃً؟ قَالَتْ: قُلْتُ لَا شَیْئَ یَا رَسُوْلَ اللہ ﷺ قَالَ لَتُخْبِرِیْنِیْ اَوْلَیُخْبِرَنِّیْ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ قَالَتْ قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللہ ﷺ بِأَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ فَأَخْبَرْتُہُ الْخَبَرَ قَالَ فَاَنْتِ السَّوَادُ الَّذِیْ رَاَیْتُہٗ اَمَامِیْ؟ قُلْتُ: نَعَمْ۔ فَلَھَزَنِیْ فِیْ صَدْرِیْ لَھْزَۃً اَوْجَعَتْنِیْ ثُمَّ قَالَ اَظَنَنْتِ اَنْ یَحِیْفَ اللہ عَلَیْكِ وَرَسُوْلُہٗ؟ قَالَتْ: مَھْمَا یَكْتُمِ النَّاسُ یَعْلَمْہُ اللہ (قَالَ) نَعَمْ۔ قَالَ: ((فَاِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَانِیْ حِیْنَ رَاَیْتِ فَنَادَانِیْ فَاَخْفَاہُ مِنْكِ فَاَجَبْتُہٗ فَاَخْفَیْتُہٗ مِنْكِ وَلَمْ یَكُنْ لِیَدْخُلَ عَلَیْكِ وَقَدْ وَضَعْتِ ثِیَابَكِ وَظَنَنْتُ اَنْ قَدْ رَقَدْتِ فَكَرِھْتُ اَنْ اُوْقِظَكِ وَخَشِیْتُ اَنْ تَسْتَوْحِشِیْ فَقَالَ اِنَّ رَبَّكَ یَأْمُرُكَ اَنْ تَأْتِیَ اَھْلَ الْبَقِیْعِ فَتَسْتَغْفِرَ لَھُمْ قَالَ قُوْلِیْ: اَلسَّلَامُ عَلٰی اَھْلِ الدِّیَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَیَرْحَمُ اللہ الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَأْخِرِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللہ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ۔

(صحیح مسلم ر کتاب الجنائز ر باب مایقال عند دخول المقابر، سنن نسائی ر کتاب الجنائز ر باب الامر بالاستغفار للمؤمنین)

ترجمہ: ”محمد بن قیس بن مخرمہ بن المطلب نے ایک دن کہا: میں اپنی اور اپنی ماں کی بات نہ بتاؤں؟ ہم نے سمجھا کہ وہ اپنی حقیقی والدہ کی بات کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگے: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ میں تمہیں اپنی اور رسول اللہ ﷺ کی ایک روداد نہ سناؤں؟ ہم نے کہا: ہاں کیوں نہیں۔ تو فرمانے لگیں: ایک روز میری باری پر رسول اللہ ﷺ میرے ہاں تھے۔ گھر پہنچ کر آپ نے چادر رکھ دی، جوتے بھی اتار کر پاؤں کے قریب رکھ دیئے اور اپنی چادر کا ایک حصہ بستر پر بچھا کر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد جب

انہیں اندازہ ہوا کہ میں سو چکی ہوں تو آہستہ سے چادر اٹھائی، چپکے سے جوتے پہنے، دروازہ کھول کر باہر نکل گئے اور آہستہ سے دروازہ بند کر دیا۔ چنانچہ میں نے بھی اوڑھنے کی چادر سر پر رکھی اور تیار ہو گئی۔ پھر میں آپ کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ حتی کہ آپ ﷺ بقیع میں تشریف لائے۔ آپ دیر تک ٹھہرے رہے، پھر آپ نے تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا کی، جب آپ پلٹے تو میں بھی پلٹ پڑی۔ آپ نے قدم تیز کیے تو میں بھی تیز ہو گئی۔ آپ نے دوڑنا شروع کر دیا، تو میں بھی دوڑنے لگی، آپ بھی پہنچے میں بھی پہنچ گئی، لیکن ذرا پہلے بس میں لیٹی ہی تھی کہ آپ تشریف لے آئے۔ پوچھا: ''عائش (حضرت عائشہ کا لاڈ کا نام) سانس کیوں پھول رہا ہے؟'' میں نے کہا: کوئی بات نہیں۔ فرمایا: ''بتا دو تو ٹھیک ہے ورنہ اللہ علیم وخبیر بتا دے گا۔'' میں نے کہا: میرے والدین آپ پر نثار اور پھر ساری بات بتا دی۔ آپ نے فرمایا: ''وہ ہیولا سا میرے آگے آگے تم تھیں؟'' میں نے کہا: ہاں۔ پھر آپ نے (شفقت آمیز انداز سے) میرے سینے پر زور دار ہاتھ مارا، جس سے مجھے تکلیف ہوئی۔ پھر فرمایا: ''تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ تمہارے ساتھ ناانصافی کریں گے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: لوگ جتنا بھی چھپاتے رہیں، اللہ تو جانتا ہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں۔'' پھر آپ نے حقیقت حال بیان کرتے ہوئے کہا، جب تم نے دیکھا اس وقت جبریل امین آئے تھے، انہوں نے مجھے آہستہ سے بلایا، تاکہ تمہیں اطلاع نہ ہو، میں نے بھی آہستہ سے جواب دیا، تاکہ تمہیں خبر نہ ہو، وہ تمہارے پاس نہیں آسکتے تھے، کیونکہ تم نے (زائد) کپڑے اتار لیے تھے۔ میرا خیال تھا کہ تم سو چکی ہو، تمہیں جگانا پسند نہ کیا۔ مجھے اندیشہ تھا کہ تم ڈرو گی۔ جبریل امین نے آکر کہا کہ تمہارے رب کا حکم ہے کہ اہل بقیع کے پاس جا کر ان کے حق میں دعائے مغفرت کرو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ میں ایسے موقع پر ان کے لیے کیا کہا کروں؟ آپ نے فرمایا: ''کہو مؤمن اور مسلمان گھر والوں پر اللہ کی سلامتی ہو، اللہ اگلوں اور پچھلوں پر رحمت فرمائے۔ ہم بھی ان شاء اللہ تمہارے

پاس، پہنچنے والے ہیں۔"

اسی حدیث کے تحت علامہ نووی فرماتے ہیں کہ "فیه استحباب إطالة الدعاء وتکریره ورفع الیدین فیه" کہ اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دعا کو طویل کرنا اور تکرار اور ہاتھوں کا اٹھانا مستحب ہے

(شرح صحیح مسلم لنووی، جلد نمبر نمبر۷، صفحہ نمبر۶۱)۔

مکتوبات صدی میں حضرت یحییٰ منیری رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ

بعضوں کے نزدیک تین بار بعضوں کے نزدیک پانچ بار بعضوں کے نزدیک سات بار دعا یا سوال کرنا چاہیے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت پیغمبر ﷺ جب دعا فرماتے تھے تو یقینی تین بار سوال فرماتے۔ یہاں پر ایک بات اور بھی قابل خیال ہے یعنی جب دعا یا سوال شروع کرو تو پہلے تین بار درود شریف پڑھ لیا کرو اور جب ختم کرو جب بھی درود شریف پڑھ لینا چاہیے حضرت ابو سعید درانی رحمہ اللہ علیہ سے یہ مروی ہے اس ترکیب سے امید اجابت ہے۔

(مکتوبات صدی صفحہ نمبر۲۶۱، از شرف الدین یحییٰ منیری رحمہ اللہ تعالیٰ)

اس پوری تفصیل سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ دعا مانگنا مستحسن عمل ہے

☜ :سجدہ سہو کا لازم ہونا:-

آپ جناب نے نماز عصر کے بعد حافظ حامد کو جو کہ آج کل میری (راقم ملفوظات عبد الوہاب چشتی) بیماری کی وجہ سے امامت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، سے فرمایا! کہ نیت کرتے وقت ہاتھ آگے نہ باندھیں۔ بلکہ کھلے لٹکائے رکھیں کہ کسی کو شک ہو گا کہ امام نیت باندھ چکا ہے۔ اور فرمایا! کہ پہلا قعدہ آپ کا بہت لمبا ہوتا ہے لوگوں کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ تو امام کے تابع ہیں ان کا ہو جاتا ہے۔ آپ التحیات پڑھ کر اُٹھ جایا کریں پھر فرمایا! کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک "اللھم صل علی محمد" اور صاحبین کے نزدیک "و علی آل محمد" تک اگر پڑھیں تو سجدہ سہو (لازم) آ جائے گا۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر:۱۴۲)

توضیحِ ملفوظ:-

فرض، واجب اور سنتِ مؤکدہ یعنی ظہر سے پہلے کی چار رکعت اور جمعہ سے پہلے اور بعد کی چار رکعت کے قعدہ اُولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھے بغیر فوراً تیسری رکعت کے لیے کھڑے ہو جانا ضروری ہے، لہٰذا اگر بھول سے درود شریف شروع کر دیا تو یاد آتے ہی اسے چھوڑ کر تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اس لیے کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرض نماز کے قعدہ اُولیٰ میں درود شریف پڑھنا ثابت نہیں ہے، بلکہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ آپ ﷺ قعدہ اولیٰ اتنا مختصر فرمایا کرتے تھے گویا آپ گرم زمین پر تشریف فرما ہوں، جو بلاشبہ قعدہ اولیٰ سے تیسری رکعت کے لیے جلد اٹھنے کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی آپ ﷺ تشہد پڑھتے ہی تیسری رکعت کے لیے اٹھ جایا کرتے تھے۔ لہٰذا مذکورہ بالا نمازوں کے قعدہ اُولیٰ میں تشہد کے بعد درود شریف کا اتنا حصہ ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ“ تک سے پڑھنے سے ایک قول کے مطابق سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اور دوسرا قول ”آلِ مُحَمَّدٍ“ تک پڑھنے پر سجدۂ سہو کے واجب ہونے کا ہے۔ لہٰذا احتیاط اسی میں ہے کہ پہلے قول کے مطابق سجدۂ سہو ادا کر لیا جائے، تاہم اگر کسی نے دوسرے قول کا اعتبار کرتے ہوئے سجدۂ سہو نہیں کیا تب بھی نماز ادا ہو جائے گی۔ البتہ ”آلِ مُحَمَّدٍ“ تک اگر کوئی پڑھ لے تو اس پر سجدۂ سہو کے واجب ہونے میں اتفاق ہے۔ اگر سجدۂ سہو نہیں کیا تو نماز وقت کے اندر واجب الاعادہ ہو گی، وقت گزرنے کے بعد اعادہ مستحب ہو گا۔ البتہ سنتِ غیر مؤکدہ اور نفل نمازوں میں قعدہ اولی میں تشہد کے بعد درود شریف پڑھنا جائز ہے، بلکہ اسے مستحب لکھا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ ہے کہ: عَنْ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِيْهِ قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُوْلَيَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ-قَالَ شُعْبَةُ-: ثُمَّ حَرَّكَ سَعْدٌ شَفَتَيْهِ بِشَيْءٍ فَأَقُوْلُ: حَتّٰى يَقُوْمَ، فَيَقُوْلُ: حَتّٰى يَقُوْمَ۔ هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ إِلَّا أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ لَمْ يَسْمَعْ

مِنْ أَبِيهِ. وَالْعَمَلُ عَلَى هٰذَا عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ يَخْتَارُونَ أَنْ لَا يُطِيلَ الرَّجُلُ الْقُعُودَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ وَلَا يَزِيدَ عَلَى التَّشَهُّدِ شَيْئًا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ، وَقَالُوا: إِنْ زَادَ عَلَى التَّشَهُّدِ فَعَلَيْهِ سَجْدَتَا السَّهْوِ. هٰكَذَا رُوِيَ عَنِ الشَّعْبِيِّ، وَغَيْرِهِ.

ترجمہ: عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب پہلی دونوں رکعتوں میں بیٹھتے تو ایسا لگتا گویا آپ گرم پتھر پر بیٹھے ہیں، شعبہ (راوی) کہتے ہیں: پھر سعد نے اپنے دونوں ہونٹوں کو کسی چیز کے ساتھ حرکت دی تو میں نے کہا: یہاں تک کہ آپ کھڑے ہو جاتے؟ تو انہوں نے کہا: یہاں تک کہ آپ کھڑے ہو جاتے۔ اہل علم کا عمل اسی پر ہے، وہ اسی کو پسند کرتے ہیں کہ آدمی پہلی دونوں رکعتوں میں قعدہ کو لمبا نہ کرے اور تشہد سے زیادہ کچھ نہ پڑھے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر اس نے تشہد سے زیادہ کوئی چیز پڑھی تو اس پر سہو کے دو سجدے لازم ہو جائیں گے، شعبی وغیرہ سے اسی طرح مروی ہے۔

(سنن الترمذی، رقم:٣٦٦)

حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ نُعَيْمٍ الْقَارِي، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، قَالَ: مَنْ زَادَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ عَلَى التَّشَهُّدِ فَعَلَيْهِ سَجْدَتَا سَهْوٍ.

(مصنف ابن ابی شیبہ، رقم:٣٠٢٢)

ترجمہ: جس نے (چار یا تین رکعتوں میں سے) پہلی دو رکعتوں کے بعد والے تشہد میں اضافہ کیا اس پر سجدہ سہو لازم ہے

وَقِيلَ لَا يَجِبُ مَا لَمْ يَقُلْ وَعَلَى آلِ مُحَمَّدٍ، ذَكَرَهُ الْقَاضِي الْإِمَامُ، وَفِي شَرْحِهِ الصَّغِيرِ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ الْقَاضِي الْإِمَامُ هُوَ الَّذِي عَلَيْهِ الْأَكْثَرُ، وَهُوَ الْأَصَحُّ.

(شامی:١/٥١٠)

ترجمہ: اور بعض علما نے یہ بھی کہا ہے کہ جب تک آدمی 'وَعَلٰی آلِ مُحَمَّد' نہ کہے، سجدہ سہو واجب نہیں ہوتا۔ یہی بات قاضی امام نے بیان کی ہے۔ اور ان کی شرحِ

صغیر میں بھی لکھاہے کہ قاضی امام کا قول ہی زیادہ معتبر ہے اور اسی پر اکثر فقہا کی رائے قائم ہے، اور یہی صحیح تر ہے۔

الدر المختار میں ہے: ”وتأخير قيام إلى الثالثة بزيادة على التشهد بقدر ركن وقيل: بحرف، وفي الزيلعي: الأصح وجوبه باللّٰهم صل على محمد۔“ (الدر المختار مع رد المحتار ۸۱ / ۲، ط: سعید)

ترجمہ: تشہد کے بعد بیٹھنے میں زیادہ دیر کر دینا — خواہ ایک رکن کے برابر یا بعض کے نزدیک ایک حرف کے برابر سجدۂ سہو واجب کر دیتا ہے۔ اور صحیح قول یہ ہے کہ اگر اس نے ’اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد‘ کہہ دیا ہو تو سجدۂ سہو لازم ہو گا۔

الفتاوی الہندیہ (فتاوی عالمگیری) میں ہے کہ: لو زاد على التشهد الصلاة على النبي صلى الله عليه وسلم - كذا في التبيين وعليه الفتوى، كذا في المضمرات واختلفوا في قدر الزيادة فقال بعضهم: يجب عليه سجود السهو بقوله: اللهم صل على محمد وقال بعضهم: لا يجب عليه حتى يقول: وعلى آل محمد والأول أصح۔

(الفتاوی الہندیہ، ۱/۱۲۷ ط: دار الفکر)

ترجمہ: تشہد کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہو جاتا ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔ بعض نے ’اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّد‘ پر ہی وجوب کہا ہے، اور بعض نے ’وَعَلٰی آلِ مُحَمَّد‘ تک کہنے پر، مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔“

بحر الرائق میں ہے کہ!

نبی اکرم ﷺ پر درود پڑھا، تو تاخیر کے سبب سجدۂ سہو واجب ہو گا، البتہ اس کی مقدار میں اختلاف ہے، صحیح ترین قول یہ ہے کہ ”اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ“ پڑھنے ہی سے واجب ہو جائے گا، اگرچہ ”وَعَلٰی آلِہٖ“ نہ پڑھا ہو، (البحر الرائق، جلد ۲، ص: ۱۰۵)

سجدہ سہو اس لئے واجب ہوا کہ اس نے فرض میں تاخیر کی جس کی وجہ سے سجدہ سہو لازم ہوا اور اگر اس نے سجدہ سہو نہیں کیا تو یہ نماز نقصان کے ساتھ ادا ہوئی ہے،

اس کا وقت کے اندر اندر اعادہ کرنا واجب ہے، اور وقت کے بعد اعادہ واجب نہیں ہے، البتہ اعادہ کرلینا بہتر ہے۔

-: عمامہ (پگڑی) کے مسائل :-

نماز عصر کیلئے مسجد شریف میں آپ جناب تشریف لائے تو امامت کی پگڑی کا کپڑا اور ٹوپی ہم لوگوں نے پیش کی۔ کیونکہ حضور خود اکثر اس ٹوپی پر عمامے کو باندھتے، تو حضور نے باندھنا شروع کیا اور لٹکانے کے لئے جو پیچھے شملہ ہوتا ہے اس کے بارے میں فرمایا! کہ ایک ہاتھ (جتنا) ہوتا ہے۔ اور (اسی) طرح ناپ کر بتایا۔ پھر کسی نے پوچھا کہ پہلے تو بہت لمبے کپڑے کے بہت بڑے عمامے ہوتے تھے، سنت کے مطابق کتنی لمبائی ہے۔ تو فرمایا کہ تین، چار قسم کے مسنون ہیں۔ پہلا چالیس ہاتھ یعنی ۲۰ گز ہوتا ہے وہ اکثر قاضی وغیرہ پہنتے تھے، دوسرا پندرہ ہاتھ یعنی ساڑھے سات گز۔ غالباً ایک درمیان میں اور بھی بتایا۔ ساڑھے سات گز سے کم والا۔ اور اس کے بعد ساڑھے چار ہاتھ یعنی سوا دو گز کا مسنون ہے اور فرمایا! میرا اپنا عمامہ اتنا یعنی سوا دو گز ہے۔ اس سے کم مسنون نہیں۔ اور فرمایا! کہ آجکل لوگ رومال ٹوپی پر استعمال کرتے ہیں یہ ایسے ہی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے سنت ادا نہیں ہوتی، فرمایا نہیں، بس حیلہ اور نمونہ اور شکل بنانا ہے۔ لیکن سنت نہیں ہے۔

اس وقت تک آپ حضور عمامہ شریف باندھ چکے تھے، اور آپ جناب (عمامہ باندھنے) میں پورے ماہر ہیں، یہ (پگڑی) دیکھ کر کسی نے تعریفی کلمات کہے تو فرمایا کہ میں جب تونسہ شریف جاتا تھا۔ تو خواجہ یوسف صاحبؒ (برادر محترم حضرت خواجہ حافظ سدید الدین تونسوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) پہلے ہی انتظار میں کھڑے ہوتے تھے اور ہاتھ میں عمامہ ہوتا تھا۔ پھر میں ان کا عمامہ باندھتا تھا۔ کسی بوڑھے پیر بھائی نے عرض کیا کہ پہلے آپ جناب اکثر ہر وقت عمامہ رکھتے تھے، فرمایا! میں عمامہ باقاعدہ رکھتا تھا، لیکن اب کمزوری ہے پھر انہیں سکتا، لیکن جمعہ و عرس وغیرہ میں رکھتا ہوں۔ فرمایا، کہ حدیث پاک ہے حضور ﷺ نے فرمایا مسلمانوں اور غیر مسلموں (غالباً یہودیوں) میں فرق یہی ہے کہ مسلمان

ٹوپی کے اوپر عمامہ باندھتے ہیں ”نزدیک ہی بازار کی تیار شدہ ٹوپیاں پڑی تھیں۔ کسی نے ان کے بارے میں پوچھا۔ میں نے بھی عرض کیا کہ ہمارے ہاں لکی مروت میں ایک دفعہ یہ ٹوپیاں ہٹادی گئی تھیں کہ یہ نماز کی توہین ہے تو فرمایا کہ امامت ان کیساتھ نہیں ہوتی ویسے نماز بس ہو جاتی ہے۔ کسی نے ننگے سر نماز کے بارے میں پوچھا۔ تو فرمایا! کہ ٹوپی نہ ہو تو (نماز) ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک اجازت ہے، ایک فضیلت۔ اب نماز ہوتی تو ہے لیکن فضیلت ٹوپی کی ہے، ننگے سر کی نہیں۔ جب ہم اپنے رب کے سامنے جو کہ احکم الحاکمین ہے کھڑے ہوتے ہیں تو کچھ اس طرح فرمایا کہ ہمیں باادب ہونا چاہیے۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۷۶،۷۷)

توضیح ملفوظ:-

سر پر عمامہ اور ٹوپی پہننا مستحب ہے، نبی کریم ﷺ عمومی اَحوال میں عمامہ یا ٹوپی کے ذریعہ سر مبارک کو ڈھانپا کرتے تھے، اسی طرح سے صحابہ و تابعین سے بھی ٹوپی پہننا ثابت ہے، اس لیے سر پر عمامہ یا ٹوپی پہننا سننِ زوائد میں سے ہے جس کا درجہ مستحب کا ہے، اور سر کا ڈھانپنا لباس کا حصہ ہے، صحابہ کرام علیہم الرضوان کا اور آج تک صلحاءِ اُمّت کا بھی یہی معمول ہے، اس لیے ٹوپی اسلامی تہذیب و ثقافت اور لباس کا گویا ایک حصہ ہے، عام حالات میں بھی ننگے سر رہنا ناپسندیدہ اور خلافِ ادب ہے، یہ غیروں کی تہذیب اور ثقافت ہے۔

نیز کاہلی، سستی اور لاپرواہی کی بنا پر ٹوپی کے بغیر ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ ہے، تاہم نماز ادا ہو جائے گی۔ البتہ اگر کبھی ٹوپی پاس نہ ہو اور فوری طور پر کسی جگہ سے میسر بھی نہ ہو سکتی ہو تو اس صورت میں ننگے سر نماز پڑھنے کی وجہ سے کراہت نہیں ہو گی۔

اسی طرح عمامہ باندھنا بھی مستحب ہے، نبی کریم ﷺ بعض اوقات عمامہ زیب تن فرماتے تھے اور بعض اوقات صرف ٹوپی؛ لہٰذا عمامہ باندھنا سننِ زوائد میں سے ہے؛ لہٰذا نبی کریم ﷺ کی اتباع کی نیت سے عمامہ باندھنا سنت (مستحب) ہے، اس کا اہتمام مستحسن ہے۔

کندھے پر یا سر پر رومال رکھنا جائز ہے، بشرطیہ کہ فساق فجار کے طریقے پر نہ ہو، موجودہ زمانہ میں جو مروجہ طریقہ پر کندھے پر رومال رکھنے کا معمول ہے وہ بعینہ سنت تو نہیں ہے، البتہ صلحاءِ اُمّت کا طریقہ ہے، نیز اگر کوئی شخص رومال کو اس نیت سے رکھے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم بسا اوقات (پہنی ہوئی چادر کے علاوہ اضافی) چادر یا رومال استعمال فرماتے تھے تو اجر و ثواب کا مستحق ہوگا۔ چنانچہ احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے پاس کپڑا یا چادر ہوا کرتی تھی، جس سے بعض اوقات وضو کے بعد اعضائے وضو پونچھ لیا کرتے تھے، نیز بعض خاص مواقع کے لیے بھی چند منقش اور غیر منقش چادریں تھیں، جنہیں آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم حسبِ موقع استعمال فرماتے تھے۔

عمامہ کے شملہ کی لمبائی کے بارے میں معجم طبرانی اوسط کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر عمامہ باندھا اور اس کا شملہ چار انگل کے بقدر رکھ کر اس کی تحسین فرمائی۔ جب کہ مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ سے ایک شرعی گز (ڈیڑھ فٹ) کے بقدر اور ایک روایت کے مطابق ایک بالشت کے بقدر شملہ چھوڑنا منقول ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عمامہ کا "شملہ" معتدل ہونا چاہیے، اتنا زیادہ لمبا رکھنا جس سے تکبر کی کیفیت پیدا ہو، اِسبال (کپڑا لٹکانے) کے تحت داخل ہے، جو اَز روئے حدیث منع ہے۔

"عن عروة، عن عائشة، قالت: عمم رسول الله صلى الله عليه وسلم عبد الرحمن بن عوف، وأرخى له أربع أصابع، وقال: "إني لما صعدت إلى السماء رأيت أكثر الملائكة معتمين." (المعجم الأوسط ۸/ ۳۶۹)

مشابہت کے بارے میں حدیثِ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم میں ہے:

فرمایا۔ "ہم میں، اور مشرکین کے درمیان فرق (کی علامت) ٹوپیوں پر عمامہ کا باندھنا ہے۔" یعنی: ہم ٹوپی پر عمامہ باندھتے ہیں اور مشرکین بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد، کتاب اللباس، رقم الحدیث: ۴۰۷۸۔ مرقاۃ المفاتیح، رقم الحدیث: ۴۳۴۰، ۸/ ۲۱۵)

☜ باتھ روم میں وضو کرتے وقت دعائیں پڑھ سکتے ہیں؟

”آپ سے فیروز جنگ (ماموں) نے عرض کیا کہ حضور جس باتھ روم میں قضائے حاجت اور وضو دونوں کی جگہ بنی ہو اور وہاں وضو کرنا چاہیں تو کیا وہاں پر وضو کی دعائیں پڑھ سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں یہ مناسب نہیں۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۱۶۵)

توضیح ملفوظ:-

غسل خانہ اور بیت الخلا جس میں داخل ہونے کے لیے ایک ہی دروازہ ہوتا ہے اور قضائے حاجت کی جگہ اور غسل کی جگہ کے درمیان کوئی دیوار یا آڑ نہیں ہوتی، اس قسم کے غسل خانوں میں وضو کے شروع اور درمیان کی دعائیں زبان سے پڑھنا منع ہے؛ کیوں کہ درمیان میں آڑ نہ ہونے کی وجہ سے یہ بیت الخلا میں پڑھنا شمار ہو گا، اور بیت الخلا میں اذکار پڑھنے سے شریعت نے منع کیا ہے، ایسی جگہ دل ہی دل میں زبان کو حرکت دیے بغیر پڑھنے کی اجازت ہے جس طرح کہ فتاوی شامی میں ہے ”**ویستحب أن لا یتکلم بکلام مطلقاً. أما کلام الناس؛ فلکراھته حال الکشف، وأما الدعاء؛ فلأنه فی مصب المستعمل ومحل الأقذار والأوحال**“

(فتاوی شامی جلد ۱، صفحہ نمبر ۱۵۶)

ترجمہ: مستحب یہ ہے کہ قضائے حاجت کے وقت بالکل بات نہ کرے۔ عام لوگوں کی گفتگو (عام گفتگو) حالت کشف میں مکروہ ہے، اور دعا اس لیے مناسب نہیں کہ یہ جگہ گندگی اور ناپاکی کا محل ہے، (جہاں اللہ کے حضور التجا کرنا شایانِ شان نہیں۔)

☜ ٹوائلٹ پیپر اور کاغذ سے استنجا کرنے کا حکم:-

میں (راقم ملفوظات، عبد الوہاب اعظمی) نے عرض کیا کہ ٹوائلٹ پیپر سے پیشاب وغیرہ (استنجا کرنا) سکھانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟، تو (آپ) نے فرمایا کہ جائز ہے اور ٹھیک ہے کہ یہ اسی لئے بنا ہے اور استعمال کے بعد گل سڑ جاتا ہے، البتہ جو لوگ اخبار کے کاغذ سے استنجا (کرتے) سکھاتے ہیں وہ گمراہ ہیں۔ (کیوں کہ اخبار میں متبرک

اسماء موجود ہوتے ہیں) (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۸)

توضیح ملفوظ:-

ٹوائلٹ پیپر کا اصل مقصد ہی صفائی ہے اسی وجہ سے یہ پانی کو جذب بھی کرتا ہے، نہ تو یہ حقیقتاً کاغذ ہے نہ ہی اس کا استعمال کاغذ کی طرح لکھنے میں ہوتا ہے نہ ہی عرف عام میں اسے کوئی کاغذ کہتا ہے اس لئے اس سے استنجا کرنا بالکل جائز ہے۔

اور جہاں تک لکھنے والے کاغذ کا حکم ہے تو ہر وہ کاغذ جو لکھائی کی غرض سے تیار کیا گیا ہو، چاہے موٹا ہو یا باریک، سادہ ہو یا رنگین، آلہ علم ہونے کی بنا پر قابل احترام ہے، لہٰذا اس سے استنجاء جائز نہیں، مکروہ و ممنوع ہے۔

در مختار میں ہے: "**(و کرہ) تحریما بعظم وطعام وروث وآجر وخزف وزجاج وشیء محترم**" یعنی: ہڈی، کھانے، خشک لید، پختہ اینٹ، ٹھیکری اور محترم چیز سے استنجاء کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

مذکورہ عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شامی علیہ رحمہ فرماتے ہیں: "**(و شی محترم) و یدخل ایضا الورق قال فی السراج: قیل انہ ورق الکتابۃ، وقیل ورق الشجر وایھما کان فانہ مکروہ واقرہ فی البحر وغیرہ۔۔۔ و کذا ورق الکتابۃ لصقالتہ وتقومہ، ولہ احترام ایضا لکونہ آلۃ لکتابۃ العلم ولذا عللہ فی التاترخانیہ بان تعظیمہ من ادب الدین**" یعنی: اور محترم چیز میں کاغذ بھی داخل ہیں، اور سراج میں فرمایا: کہا گیا ہے اس سے لکھنے والے کاغذ مراد ہیں، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ درختوں کے پتے مراد ہیں، ان میں سے کوئی بھی مراد ہو بہر حال اس سے استنجاء مکروہ ہے۔ بحر وغیرہ میں اسی کو ثابت کیا، اور لکھائی کے صفحے کے مکروہ ہونے کی وجہ ان کا صاف اور قیمتی ہونا ہے اور ان کاغذوں کا احترام اس وجہ سے بھی ہے کیونکہ یہ علم لکھنے کا آلہ ہیں۔ (در مختار مع رد المحتار، جلد ۱، صفحہ ۶۰۵، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "کاغذ سے استنجا کرنا مکروہ

وممنوع وسنت نصاریٰ ہے کاغذ کی تعظیم کا حکم ہے اگرچہ سادہ ہو، اور لکھا ہوا ہو تو بدرجہ اولی۔" (فتاوی رضویہ، جلد ۴، صفحہ ۵۹۹، مطبوعہ رضافاؤنڈیشن لاہور)

صدر الشریعہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: "کاغذ سے استنجاء منع ہے اگرچہ اس پر کچھ لکھا نہ ہو۔" (بہار شریعت، جلد ۱، صفحہ ۴۱۴، مکتبۃ المدینہ کراچی)

فتاوی یورپ میں ہے: "عام کتب فقہ میں کاغذ سے نجاست صاف کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ یہ تعلیم و تعلم کا ذریعہ ہے، ٹوائلٹ پیپر بھی اگرچہ کاغذ ہی کی قسموں میں سے ایک ہے لیکن اس کے بنانے والوں سے اسے تعلیم و تعلم کے لئے نہیں بلکہ خاص اسی کام کے لئے بنایا ہے اسی لئے وہ کھُردرا اور جاذب ہے، پھر وہ یورپی ممالک میں مٹی کے ڈھیلوں سے زیادہ سستا اور سہل الحصول ہے، پھر ڈھیلوں کے استعمال کے بعد ہفتہ عشرہ میں بیریل کی صفائی پر جس قدر صرفہ ہوتا ہے اسی قدر صرفہ سے اتنا زیادہ ٹوائلٹ پیپر خریدا جاسکتا ہے جو سالوں سال کام آسکے، ان دونوں باتوں کے پیش نظر بالکل واضح ہے کہ ٹوائلٹ پیپر کے استعمال میں نہ تو ذریعہ تعلیم و تعلم کی توہین ہے اور نہ ہی تضییع مال بلکہ پاکیزگی و نظافت حاصل کرنے کا آسان اور کم قیمت ذریعہ ہے لہٰذا اس کے استعمال میں کوئی حرج و کراہت نہیں ہونی چاہیے۔ (فتاوی یورپ، کتاب الطہارہ، صفحہ ۱۱۰، مکتبہ جام نور، دہلی)

غائبانہ نماز جنازہ کا حکم:-

گڑھی شریف میں ایک دفعہ پک اپ پر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کشمیر میں شہید لیڈر کے غائبانہ نماز جنازہ کا اعلان ہو رہا تھا، آپ علیہ الرحمہ باہر تشریف لائے اور اِعلان کے بارے پوچھا میں نے عرض کی کہ حضور ان کا کوئی لیڈر شہید ہوا ہے اسکا غائبانہ نماز (جنازہ) کا اعلان ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی لیڈر وغیرہ نہیں یہ اپنی پارٹی کی تشہیر کر رہے ہیں میں نے عرض کی کہ حضور غائبانہ نماز جنازہ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں، غائبانہ نماز جنازہ نہیں ہوتا خاص طور پر احناف میں حضرت اِمام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب میں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۸۹)

توضیح ملفوظ:-

احناف اور مالکیہ کے نزدیک نمازِ جنازہ غائبانہ جائز نہیں، امام شافعی اور امام احمد ابن حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک جائز ہے، حنفی ومالکی مسلک کی دلیل یہ ہے کہ حضرت نبی اکرم ﷺ نے حضرت نجاشی شاہ حبشہ رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی تھی وہاں درحقیقت تمام حجابات اٹھا دیئے گئے تھے اور آپ ﷺ کے سامنے معجزہ کے طور پر نجاشی کا جنازہ کر دیا گیا تھا تو ایسی صورت میں وہ غائبانہ نمازِ جنازہ نہ تھی، یہ بھی ملاحظہ رہے کہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں بے شمار واقعاتِ وفات پیش آئے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ووفات کے واقعات ہوئے مگر ثابت نہیں کہ نماز جنازہ غائبانہ کا معمول اور عادتِ شریفہ رہی ہو خود نبی اکرم ﷺ نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور دراز علاقوں میں مقیم تھے مگر ثابت نہیں کہ انھوں نے آپ ﷺ کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو، خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے عہد مبارک میں بھی غائبانہ نماز جنازہ کا معمول کہیں منقول نہیں ملتا۔

نمازِ جنازہ کی شرائط میں سے یہ ہے کہ میت نماز پڑھنے والے کے سامنے موجود ہو، اگر میت وہاں موجود نہ ہو تو نماز صحیح نہ ہوگی، لہٰذا غائبانہ نمازِ جنازہ شرعاً درست نہیں ہے۔ حنفی مقلد کے لیے غائبانہ نمازِ جنازہ میں شرکت جائز نہیں ہے۔

ائمہ احناف کے دلائل:-

ہدایہ میں ہے: "وان صلی الولی لم یجز لاحد ان یصلی بعده لان الفرض یتادی بالاولی والنفل بها غیر مشروع ولهذا راینا الناس ترکوا عن اخرهم الصلوة علی قبر النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وهو الیوم کما وضع وان دفن المیت ولم یصل علیه صلی علی قبره لان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صلی علی قبر امرأة من الأنصار." (ہدایہ)

اگر ولی نے نماز جنازہ ادا کر لی تو کسی کے لیے جائز نہیں کہ اس کے بعد نماز جنازہ

پڑھے۔ کیونکہ فرض پہلی بار ادا ہو چکا ہے اور نفل جنازہ جائز نہیں۔ اسی لیے ہم نے دیکھا کہ تمام لوگوں نے نبی کریم ﷺ کی قبر اقدس پر نماز جنازہ چھوڑ دی حالانکہ آپ آج بھی ویسے ہی زندہ سالم ہیں جیسے دفن کے وقت۔ اور اگر میت بغیر نماز جنازہ کے دفن کیا گیا ہے تو اس کی قبر پر نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری بی بی کی قبر پر نماز جنازہ ادا فرمائی تھی۔

"جب فرض ادا ہو گیا، نفلی جنازہ جائز نہیں" امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے۔ "**يستلزم منع الولى ايضا من اعادة اذا صلى من الولى اولى منه اذا الفرض وهو قضاء حق الميت تادى به۔**"

جب میت پر قریب تر ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی تو لازم آئے گا کہ اب ولی کو بھی دوبارہ نماز جنازہ پڑھنے سے منع کر دیا جائے۔ کیونکہ فرض یعنی میت کا حق پورا کرنا تو ہو چکا۔

پس نفلی نماز کی ممانعت سے اس شخص کو مستثنیٰ کرنا لازم ہے جس کو دوبارہ جنازہ پڑھنے کا حق ہے اور یہ کہنا چاہیے کہ دوبارہ جنازہ وہ نہیں پڑھ سکتا جس کو اس کا حق نہیں۔

"**اما من له الحق فتبقى الشرعية ليستوفى حقه.**" (فتح القدیر، ۲/۸۴)

مگر جس کو یہ حق حاصل ہے تو اس کے لیے دوبارہ جنازہ پڑھنے کا جواز باقی ہے تاکہ وہ اپنا حق حاصل کر لے۔

لہٰذا صاحب ہدایہ کا یہ استدلال ختم ہو گیا کہ ایک بار کی ادائیگی سے فرض ادا ہو گیا اور نفلی جنازہ جائز نہیں۔

غائبانہ نمازِ جنازہ کے مانعین کی بڑی دلیل:-

"**ثم استدل على عدم شرعية التنفل بترك الناس عن اخرهم الصلة على قبر النبى صلى الله عليه وآله وسلم ولو كان مشروعا لما اعرض الخلق كلهم من العلماء والصالحين والراغبين فى التقرب اليه صلى الله عليه وآله وسلم بانواع الطرق عنه فهذا دليل ظاهر فوجب اعتباره۔**"

(فتح القدیر، 2/84)

پھر مصنف ہدایہ نے نفلی نماز جنازہ کے ناجائز ہونے کی یہ دلیل پیش کی کہ لوگوں نے بالاتفاق رسول اللہ ﷺ کی قبر انور پر نماز جنازہ چھوڑ دی ہے۔ اگر جائز ہوتی تو تمام مخلوق جن میں علماء، صلحا اور حضور ﷺ کا مختلف ذرائع سے قرب حاصل کرنے کے شوقین شامل ہیں، اس سے روگردانی نہ کرتے۔ پس یہ اس پر واضح دلیل ہے اس کا اعتبار لازم ہے۔

علامہ حصکفی الدر المختار میں فرماتے ہیں۔ ”وصلة النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی النجاشی لغویة او خصوصیة۔“

نبی کریم ﷺ کی حضرت نجاشی پر نماز جنازہ، یا اصطلاحی نماز جنازہ نہ تھی بلکہ لغوی صلاۃ (یعنی دعائے مغفرت) تھی۔ یا آپ کی خصوصیت۔

علامہ شامی اس کی شرح میں لکھتے ہیں: ”المراد بھا مجرد الدعاء وھو بعید او خصوصیة لانہ رفع سریرہ حتی راٰہ علیہ الصلاۃ والسلام بحضرتہ۔“

(شامی، ۲/۲۰۹، البحر الرائق، ۲/۱۷۹/ بدائع الصنائع، ۳۱۱۱)

یا تو صلاۃ سے مراد محض دعائے مغفرت ہے مگر یہ بات حقیقت سے دور ہے یا یہ آپ کی خصوصیت ہے کیونکہ ان (نجاشی) کی میت کو اٹھا کر سامنے رکھ دیا گیا تھا یہاں تک رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے سامنے دیکھا۔

امام اجل شمس الائمۃ ابو بکر محمد بن ابی سہل السرخسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”الصلاۃ علی الجنازۃ فرض علی الکفایة تسقط باداء الواحد اذا کان ھو الولی ولیس للقوم ان یعیدوا بعد ذلك۔“ (المبسوط للسرخسی، ۲/۱۲۶)

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ اگر ایک ولی بھی ادا کر دے تو فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ باقی لوگوں کو دوبارہ ادا کرنے کی اجازت نہیں۔

امام محمد بن حسن شیبانی سے پوچھا گیا: ”ارایت اماما صلی علی جنازۃ وفرغ وسلم وسلم القوم ثم جاء آخرون بعد فراغ الامام من الصلاۃ ایصلون علیھا جماعة او وحدانا قال لا یصلون علیھا جماعة ولا وحدانا۔“

(المبسوط امام محمد بن حسن شیبانی، 1/ 428)

آپ کے خیال میں ایک امام نے نماز جنازہ ادا کرلی اور فارغ ہو گیا اور سلام پھیر لیا لوگوں نے بھی سلام پھیر لیا۔ امام کے فارغ ہونے کے بعد اور لوگ آ گئے۔ کیا وہ جماعت کے ساتھ یا اکیلے نماز جنازہ ادا کریں گے؟ فرمایا نہیں۔ نہ جماعت کے ساتھ نہ اکیلے۔

ان تمام حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ احناف کے نزدیک نہ تو میت پر نماز جنازہ غائبانہ جائز ہے اور نہ دوبارہ ادا کرنا جبکہ پہلی بار ولی نے ادا کرلی۔ البتہ شوافع، حنابلہ اور داؤد نے قبر پر نماز جنازہ کو جائز قرار دیا ہے۔ مالکیہ اس مسئلہ میں احناف سے متفق ہیں۔

صفوں کو سیدھا (برابر) رکھنا:-

نماز مغرب کے بعد آپ رحمہ اللہ نے طالب علموں سے فرمایا! کہ میں نے کتنی دفعہ آپ کو سمجھایا کہ صفیں جماعت کے لئے برابر رکھا کرو لیکن کوئی اس طرف دھیان نہیں دے رہا دونوں طرف اِمام کے صف برابر ہونی چاہیئے، جو اُمّت صفیں برابر نہیں رکھتی وہ برباد ہو جاتی ہے۔ اب آپ خود سوچیں کہ آجکل ہم خود اختلاف کے شکار ہیں اور بربادی کی طرف جا رہے ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۷)

توضیح ملفوظ:-

آپ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے، سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بیان کرتے ہیں: كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يُسَوِّي صُفُوفَنَا حَتَّى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ، حَتَّى إِذَا رَأَى أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ، ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا، فَقَامَ حَتَّى إِذَا كَادَ أَنْ يُكَبِّرَ، فَرَأَى رَجُلاً بَادِياً صَدْرُهُ، فَقَالَ: ”عِبَادَ اللهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ۔“

(صحیح مسلم: ۱/ ۱۸۲، ح ۴۳۶)

”رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں اتنی سیدھی کرتے رہے کہ گویا ان صفوں کے ذریعے تیروں کو سیدھا کرتے ہوں، حتیٰ کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ ہم یہ بات سمجھ گئے

ہیں۔ پھر آپ ﷺ ایک دن تشریف لائے اور قریب تھا کہ نماز کے لیے تکبیر کہہ دیں۔ اچانک آپ کی نظر مبارک ایک ایسے شخص پر پڑی جو صف سے اپنے سینے کو باہر نکالے ہوئے تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو درست کر لو گے ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں میں اختلاف (دشمنی) ڈال دے گا۔"

ایک اور حدیث مبارکہ میں سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ۔** "تم ضرور اپنی صفوں کو سیدھا کر لو گے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں میں مخالفت (عداوت) ڈال دے گا۔" (صحیح بخاری: ح:۷۱۷، صحیح مسلم: ح:۴۳۶)

سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: **كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يمسح مناكبنا في الصلاة ويقول: "استووا، ولا تختلفوا، فتختلف قلوبكم"... قال أبو مسعود: فأنتم اليوم أشد اختلافا۔**

"رسول اللہ ﷺ نماز (کی صفوں) میں ہمارے کندھوں کو ہاتھوں سے برابر کرتے اور فرماتے: سیدھے ہو جاؤ، ٹیڑھے نہ ہو جاؤ، ورنہ تمہارے دل ٹیڑھے ہو جائیں گے۔۔۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آج تم (صفوں کی درستی میں سستی کی بناء پر) سخت اختلاف کا شکار ہو۔" (صحیح مسلم: ۱/۱۸۱، ح۴۳۲)

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **أقيموا الصفوف وحاذوا بين المناكب، وسدوا الخلل، ولينوا بأيدي إخوانكم، ولا تذروا فرجات للشيطان، ومن وصل صفا وصله الله ومن قطع صفا قطعه الله...**

"تم صفوں کو درست کرو، کندھوں کو برابر کرو، خالی جگہ کو پر کرو، اپنے بھائیوں (ائمہ مساجد) کے ہاتھوں میں نرم ہو جاؤ اور شیطان کے لیے خالی جگہیں نہ چھوڑو۔ جو شخص صف کو ملائے گا، اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت کے ساتھ) ملائے گا، اور جو شخص صف

کو کاٹے گا، اللہ تعالیٰ اسے (اپنی رحمت سے) کاٹ دے گا۔"

(مسند الامام احمد: ۲/ ۹۸، سنن ابی داؤد ۶۶۶، سنن النسائی: ۸۲۰، مختصرا، وسندہ صحیح)

صفوں میں کندھے سے کندھا ملا کر رکھنا یعنی آپس میں ایسے مل کر کھڑا ہونا واجب ہے کہ درمیان میں بالکل بھی فاصلہ نہ ہو، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں نماز کی صفوں کے حوالے سے تین چیزوں کی بہت زیادہ تاکید ہے۔(۱) تسویہ: یعنی نماز کی صفیں بالکل سیدھی ہوں اس طرح کہ مقتدی آگے پیچھے نہ ہوں، سب کی گردنیں، شانے (کندھے) اور ٹخنے ایک سیدھ میں ہوں۔ (۲) اتمام: یعنی جب تک اگلی صف مکمل نہ ہو جائے، اُس وقت تک دوسری صف شروع نہ کی جائے۔ (۳) تراصّ: یعنی نمازی ایک دوسرے کے ساتھ خوب مل کر کھڑے ہوں، اس طرح کہ ایک کا کندھا دوسرے کے کندھے کے ساتھ ملا ہو، ان میں بالکل بھی فاصلہ نہ ہو۔ یہ تینوں چیزیں واجب ہیں، بلا عذرِ شرعی ان میں سے کسی ایک کو بھی چھوڑنا، ناجائز اور گناہ ہے۔ البتہ صفوں کے واجبات میں سے کوئی واجب چھوٹ جائے، تو اس کی وجہ سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہو گا۔

نماز میں صفوں کے مذکورہ واجبات کے چند دلائل درج ذیل ہیں:

حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے تسویۂ صفوف کے متعلق ارشاد فرمایا: "**سووا صفوفکم**" ترجمہ: اپنی صفیں سیدھی کرو۔ (صحیح مسلم، ج۱، ص۱۸۲، مطبوعہ کراچی)

حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے اتمامِ صفوف کے متعلق ارشاد فرمایا: "**اتموا الصف المقدم ثم الذی یلیہ فما کان من نقص فلیکن فی الصف المؤخر**" ترجمہ: آگے والی صف کو مکمل کرو پھر اس کے بعد والی کو، پس جو کمی ہو، وہ آخری صف میں ہو۔

(مسند احمد بن حنبل، ج۲۱، ص۱۱۴، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت)

ایک اور حدیث میں تراص یعنی خوب مل کر کھڑا ہونے کا حکم دیتے ہوئے نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: "**الا تصفون خلفی کما تصف الملائکۃ عند ربھم؟ قالو! وکیف تصف الملائکۃ عند ربھم؟ قال: یتمون الصفوف المقدمۃ ویتراصون فی الصف۔**" ترجمہ: تم میرے پیچھے اس طرح صف کیوں نہیں بناتے، جس

طرح فرشتے اپنے رب کے حضور صف بناتے ہیں؟ صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا: فرشتے اپنے رب کے حضور کیسے صف بناتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: وہ اگلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں خوب مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۱۰۶، مطبوعہ لاھور)

صفوں کے واجبات میں سے کوئی واجب چھوٹ جائے، تو اس کی وجہ سے نماز کا اعادہ واجب نہیں ہو گا۔ چنانچہ جب حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ تشریف لائے، تو ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے ہمارے اندر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے کے خلاف کون سی بات دیکھی ہے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ”ما انکرت شیئا الا انکم لا تقیمون الصفوف“ ترجمہ: میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، سوائے اس بات کے کہ تم صفوں کو سیدھا نہیں کرتے۔

(صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۰۰، مطبوعہ کراچی)

اس حدیث مبارک کے تحت علامہ بدر الدین عینی الحنفی علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: ”ومع القول بوجوب التسویۃ فترکھا لا یضر صلاتہ لانھا خارجۃ عن حقیقۃ الصلاۃ الا تری ان انسا (رضی اللہ عنہ) مع انکارہ علیھم لم یامرھم باعادۃ الصلاۃ“ ترجمہ: اور صف سیدھی رکھنے کے وجوب والے قول کے مطابق بھی اس کا ترک نماز میں نقصان پیدا نہیں کرے گا، کیونکہ یہ نماز کی حقیقت سے خارج ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے ان کے اس فعل کو ناپسند کرنے کے باوجود انہیں نماز کے اعادے کا حکم نہیں دیا۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، ج ۴، ص ۳۵۹، مطبوعہ ملتان)

جب اقامت کہی جائے، تو اس کے بعد امام کا مقتدیوں کو صفیں درست کرنے کی تلقین کرنا یا مخصوص اعلان کرنا کہ جس میں صفوں کے واجبات کی طرف نمازیوں کو توجہ دلائی جائے، یہ بالکل جائز ہے، بلکہ متعدد احادیث طیّبہ سے ثبوت ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اقامت ہو جانے کے بعد صفیں درست کرواتے تھے۔ نیز خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی معمول تھا۔

حضرت سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسوی صفوفنا حتی کانما یسوی بہا القداح حتی رای انا قد عقلنا عنہ ثم خرج یوما فقام حتی کاد یکبر فرای رجلا بادیا صدرہ من الصف فقال عباد اللہ لتستون صفوفکم لیخالفن اللہ بین وجوھکم" ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہماری صفیں اتنی سیدھی کرواتے تھے کہ گویا ان کے ذریعے تیروں کو سیدھا کرتے ہوں حتی کہ حضور ﷺ نے دیکھا کہ ہم یہ بات سمجھ گئے ہیں۔ پھر ایک دن حضور ﷺ (نماز کے لیے) تشریف لائے اور قریب تھا کہ نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہتے کہ اچانک آپ ﷺ کی نظر مبارک ایک ایسے شخص پر پڑی جو صف سے اپنے سینے کو باہر نکالے ہوئے تھا، تو نبی پاک ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ کے بندو! تم ضرور اپنی صفوں کو درست کرلو گے یا اللہ تعالیٰ تمہارے درمیان اختلاف (بغض و عداوت) پیدا کر دے گا۔ (صحیح مسلم، ج۱، ص۱۸۲، مطبوعہ کراچی)

حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "اقیمت الصلاۃ فاقبل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بوجھہ قال: اقیموا صفوفکم و تراصوا فانی اراکم من وراء ظھری" ترجمہ: نماز کے لیے اقامت کہی گئی، تو نبی کریم ﷺ نے اپنے رُخِ انور سے ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم اپنی صفوں کو سیدھا کرو اور مل کر کھڑے ہو۔ بلاشبہ میں تمہیں پسِ پشت بھی دیکھتا ہوں۔
(صحیح بخاری، ج۱، ص۱۰۰، مطبوعہ کراچی)

علامہ عینی علیہ الرحمۃ اس حدیث مبارک کے تحت فرماتے ہیں: "مما یستفاد منہ جواز الکلام بین الاقامۃ و بین الصلاۃ و وجوب تسویۃ الصفوف وفیہ معجزۃ النبی صلی اللہ علیہ والہ وسلم" ترجمہ: اس حدیث پاک سے یہ مسائل مستفاد (حاصل) ہوتے ہیں کہ اقامت اور نماز کے درمیان کلام کرنا، جائز ہے اور صفیں سیدھی رکھنا واجب ہے اور اس میں نبی پاک ﷺ کے (ایک) معجزے کا ثبوت ہے۔ (عمدۃ القاری، ج۴، ص۳۵۵، مطبوعہ ملتان)

خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کا بھی یہی معمول تھا۔ چنانچہ امام ترمذی علیہ الرحمۃ نقل فرماتے ہیں: "روی عن عمر انه کان یو کل رجلا باقامة الصفوف و لا یکبر حتی یخبر ان الصفوف قد استوت و روی عن علی و عثمان انهما کانا یتعاهدان ذلك و یقولان: استووا و کان علی یقول تقدم یا فلان تاخر یا فلان" ترجمہ: حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ ایک شخص کو نماز کی صفیں سیدھی کرنے کے لیے مقرر فرماتے اور اُس وقت تک نماز کی تکبیر نہ کہتے جب تک کہ وہ خبر نہ دے دیتا کہ صفیں سیدھی ہو چکی ہیں اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ و سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ وہ صفیں سیدھے کروانے کا خاص خیال رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ صفیں سیدھی کر لو اور حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: اے فلاں! آگے ہو جاؤ۔ اے فلاں! پیچھے ہو جاؤ۔

(جامع ترمذی، ج۱، ص۵۳، مطبوعہ کراچی)

فقیہِ اعظم مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ اللہ علیہ ان احادیث مبارکہ اور ان جیسی دیگر روایات کے پیشِ نظر ارشاد فرماتے ہیں: "ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ اقامت کے بعد بھی اگر صفیں درست نہ ہوں، تو جب تک صفیں درست نہ ہوں، تکبیرِ تحریمہ میں تاخیر ہو سکتی ہے اور یہی حضور اقدس ﷺ اور خلفائے راشدین کا معمول تھا۔" (نزھۃ القاری، ج۲، ص۲۷۳، فرید بک سٹال، لاھور)

نمازِ مغرب دیر سے ادا کرنا:-

حضور اعلیٰ خواجہ سید محمد فاضل شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے عرس مبارک کے موقع پر سب لوگ مغرب کی اذان کا انتظار کر رہے تھے کہ آس پاس کی اذانیں ہو گئیں۔ اذان دیر (لیٹ) سے ہونے پر کسی نے وہاں پر پوچھا تو آپ نے فرمایا! کہ نماز مغرب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ دیر سے ادا فرماتے تھے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۴)

توضیح ملفوظ:-

مؤطا امام مالک میں حدیث مبارکہ ہے

عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ وَعُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ كَانَا يُصَلِّيَانِ الْمَغْرِبَ حِينَ يَنْظُرَانِ إِلَى اللَّيْلِ الْأَسْوَدِ قَبْلَ أَنْ يُفْطِرَا ثُمَّ يُفْطِرَانِ بَعْدَ الصَّلَاةِ وَذَلِكَ فِي رَمَضَانَ

حمید بن عبد الرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب اور حضرت عثمان بن عفانؓ مغرب کی نماز پڑھتے تھے افطار کرنے سے پہلے رمضان میں جب سیاہ رات کو دیکھتے تھے پھر بعد نماز کے روزہ کھولتے تھے۔

(موطا امام مالک، جلد اول، کتاب الصیام، حدیث نمبر ۵۲۰)

یہاں پر یہ بھی ذکر کرنا ضروری ہے کہ مغرب کی نماز کا ٹائم کب تک ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آفتاب غروب ہو جانے کے بعد آسمان میں سرخی پچھّم کی سمت میں ہوتی ہے، اُس کو شفق احمر کہتے ہیں، وہ ختم ہوتی ہے تو اس کی جگہ سفیدی آتی ہے، اس کو شفق ابیض کہتے ہیں، پھر کچھ دیر بعد وہ بھی غائب ہو جاتی ہے، نماز مغرب کا وقت آفتاب کے غروب ہونے سے لے کر شفق ابیض کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔ یہ وقت عام طور پر سوا سے ڈیڑھ گھنٹے تک کا ہوتا ہے۔

اس لئے اوپر کے ملفوظ کا بھی مقصد یہی ہے کہ حضرت صاحب نماز مغرب کا صحیح وقت داخل ہونے کا انتظار کر رہے تھے اور یہی احتیاط ہے تاکہ کسی کی نماز خراب نہ ہو اور رمضان المبارک میں کسی کا روزہ خراب نہ ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

☜ -:رات کو جلدی سونا اور صبح جلدی اٹھنا:-

آپ جناب نے اپنے ادارے کے مدرس حافظ بہرام صاحب سے فرمایا! کہ آپ اب اپنا روٹین اس طرح شروع کر دیں کہ رات کو جلدی سوئیں اور صبح چار بجے جلدی طالب علموں کو اٹھایا کرو کیونکہ یہ وقت ظہور قدسی اور تجلیات الٰہی کا ہے اور وقت پر اس

وقت اٹھ کر پڑھنے کے بہت زیادہ فوائد ہیں۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۱۶۴)

توضیح ملفوظ:-

صبح جلدی اٹھنا کسی فرد کی ذہنی اور جسمانی کارکردگی میں اضافے کا باعث بنتا ہے کیونکہ اس وقت بیرونی مداخلت کا امکان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور اپنے کام اور مقصد پر زیادہ تندہی کے ساتھ کام کیا جاتا ہے۔

دوسری بات یہ کہ تمام فجر کی نماز کے پابند ہو جائیں گے، بلکہ بڑی تعداد تہجد گزار ہو جائے گی، اور صبح کے اوقات میں ازروئے حدیث اللہ پاک نے برکت رکھی ہے،

عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ فَقَالَ لَهُ أَبِي كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ فَقَالَ كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصلي الْعَصْرَ ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمغرب وَكَانَ يسْتَحبّ أَن يُؤَخر الْعشَاء الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا والْحَدِيث بعْدهَا وَكَانَ يَنْفَتِل مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ۔ وَفِي رِوَايَةٍ: وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا۔

(مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، حدیث:۵۸۷)

سیار بن سلامہؒ بیان کرتے ہیں، میں اور میرے والد ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو میرے والد نے ان سے رسول اللہ ﷺ کی فرض نماز کی کیفیت کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: آپ نماز ظہر، جسے تم پہلی نماز کہتے ہو، اس وقت پڑھا کرتے تھے جب سورج ڈھل جاتا، آپ نماز عصر پڑھتے تو پھر ہم میں سے کوئی مدینہ کے آخری کنارے واقع اپنی رہائش گاہ پر واپس جاتا تو سورج بالکل سفید اور چمک دار ہوتا تھا، راوی بیان کرتے ہیں، میں مغرب کے بارے میں بھول گیا کہ انہوں نے کیا کہا تھا،

اور جب آپ نمازِ عشاء جسے تم (عَتَمَہ) کہتے ہو، کو تاخیر سے پڑھنا پسند فرماتے تھے، آپ اس (نمازِ عشاء) سے پہلے سو جانا اور اس کے بعد باتیں کرنا، ناپسند فرماتے تھے، اور آپ نماز فجر میں سلام پھیر کر نمازیوں کی طرف رخ فرماتے تو اس وقت ہر نمازی اپنے ساتھ والے نمازی کو پہچان لیتا تھا، اور آپ ساٹھ سے سو آیات تک تلاوت فرمایا کرتے تھے۔ اور ایک روایت میں ہے: آپ ﷺ نماز عشاء کو تہائی رات تک بغیر کسی پرواہ کے مؤخر کر دیا کرتے تھے۔ اور آپ نماز عشاء سے پہلے سونا اور اس کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کیا کرتے تھے۔ متفق علیہ۔

جماعت کے ساتھ جب صبح کی نماز ادا کی جائے انکے بڑے فضائل ہیں،

نبی ﷺ نے فرمایا: ”جو جماعت کے ساتھ نمازِ فجر ادا کرتا ہے، تو گویا اس نے تمام رات عبادت کی۔“ (مسلم، ص۔۴۵۴، نمبر ۶۵۶؛ الترمذی، ۲۲۱)

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ”منافقین کے لیے سب سے زیادہ بھاری نمازیں، نمازِ عشاء اور نمازِ فجر ہیں، لیکن اگر وہ یہ جانتے جو وہ رکھتے ہیں (یعنی ان نمازوں پر اجر کا ملنا) تو وہ ضرور (نماز پڑھنے) آتے چاہے انہیں گھٹنوں کے بل آنا پڑتا۔“ (امام احمد، المسند، ۴۲۴/۲)

”وہ اللہ کی حفاظت میں ہے جو نمازِ فجر ادا کرتا ہے، لہٰذا اپنے آپ کو اس حال میں نہ ڈالو جہاں اللہ تم سے تمہاری لاپروائی کا جواب طلب کرے۔“ (الطبرانی، ۲۶۷/۷)۔

صبح کی نماز کے وقت کی ایک خاص بزرگی، بڑائی اور قدر و منزلت ہے۔ نور کے تڑکے کا یہ وقت ایک نئے دن کی شروعات اور آغازِ کار کا وقت ہے۔ گویا ایک نئے دن کی زندگی کا پیش لفظ یا ابتدائیہ ہے۔ ایک طرف بقول احمد ندیم قاسمی ”ستاروں کو بجھایا جا رہا ہے“ تو دوسری طرف نئے دن کا نیا سورج افق پر جلوہ فرما ہو رہا ہوتا ہے لہٰذا ایسے باسعادت اور متبرک وقت قرآن پاک کی تلاوت زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ عام مسلمان کو چاہئے کہ اس برگزیدہ وقت میں نہ صرف یہ کہ نماز فجر میں قرآن پاک کی بھرپور تلاوت کرے بلکہ نماز کے علاوہ بھی اس وقت قرآن پاک پڑھنا اپنا معمول بنالے کیونکہ اس وقت رات اور دن دونوں وقتوں پر مامور فرشتے گواہ ہوتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں تلاوت کی شہادت دیتے

ہیں۔ سورج کی ضوریزی (سورج کی روشنی پھیلنے) سے پہلے صبح کاذب کی سحر خیزی اور صبح صادق کی عطر بیزی میں گندھاہوا یہ وقت ایک مبارک گھڑی ہے۔

سر منڈوانا یا زلفیں رکھنا کیسا ہے؟

درگاہ شریف میں کتب خانہ کے باہر برآمدہ میں نماز عصر کے بعد حسب معمول آپ تشریف فرما تھے، تو میں (عبدالوہاب) نے عرض کیا کہ حضور سر منڈوانا اچھا ہے یا زلفیں رکھنا آپ نے فرمایا کہ جو سنت سمجھ کے رکھ لیں بہتر ہے پھر فرمایا کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ساری عمر زلفیں رکھی ہیں، صرف حج وعمرہ پر سر منڈوایا اور مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سر مبارک منڈوایا کرتے تھے۔" (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۳۰)

توضیح ملفوظ:-

احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سر پر بال رکھنے کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، عام حالت میں کانوں کی لو تک بال رکھا کرتے اور کبھی وہ بڑھ کر کاندھے کے قریب بھی پہنچ جایا کرتے؛ اس لیے عام حالات میں بال رکھنے کا مسنون طریقہ یہی ہے، لیکن آپ ﷺ نے بال رکھنے سے متعلق بہت سی ہدایات بھی دی ہیں کہ اگر کوئی شخص بال کاٹے تو پورے کاٹے، سر کے کچھ حصے کے بال کاٹنا اور کچھ حصے کے بال رکھنا جیسا کہ غیر اقوام کا طریقہ ہے، یہ درست نہیں، اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی تعلیم دی کہ جو شخص بال رکھے ان کا اِکرام بھی کرے، یعنی کنگھی اور تیل وغیرہ کا اہتمام کرے اور بال کو صاف ستھرا رکھے اور اس کو پراگندہ ہونے سے بچائے۔ حضرت براء رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے: ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کان یضرب شعرہ منکبیہ۔

"حضور ﷺ کی زلفیں کاندھوں کو چوم رہی ہوتی تھیں۔"

(مسلم، الصحیح، ۴:۱۸۱۹، کتاب الفضائل، رقم:۲۳۳۸، بخاری، الصحیح، ۳:۱۳۰۴، کتاب المناقب، رقم:۳۳۵۸)

صرف حج وعمرہ کے موقع پر سر منڈوایا جس طرح کہ حدیث میں وارد ہے، آپ

ﷺ کے حلق کروانے کے بارے میں مروی ہے: ”عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رضی الله عنهما قَالَ حَلَقَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وآله وسلم وَطَائِفَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ وَقَصَّرَ بَعْضُهُمْ ““حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم صلیٰ اللہ علیہ نے سر منڈایا اور آپ کے اصحاب میں سے ایک جماعت نے بھی جب کہ بعض نے ترشوائے۔“ (بخاری، الصحیح، ۲:۶۱۷، رقم: ۱۶۴۲)

جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سر منڈوایا کرتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے آپ ﷺ کا یہ ارشاد نقل کر کے فرمایا عن علی رضی الله عنه، أن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ”من ترك موضع شعرة من جنابة لم يغسلها فعل بها كذا و كذا من النار۔“ قال علی: فمن ثم عاديت رأسي ثلاثاً، و كان يجز شعره۔“ (سنن أبي داود (۱/ ۶۵)

”جنابت کے غسل میں اگر ایک بال بھی خشک رہ گیا تو اس کا غسل نہیں ہو گا۔۔۔ الخ“ فرماتے ہیں: ”اسی وجہ سے میں نے اپنے بالوں سے دشمنی کر لی، یعنی انہیں خوب جڑ سے کاٹتا ہوں،“ ”اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ سر کے بال حلق کیا کرتے تھے“

علامہ طیبی رحمہ اللہ نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جس طرح بال رکھنا سنت ہے اسی طرح بالوں کو خوب اچھی طرح کاٹنا بھی سنت ہے، ایک تو اس لیے کہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس عمل کو دیکھا اور اس پر سکوت فرمایا، گویا یہ آپ ﷺ کی تقریر ہے، اور اہلِ علم خوب جانتے ہیں کہ قول اور فعل کی طرح تقریرِ رسول اللہ ﷺ بھی حدیث ہی ہوتی ہے۔ نیز خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ خلفائے راشدین میں سے ہیں جن کی سنتوں کے اتباع کا بھی ہمیں حکم ہے۔ تاہم ملا علی قاری رحمہ نے اس کو سنت کہنے پر اشکال کیا ہے اور حلق کو رخصت کہا ہے۔ لیکن یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی معمول رہا اور کسی بھی صحابی رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر کبھی نکیر نہیں کی۔ نیز یہ بھی ذہن نشین رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حج یا عمرے کے

احرام سے حلال ہوتے وقت سر منڈوانے والوں کے لیے تین مرتبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی دعافرمائی، اور تیسری مرتبہ کے بعد بال کاٹنے والوں کے لیے رحمت کی دعافرمائی

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”قال أصحابنا: حلق الرأس جائز بكل حال، لكن إن شق عليه تعهده بالدهن والتسريح استحب حلقه، وإن لم يشق استحب تركه“ (شرح النووی علی مسلم: ۷/۱۶۷)

کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں: اگر کسی شخص کے لیے بال رکھ کر اس میں تیل لگانا اور خیال کرنا مشکل ہو تو اس کے لیے حلق مستحب ہے، اور جس کے لیے بالوں کا خیال رکھنا مشکل نہ ہو ان کے لیے بال رکھنا افضل ہے۔

-:معاملات وعبادات میں بہتری:-

آپ جناب سے کسی طالب علم نے وظیفہ مانگا تو اسے فرمایا کہ حفظ کر رہے ہو تلاوت کو بہت زور دو، یہ بعد کی چیزیں ہیں، فرمایا جو بہت زیادہ وظائف وعبادات کرتے ہیں، عجیب مغروری ان میں ہوتی ہے۔ حضور سرکار دوعالم ﷺ تھوڑی چیز کو پسند فرماتے تھے، خدمت میں بہت زور دو۔ حلال روزی کماؤ۔ فرض نماز باجماعت اور سنت ادا کرو۔ فرمایا! کہ الطاف شاہ کے دادا سید لال شاہ کہتے تھے، کہ یہاں میں نفل پڑھ رہا تھا (اور آپ نے مسجد کے ہال کے باہر جنوب میں کیاری اور راستے کی طرف اشارہ کیا) تو حضرت ثانی عبد اللہ شاہ صاحب نے فرمایا کہ زیادہ نوافل میں نہ پڑو۔ یا فرمایا کہ زیادہ نفل نہ پڑھو میرے پوچھنے پر حضور سیدی و مرشدی نے فرمایا کہ سید لال شاہ کریم اللہ بخش تونسوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے مرید تھے اور میں نے اُنہیں دیکھا تھا۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۶)

توضیح ملفوظ:-

اس ملفوظ میں طالب علم کو وظائف اس لئے نہیں دیئے کیوں کہ اس سے طالب علم کا سلسلہ تعلیم و تعلم خراب ہونے کا امکان ہے، کہ طالب علم جب توجہ وظائف کی

طرف دیں تو حفظ قرآن کی طرف توجہ کم ہو جاتی ہے، اس لئے آپ نے فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کرو اور ساتھ ساتھ دیگر فضائل والے اعمال بھی بتا دیئے تا کہ اس پر بھی عمل پیرا ہو فرمایا کہ قرآن کی تلاوت کرو کیونکہ سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ عَلَّمَهُ اللهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَتْلُوْهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ فَسَمِعَهُ جَارٌ لَهُ فَقَالَ: لَيْتَنِي أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ. وَرَجُلٌ آتَاهُ اللهُ مَالًا فَهُوَ يُهْلِكُهُ فِي الْحَقِّ، فَقَالَ رَجُلٌ: لَيْتَنِي أُوْتِيْتُ مِثْلَ مَا أُوْتِيَ فُلَانٌ فَعَمِلْتُ مِثْلَ مَا يَعْمَلُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.

(أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب فضائل القرآن، باب اغتباط صاحب القرآن، ۴/۱۹۱۹، الرقم: ۴۷۳۸، ومسلم فی الصحیح، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرها، باب فضل من یقوم بالقرآن، ۱/۵۵۸، الرقم: ۸۱۵)۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: حسد (رشک) تو بس دو آدمیوں سے ہی کرنا جائز ہے۔ پہلا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن (پڑھنا و سمجھنا) سکھایا تو وہ رات اور دن کے اوقات میں اس کی تلاوت (اور اس میں غور و فکر) کرتا ہے۔ اس کا پڑوسی اسے قرآن پڑھتے ہوئے سنتا ہے تو کہہ اٹھتا ہے کہ کاش مجھے بھی اس کی مثل قرآن عطا کیا جاتا تو میں بھی اسی طرح عمل کرتا جس طرح یہ کرتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال بخشا ہے اور وہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرتا ہے۔ دوسرا شخص اسے دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی اتنا مال ملتا جتنا اسے ملا ہے تو میں بھی اسی طرح صرف کرتا جس طرح یہ کرتا ہے۔“ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

پھر حضرت شیخ طریقت نے خدمت کے بارے میں فرمایا، کہ خدمت کیا کریں کیونکہ خدمتِ خلق کا سب سے زیادہ فائدہ خدمت کرنے والے کو ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ غیب سے اس کی مدد فرماتا ہے۔ اس کے اپنے کام بھی ہو جاتے ہیں اور آخرت کا اجر اس کے علاوہ ہے۔ ارشاد نبوی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم ہے: **”واللہ فی عون العبد ما کان العبد فی عون اخیہ“** (سنن ترمذی، کتاب البر، باب ما جاء فی الستره علی المسلم)

"نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد اس وقت تک کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔"

دوسرے موقع پر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يسلمه ومن كان فى حاجة اخيه كان الله فى حاجته ومن فرج عن مسلم كربة فرج عنه كربة من كربات يوم القيامة" (صحیح مسلم، کتاب البر، باب تحریم ظلم المسلم)

"مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس سے کنارا کرتا ہے۔ جو آدمی اپنے بھائی کا کوئی مسئلہ حل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی بھی حاجت پوری کرتا رہتا ہے اور جس نے اپنے بھائی کے دکھ میں حصہ لیا، اللہ قیامت کے دن اس کی مشکل میں سے ایک مشکل کو دور کر دے گا اور جس نے دنیا میں اپنے بھائی کی پردہ پوشی کی، اللہ قیامت میں اس کی پردہ پوشی کرے گا۔"

صرف یہی نہیں بلکہ اسکے بدلہ میں بڑا اجر بھی ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "من قضى لاخيه حاجة كان بمنزلة من خدم الله عمره۔"
(جامع الصغیر، جلال الدین سیوطی، ۲:۷۹)

"اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرنا ایسا ہے جیسے ساری عمر اللہ کی خدمت کرنا۔"

پھر حضرت شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے رزق حلال کے بارے میں فرمایا، کیونکہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا کہ!

"من طلب الدنيا حلالاً استعفافا عن المسئالة وسعيا على اهله، وتعطفا على جاره لقى الله ووجه كالقمر ليلة البدر"

"جس نے حلال راہ سے دنیا طلب کی تاکہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے بچ سکے اور اپنے اہل وعیال کو کما کر کھلا سکے اور اپنے پڑوسی کی بھی مدد کر سکے۔ وہ اللہ کے حضور اس شان سے آئے گا کہ اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن ہو گا۔"
(مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۴، ص ۴۶۷)

سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا کہ !"ان اطیب ما اکلتم من کسبکم۔"
"جو تم خود کما کر کھاتے ہو وہ پاکیزہ ترین رزق ہوتا ہے۔"
(سنن ابن ماجۃ، ج ۲، ص ۷۶۸)

ان احادیث مبارکہ میں انسان کو واضح ارشادات کے ذریعے اس حقیقت سے آگاہ کر دیا گیا ہے کہ محنت و مزدوری کرنے والا ہنر مند شخص اللہ کا محبوب ہوتا ہے۔ اس لئے وہ باعث تکریم ہے محنت و مشقت کے سبب جو اس کے چہرے اور بدن کی رنگت بدل جاتی ہے اور وہ دھوپ سے جھلس جاتا ہے تو اس کی یہ قربانی رائیگاں نہیں جائے گی بلکہ قیامت کے روز اس کے بدلے میں اسے وہ حسن و جمال عطا کیا جائے گا کہ چودھویں کا چاند بھی شرمائے گا۔"

اللہ کے ہاں محنت و مشقت کی حلال کمائی کو جو فضیلت حاصل ہے اس کا انداز ہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھی کسب کے ذریعے کھانے کا حکم دیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات ہنر مند بھی تھے اور فرائض نبوت ادا کرنے کے ساتھ ساتھ محنت کر کے روزی بھی کماتے تھے۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کھیتوں میں ہل چلاتے تھے۔ جناب ادریس علیہ السلام درزی تھے۔ جناب نوح علیہ السلام اور حضرت زکریا علیہ السلام ترکھان تھے۔ جناب لوط علیہ السلام کاشتکار تھے۔ جناب شعیب علیہ السلام نے ریوڑ پالے ہوئے تھے۔ جناب موسیٰ علیہ السلام اپنی بکریاں آپ چراتے رہے۔ جناب داؤد علیہ السلام زرہ ساز تھے جبکہ حضور ﷺ نے بھی ابتدائی عمر میں بکریاں چرائیں اور پھر کافی عرصہ تجارت فرماتے رہے۔

پھر حضور شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے نماز باجماعت پڑھنے کی تاکید کی کیونکہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: صَلَاۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلَاۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِینَ دَرَجَۃً۔ (صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ، ۱:۲۳۱، رقم:۶۱۹)

"باجماعت نماز ادا کرنا تنہا نماز ادا کرنے پر ستائیس درجے فضیلت رکھتا ہے۔"

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے طالب علم کو ان چیزوں کی تاکید اس لئے فرمائی کیونکہ یہ چیزیں حفظ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ ممکن ہیں اور ضروری بھی ہیں

قربانی، حج، زکوۃ:-

نماز عصر سے پہلے آپ جناب کی خدمت میں جان خان ماما نے عرض کیا کہ بڑی عید پر قربانی کے لئے جس بندے کے ساتھ قربانی کے لئے شریک ہوتا ہوں وہ اس دفعہ کہتا ہے کہ دو حصے ڈالو گے ایک اپنا اور ایک سرکار دوعالم ﷺ کا۔ کیا یہ صحیح ہے؟ تو حضور مرشد پاک مدظلہ نے فرمایا! کہ ہاں بالکل صحیح ہے کیونکہ حضور رحمت اللعالمین ﷺ عید قربان پر ایک اپنی طرف سے اور ایک اُمّت کی طرف سے قربانی فرماتے تھے۔ تو ہمیں بھی چاہیئے کہ اپنے ساتھ حضور سرکار دوعالم ﷺ کی طرف سے قربانی کریں۔ اس نے پوچھا اگر توفیق نہ ہو تو فرمایا! کہ اگر توفیق نہ ہو تو صرف اپنی طرف سے قربانی کرو۔ میں نے عرض کیا کہ غریب نواز قربانی کس پر واجب ہے؟ تو فرمایا! کہ قربانی کے لئے صاحب نصاب یہ ہے کہ ساری ضروریات سے بچ کر دو سو درھم بچت ہو تو اس پر قربانی لازمی ہے فرمایا! کہ آج کل تو دیکھا جائے تو ہر آدمی پر واجب ہوتی ہے کیونکہ ہر کسی کی اتنی بچت ضرور ہے۔ کوئی ایسا غریب نہیں سب کوئی اتنا نصاب رکھتا ہے کسی نے عرض کیا کہ اگر قرض ہو کسی پر تو فرمایا! کہ قرض کا حساب نکال کر حساب کر لیا جائے۔ کہ قرض اگر بڑھتا نہیں اور سالانہ اتنی بچت ہے تو واجب آتی ہے۔ پھر اس غلام نے عرض کیا کہ حضور کیا حج کے لئے بھی یہ نصاب ہے؟ فرمایا! نہیں! حج کا علیحدہ نصاب ہے۔ وہ یہ کہ آدمی کے آنے جانے کا اور خوراک کا سارا خرچہ ہو۔ اور پیچھے بال بچوں کے لئے ضروریات کا خرچہ میسر کر سکے۔ تو اس پر حج فرض ہے اور زکوۃ چالیسواں حصہ اور عشر اگر کنواں وغیرہ کا سسٹم زمین کے لئے کرنا پڑتا ہے تو اس پر خرچہ آتا ہے اس لئے اس پر بیسواں اور بارانی زمین کے لئے دسواں حصہ ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر:۱۵۷)

توضیح ملفوظ:-

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی:-

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سلفِ صالحین رحمہم اللہ کی طرف سے قربانی کرنا (اس معنی میں کہ قربانی کرکے اس کا ثواب ان کو پہنچا دیا جائے) درست اور باعثِ اجر و ثواب ہے، بلکہ کسی بھی نیک کام کا اجر تمام امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچانا درست ہے، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی اُمّت کی طرف سے قربانی فرمائی تھی۔

حدیث مبارکہ میں ہے کہ! "عن عائشة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بكبش أقرن يطأ في سواد ويبرك في سواد وينظر في سواد، فأتي به ليضحي به، قال: يا عائشة هلمي المدية! ثم قال: اشحذيها بحجر، ففعلت، ثم أخذها وأخذ الكبش فأضجعه، ثم ذبحه، ثم قال: "بِسْمِ اللهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ"، ثم ضحى به. رواه مسلم۔

(مشكاة المصابيح، باب في الأضحية، الفصل الأول، ص:١٢٧، ط: هندية)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے مینڈھے کے متعلق قربانی کا حکم فرمایا جس کے کھر، گھٹنے اور آنکھوں کے حلقے سیاہ تھے، چناں چہ جب وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قربانی کے لیے لایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ چھری لے آؤ، پھر فرمایا: اسے پتھر پر تیز کرلو، چناں چہ میں (حضرت عائشہ) نے چھری تیز کرلی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھری لی اور مینڈھے کو پکڑا اور اسے پہلو کے بل لٹا کر یہ فرماتے ہوئے ذبح کیا: اللہ کے نام سے (ذبح کر رہا ہوں)، اے اللہ اسے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور امتِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی طرف سے قبول فرمالیجیے۔

ایک اور حدیث مبارکہ ہے کہ! "عن حنش قال: رأيت علياً يضحي بكبشين، فقلت له: ما هذا؟ فقال: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم أوصاني أن أضحي عنه، فأنا أضحي عنه. رواه أبو داؤد، وروى الترمذي نحوه۔"

(مشكاة المصابيح، باب في الأضحية، الفصل الثاني، ص:١٢٨، ط: هندية)

ترجمہ: حضرت حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھے ذبح کرتے دیکھا تو میں نے پوچھا: یہ کیا ہے؟ (یعنی ایک آدمی کی طرف سے کیا ایک ہی قربانی کافی نہیں؟) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں ان کی طرف سے قربانی کیا کروں، چناں چہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے قربانی کرتا ہوں۔

بلاشبہ سید الکونین، خاتم الانبیاء، محبوب رب العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معصوم ہیں، گناہوں سے پاک وصاف ہیں، بخشے بخشائے ہیں، یقیناً انہیں ہمارے ایصالِ ثواب کی ضرورت نہیں ہے، لیکن ہمیں ان کو ایصالِ ثواب کرنے کی ضرور ضرورت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر امتی پر اس قدر احسان ہے کہ اگر زندگی کے ہر لمحہ میں بھی آپ کے لیے ایصالِ ثواب جاری رکھا جائے تو بھی آپ کے احسانات کا حق ادا نہیں ہو سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کسی دن اور جگہ کی تعیین کے بغیر ایصالِ ثواب کرنا انتہائی سعادت اور خوش بختی ہے، چوں کہ ایصالِ ثواب کرنے والے کو بھی اس کا ثواب ملتا ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک مرتبہ درود بھیجنے سے اللہ تعالیٰ درود پڑھنے والے پر دس رحمتیں نازل کرتے ہیں تو آپ کے لیے نیک اعمال، درود شریف وغیرہ پڑھ کر ایصال ثواب کرنے سے کس قدر رحمتوں کا نزول ہو گا؟ نیز جب ہمارا ٹوٹا پھوٹا نذرانہ فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوں گے اور عرض کریں گے کہ آپ کے فلاں امتی نے آپ کے لیے یہ بھیجا ہے تو آپ اس سے خوش ہوں گے، کسی امتی کے لیے اس سے بڑی اور کیا خوشی ہو سکتی ہے؟

واضح رہے کہ جو شخص کوئی نیک عمل کر کے دیگر مسلمانوں کو ایصالِ ثواب کی نیت کرتا ہے تو اس کا ثواب دیگر مسلمانوں کو تو پہنچتا ہی ہے، لیکن اس عمل کرنے والے کے نامہ اعمال میں بھی اس کا ثواب لکھا جاتا ہے، وہ عمل کرنے والا اس اجر سے محروم نہیں رہتا۔

فتاوی شامی میں ہے: صرح علماؤنا فی باب الحج عن الغیر بأنّ للإنسان أن یجعل ثواب عمله لغیره صلاةً أو صومًا أو صدقةً أو غیرها، كذا فی الهدایة۔ بل فی زكاة التتارخانية عن المحیط: الأفضل لمن یتصدّق

نفلًا أن ینوی لجمیع المؤمنین والمؤمنات؛ لأنّها تصل إلیهم، ولا ینقص من أجره شيءٍ اهـ هو مذهب أهل السنة والجماعة۔ (فتاوی شامی:۲/ ۲۴۳۔ط:سعید)

ترجمہ: ہمارے فقہاء کرام نے حج بدل کے باب میں صراحت کی ہے کہ انسان اپنے کسی بھی نیک عمل، چاہے وہ نماز ہو، روزہ ہو، صدقہ ہو یا کوئی اور نیک کام، کا ثواب دوسروں کو پہنچا سکتا ہے۔ ہدایہ میں بھی یہی لکھا ہے بلکہ تاتارخانیہ نے المحیط کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جو شخص نفل صدقہ کرے اس کے لیے افضل یہ ہے کہ تمام مومن مردوں اور عورتوں کے لیے ثواب کی نیت کرے کیونکہ یہ ثواب سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس کے اپنے اجر میں کوئی کمی نہیں آتی۔ یہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ مذہب ہے۔

قربانی کے لیے نصاب:-

جس شخص کی ملکیت میں ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا سونا چاندی نصاب سے کم ہوں، لیکن جس قدر ہیں، ان دونوں کو ملا کر یا سونے یا چاندی کو کسی دوسرے مال کے ساتھ ملا کر، اُن دونوں کی مجموعی قیمت عید الاضحیٰ کے ایام میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، یوں ہی حاجتِ اصلیہ (یعنی وہ چیزیں جن کی انسان کو حاجت رہتی ہے، جیسے رہائش گاہ، خانہ داری کے وہ سامان جن کی حاجت ہو، سواری اور پہننے کے کپڑے وغیرہ ضروریاتِ زندگی) سے زائد اگر کوئی ایسی چیز ملکیت میں ہو، جس کی قیمت تنہا یا سونے یا چاندی کے ساتھ ملا کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو، تو وہ نصاب کا مالک ہے اور اُس پر قربانی واجب ہے۔

قربانی واجب ہونے کے نصاب سے متعلق بدائع الصنائع میں ہے: ”فلا بد من اعتبار الغنی وهو أن یكون فی ملكه مائتا درهم أو عشرون دینارا أو شيء تبلغ قیمته ذلك سوى مسكنه وما یتأثث به و كسوته وخادمه وفرسه وسلاحه وما لا یستغنی عنه وهو نصاب صدقة الفطر۔“

ترجمہ: (قربانی میں) مالداری کا اعتبار ہونا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی

ملکیت میں دو سو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) یا بیس دینار (ساڑھے سات تولہ سونا) ہوں یا رہائش، خانہ داری کے سامان، کپڑے، خادم، گھوڑا، ہتھیار اور وہ اشیاء جن کے بغیر گزارہ نہ ہو، ان کے علاوہ کوئی ایسی چیز ہو، جو اس (دو سو درہم یا بیس دینار) کی قیمت کو پہنچتی ہو اور یہ ہی صدقہ فطر کا نصاب ہے۔ (بدائع الصنائع، کتاب التضحیۃ، جلد ۴، صفحہ ۱۹۶، مطبوعہ کوئٹہ)

سونے کو چاندی کے ساتھ ملانے کے متعلق تبیین الحقائق میں ہے: ”ویضم الذھب الی الفضۃ بالقیمۃ فیکمل بہ النصاب لأن الکل جنس واحد“

ترجمہ: سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملا کر نصاب مکمل کیا جائے گا، کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں۔ (تبیین الحقائق، کتاب الزکاۃ، باب زکاۃ المال، جلد ۲، صفحہ ۸۰، مطبوعہ کوئٹہ)

فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ: ”قربانی واجب ہونے کے لیے صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ ایام قربانی میں اپنی تمام اصل حاجتوں کے علاوہ ۵۶ روپیہ (اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے دور میں رائج چاندی کا نصاب) کے مال کا مالک ہو، چاہے وہ مال نقد ہو یا بیل بھینس یا کاشت، کاشتکار کے ہل بیل اس کی حاجت اصلیہ میں داخل ہیں، ان کا شمار نہ ہو۔“
(فتاوی رضویہ، جلد ۲۰، صفحہ ۳۷۰، رضا فاونڈیشن، لاھور)

بہار شریعت میں ہے کہ: ”جو شخص دو سو درہم یا بیس دینار کا مالک ہو یا حاجت کے سوا کسی ایسی چیز کا مالک ہو، جس کی قیمت دو سو درہم ہو، وہ غنی ہے، اوس پر قربانی واجب ہے۔ حاجت سے مراد رہنے کا مکان اور خانہ داری کے سامان، جن کی حاجت ہو اور سواری کا جانور اور خادم اور پہننے کے کپڑے، ان کے سوا جو چیزیں ہوں، وہ حاجت سے زائد ہیں۔“
(بہارِ شریعت، جلد ۳، صفحہ ۳۳۳، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

نوٹ: مذکورہ بالا مسئلے میں فتویٰ تو یہی ہے، لیکن بہت سے لوگ اپنی حاجتِ اصلیہ سے زائد مال کو شمار کرنے میں غلطی کر جاتے ہیں، کیونکہ عام طور پر کچھ نہ کچھ حاجت اصلیہ سے زائد چیزیں موجود ہوتی ہی ہیں، جن کو سونے یا چاندی کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے، تو قربانی کا نصاب بن جاتا ہے، لیکن لوگ توجہ نہیں کرتے۔ جیسے اضافی کپڑے، جوتے یا گھر میں ڈیکوریشن کا سامان یا تفریح کے لیے خرید اگیا ٹی وی وغیرہا، لہٰذا ان چیزوں

کا ضرور خیال رکھا جائے اور کسی عالمِ دین سے مل کر معلومات کر لی جائے۔

نصابِ حج:-

یاد رہے کہ جو بھی آدمی صاحبِ استطاعت ہو، یعنی سفر حج کی آمد و رفت کے اخراجات اور دورانِ سفر اپنے اور اہل و عیال کے نفقے کا انتظام ہو، اس پر حج کرنا فرض ہے اور حج کی فرضیت میں اولاد یا والدین ایک دوسرے کے تابع نہیں ہیں، یعنی اولاد صاحبِ استطاعت ہو اور والدین نہ ہوں تو والدین پر حج فرض نہیں ہو گا، بلکہ اولاد پر فرض ہو گا، اسی طرح اگر والدین صاحبِ استطاعت ہوں اور اولاد نہ ہوں تو اولاد پر حج فرض نہیں ہو گا۔ حاصل یہ ہے کہ جو صاحبِ استطاعت ہے، اس کے ذمہ خود حج کرنا فرض ہے۔

"ہدایہ" میں ہے: "الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن المسكن، وما لا بد منه، وعن نفقة عياله إلى حين عوده، وكان الطريق آمناً ووصفه الوجوب۔"

(الهداية، كتاب الحج، (۱/۲۴۹) ط: مكتبة رحمانية، لاهور)

ترجمہ:- حج ان آزاد، بالغ، عاقل اور تندرست مسلمانوں پر فرض ہے جو زادِ راہ اور سواری کا انتظام اس طرح کر سکیں کہ یہ اخراجات اُن کے گھر کے رہنے کی جگہ، ناگزیر ضروریات اور اہل و عیال کے اخراجات واپسی تک سے زائد ہوں، اور راستہ بھی پر امن ہو۔ یہی ہے اس کے وجوب کی شرط۔

نصابِ عشر و زکوٰۃ:-

عشر کا معنی ہے: دسواں حصّہ، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے عشری زمین کی دو قسمیں قرار دی ہیں: ایک میں عشر یعنی پیداوار کا دسواں حصّہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے، اور دوسری میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے، لیکن فقہاء کرام کی اصطلاح میں دونوں قسم کی زکوۃ کو عشر ہی کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے، اب اگر زمین بارانی ہے کہ بارش کے پانی سے سیر اب ہوتی ہے تو پیداوار پر عشر یعنی دسواں حصہ فقراء

کو دینا واجب ہو گا، اور اگر زمین کو خود نہر کے پانی سے سیر اب کرتا ہے تو اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ صدقہ کرنا واجب ہو گا۔

زکوٰۃ کا نصاب:-

زکوٰۃ کی مقدار احادیث میں جو بیان کی گئی ہے وہ چالیسواں حصہ (اڑھائی فی صد) ہے، لہٰذا اصحابِ نصاب پر اپنے اموال میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکالنا واجب ہے۔

☜ فرض نماز اور سنن کے درمیان وقفہ کر سکتے ہیں؟

کسی نے آپ علیہ الرحمہ سے پوچھا کہ کیا فرض نماز اور سنن کے درمیان وقفہ کر لینا چاہئے یا نہیں آپ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ وقفہ کر لینا چاہئے، فرمایا کہ ایک دفعہ جماعت کے فوراً بعد ایک شخص سنتوں کے لئے کھڑا ہو گیا، اس کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے پکڑ کر نیچے بٹھا دیا اور اسے کہا کہ پچھلی امتیں اسی لئے برباد ہوئیں کہ انہوں نے فرائض وسنن میں فرق نہیں کیا، اس پر حضور پاک ﷺ نے فرمایا "عمر کی زبان پر حق جاری ہوتا ہے" پھر آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ فرضوں کے بعد آیۃ الکرسی ضرور پڑھنی چاہیے۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۳،۳۴)

توضیح ملفوظ:-

حدیث مبارکہ میں ہے، عَنِ الْأَزْرَقِ بْنِ قَيْسٍ قَالَ: صَلَّى بِنَا إِمَامٌ لَنَا يُكْنَى أَبَا رِمْثَةَ فَقَالَ: صَلَّيْتُ هَذِهِ الصَّلَاةَ أَوْ مِثْلَ هَذِهِ الصَّلَاةِ مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم، قَالَ: وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ يَقُومَانِ فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ عَنْ يَمِينِهِ وَكَانَ رَجُلٌ قَدْ شَهِدَ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ، فَصَلَّى نَبِيُّ الله صلى الله عليه وآله وسلم ثُمَّ سَلَّمَ عَنْ يَمِينِهِ وَعَنْ يَسَارِهِ حَتَّى رَأَيْنَا بَيَاضَ خَدَّيْهِ ثُمَّ انْفَتَلَ كَانْفِتَالِ أَبِي رِمْثَةَ يَعْنِي نَفْسَهُ فَقَامَ الرَّجُلُ الَّذِي أَدْرَكَ مَعَهُ التَّكْبِيرَةَ الْأُولَى مِنَ الصَّلَاةِ يَشْفَعُ، فَوَثَبَ إِلَيْهِ عُمَرُ فَأَخَذَ

بِمَنْكَبَيْهِ فَهَزَّهُ ثُمَّ قَالَ: إِجْلِسْ فَإِنَّهُ لَمْ يَهْلِكْ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ بَيْنَ صَلَوَاتِهِمْ فَصْلٌ، فَرَفَعَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وآله وسلم بَصَرَهُ فَقَالَ: أَصَابَ اللهُ بِكَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ. رَوَاهُ أَبُوْ دَاؤُدَ.

”حضرت ازرق بن قیس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے امام نے ہمیں نماز پڑھائی جن کا نام ابو رمثہ تھا۔ انہوں نے فرمایا: ایک مرتبہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ یہی نماز یا اس جیسی نماز پڑھی۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ صف اول میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دائیں جانب کھڑے تھے۔ ایک شخص اور تھا جس نے تکبیر اولیٰ پائی تھی۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کو پورا کر چکے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں اور بائیں جانب سلام پھیرا یہاں تک کہ ہم لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک رخساروں کی سفیدی دیکھی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح کھڑے ہوئے جس طرح ابو رمثہ کھڑے ہوئے۔ پھر وہ شخص جس نے تکبیر اولیٰ میں شرکت کی تھی وہ دو نفل پڑھنے کے لئے کھڑا ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جلدی سے اس کو کندھوں سے پکڑ لیا اور اس کو جھٹک کر بٹھا دیا اور فرمایا: اہل کتاب اس لئے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے ایک نماز کو دوسری نماز سے علیحدہ نہ کیا۔ اسی وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آنکھ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: اے عمر بن الخطاب! اللہ تعالیٰ نے تمہیں صحیح بات کہنے کی توفیق عطا فرمائی۔“ اس حدیث کو امام ابو داؤد نے روایت کیا ہے۔

(أخرجه أبو داود في السنن، كتاب الصلوة، باب في الرجل يتطوع في مكانه الذي صلى فيه المكتوبة، ۱/ ۲۶۴، الحديث رقم: ۱۰۰۷، والحاكم في المستدرك على الصحيحين، ۱/ ۴۰۳، الحديث رقم: ۹۹۶)

اسی طرح فرض نمازوں کے بعد سنتوں سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مختلف انداز کے مختلف اوراد و وظائف اور ذکر و دعا کا پڑھنا ثابت ہے، اس لئے اگر کوئی شخص اتنی دیر کے لئے بیٹھ کر کچھ وظائف پڑھتا ہے کہ جس میں دوسرا آدمی دو رکعت سنت پڑھ سکتا ہے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اس لئے فرائض کے بعد اذکار و تسبیحات پڑھیں تاکہ ایسا نہ ہو کہ کوئی فرائض کے بعد بلا ضرورت دنیاوی باتوں میں لگ جائے۔

فرائض کے بعد آیت الکرسی کے پڑھنے کے بارے میں "السنن الکبری للنسائی" میں ہے: "عن أبي أمامة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم -: "من قرأ آية الكرسي في دُبر كلّ صلاةٍ مكتوبةٍ لم يمنعه من دخول الجنة إلّا أن يموت۔"

(السنن الکبری للنسائی کتاب عمل الیوم واللیلۃ، ثواب من قرأ آیۃ الکرسی دبر کل صلاۃ، ج:۹، ص:۴۴، رقم: ۹۸۴۸، ط:مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

کہ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے اُسے جنت میں داخل ہونے سے بجز موت کے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

☜ جماعت کے بعد امام صاحب کو کس طرف رخ پھیرنا چاہیے؟

آپ علیہ الرحمہ سے کسی نے پوچھا کہ جماعت پڑھانے والے امام صاحب کو جماعت کے بعد کس طرف چہرہ پھیرنا چاہیے یا کہ قبلہ رخ ہی رہنا چاہیئے، آپ جناب نے ارشاد فرمایا کہ جماعت کے بعد امام صاحب کو اپنے مصلے پر بائیں طرف اور مقتدیوں کو دائیں طرف سرکنا چاہیے یعنی جگہ بدلنا چاہیے اور آپ جناب نے ارشاد فرمایا کہ سرکار دوعالم ﷺ نے جماعت کے بعد دعا کے لئے اکثر دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف چہرہ مبارک پھیر لیتے اور (یہ) اس لئے کہ ایک طرف فرض نہ ہو۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۳)

توضیح ملفوظ:-

امام کا سلام پھیرنے کے بعد قبلہ رُو اسی حالت پر بیٹھے رہنا مکروہ ہے، اس کے لیے سنت یہ ہے کہ دائیں یا بائیں جانب رخ کر کے بیٹھے یا اگر پیچھے محاذات میں کوئی نماز میں مشغول نہ ہو، تو مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھے۔ احادیث طیبہ میں یہ تینوں طریقے مذکور ہیں، البتہ ان میں افضل یہ ہے کہ دائیں جانب رخ کر کے بیٹھے۔ نیز یہ رخ پھیرنے کا حکم صرف فجر و عصر کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام نمازوں کا یہی حکم ہے

فتاوی تاتار خانیہ میں ہے:"واذا فرغ الامام من الصلاۃ اجمعوا علی انہ لا یمکث فی مکانہ مستقبل القبلۃ فی الصلوات کلھا الخ"یعنی جب امام نماز سے فارغ ہو تو فقہائے کرام کا اس پر اجماع ہے کہ وہ تمام نمازوں میں قبلہ رو اپنی جگہ بیٹھا نہ رہے۔ (فتاوی تاتار خانیہ، ج۲، ص۱۹۲، مطبوعہ کوئٹہ)

بہار شریعت میں ہے:"سلام کے بعد سنت یہ ہے کہ امام داہنے بائیں کو انحراف کرے اور داہنی طرف افضل ہے اور مقتدیوں کی طرف بھی مونھ کر کے بیٹھ سکتا ہے، جب کہ کوئی مقتدی اس کے سامنے نماز میں نہ ہو، اگرچہ کسی پچھلی صف میں وہ نماز پڑھتا ہو۔" (بہار شریعت، ج۱، ص۵۳۷، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا بھی معمول یہ تھا کہ جماعت کے بعد کبھی دائیں طرف اور کبھی بائیں طرف چہرہ انور پھیر لیتے احادیث میں یہ مذکور ہے،وَكَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: "يَنْفَتِلُ عَنْ يَمِينِهِ، وَعَنْ يَسَارِهِ، وَيَعِيبُ عَلَى مَنْ يَتَوَخَّى أَوْ مَنْ يَعْمِدُ الِانْفِتَالَ عَنْ يَمِينِهِ"

(صحیح البخاری: باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال۔ ج۱ ص۱۱۷)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ نماز سے سلام پھیر کر دونوں طرف سے پھر کر بیٹھتے تھے اور اس شخص پر اعتراض کرتے تھے جو خواہ مخواہ قصداً دائیں طرف سے پھرنے کو ضروری سمجھے۔"

عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَحْبَبْنَا أَنْ نَكُونَ عَنْ يَمِينِهِ، يُقْبِلُ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ۔ (سنن ابی داؤد مع عون المعبود ج۳۳۷ ج۱۔ مشکوۃ ص۱۰۱۔ صحیح مسلم و نیل الاوطار باب الانحراف بعد السلام و قدر اللبس واستقبال المامومین ص۳۰۵ ج۳)

"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جب رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی اقتدا میں نماز پڑھتے تو ہم آپ کی دائیں جانب کھڑے ہوتے تا کہ آپ نماز پڑھا کر سلام پھیر کر ہماری طرف سے نمازیوں پر متوجہ ہوں۔"

رسول اللہ ﷺ کا یہ معمول مبارک تھا کہ اگر دائیں جانب کے صحابہ سے کوئی بات کرنی ہوتی تو دائیں جانب سے صحابہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اگر بائیں جانب مقتدیوں سے کوئی کام یا بات کرنی ہوتی تو بائیں طرف سے نمازیوں پر متوجہ ہوتے۔ بہر حال پیش امام بعد از سلام دونوں جانب سے اپنے نمازیوں کی طرف منہ پھیر کر بیٹھ سکتا ہے اور یہی سنت ہے۔

☜ مسجد سے باہر جماعت کروانی ہو تو اس کے لئے اذان و اقامت کا حکم:-

آپ سے عرض کیا گیا کہ حضور اگر مسجد سے باہر کہیں جماعت ادا کرنی پڑے کھلی جگہ یا بیٹھک وغیرہ میں تو اذان اور اقامت ضروری ہے یا نہیں؟ فرمایا! کہ اذان تو گاؤں والی کافی ہے لیکن اقامت کریں گے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر:۱۷۰)

توضیح ملفوظ:-

مسجد کے علاوہ شہر میں کسی جگہ (دفتر، دکان اور مکان) میں جماعت کرنی ہو، تو اگر محلے کی اذان ہو چکی ہو، تو وہی اذان کافی ہے، البتہ جماعت اقامت کے ساتھ ادا کرنی چاہیئے۔ **وكره تركهما معًا... بخلاف مصل ولو بجماعة في بيته بمصر أو قرية لها مسجد فلا يكره تركهما إذ أذان الحي يكفيه: لأن أذان المحلة وإقامتها كأذانه وإقامته... اه وقال في الهداية** (کتاب الصلاۃ، باب الأذان:۱/۷۶)

منفرد مسافر ہے اور جنگل میں نماز ادا کر رہا ہے تو اذان و اقامت دونوں کہنا مستحب ہے، اور صرف اقامت پر اکتفاء کرنا بھی جائز ہے، اور اطمینان و سکون کی حالت اذان و اقامت دونوں چھوڑ دینا خلافِ اولیٰ ہے، ہدایہ میں ہے کہ: **"والمسافر يؤذن ويقيم فإن تركهما جميعا يكره ولو اكتفى بالإقامة جاز اه"**

(الہدایہ، کتاب الصلوٰۃ:۷۶/۱)

اور اگر گھر میں نماز ادا کر رہا ہے تو محلہ کی اذان و اقامت کافی ہے، لیکن پھر بھی

اذان واقامت کہہ لینا مستحب ہے، اور اگر کسی مسجد میں جماعت ہو جانے کے بعد نماز ادا کر رہا ہے تو بغیر اذان واقامت کے نماز پڑھے گا، اس کے لیے اذان واقامت کہنا مکروہ ہے۔قال فی الدر : و کرہ ترکھما معا... بخلاف... مصل فی مسجد بعد صلاۃ جماعۃ فیہ بل یکرہ فعلھما"

(در مختار، کتاب الصلوٰۃ باب الأذان:۶۳/ ۲، ط: زکریا دیوبند)

کھانا کھانے کے بعد برتن میں کھانا نہ چھوڑیں:-

آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کھانے کی پلیٹوں میں کھانا رہ جانے پر اپنے متعلقین سے فرمایا، کہ میرے استاد جی فرمایا کرتے تھے کہ کھانا کھاتے ہوئے تھوڑا سا کھانا پلیٹ میں نہ چھوڑیں بلکہ اس کو صاف کرنا چاہیے ورنہ مکروہ ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۵)

توضیح ملفوظ:-

احادیث مبارکہ میں مذکور ہے فرمان ذیشان ہے کہ "عن نبیشۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: من أکل فی قصعۃ فلحسھا استغفرت لہ القصعۃ رواہ أحمد والترمذی" (مشکاۃ:۳۶۶)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی پیالہ میں کچھ کھایا پھر اسے چاٹ لیا (اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر دانی کرتے ہوئے اور کھانے کے کسی حصہ کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے) تو پیالہ اس کے لیے مغفرت کی دعا کرتا ہے، حدیث کا مطلب واضح ہے کہ کھانے کا کوئی حصہ برتن میں لگا نہ رہ جائے جس سے کھانا ضائع ہو یا اس کی ناقدری ہو۔

حضور ﷺ بھی برتن کو صاف کر کے کھانا تناول فرماتے تھے۔عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ أَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وسلم أَمَرَ بِلَعْقِ الأَصَابِعِ وَالصَّحْفَۃِ وَقَالَ إِنَّکُمْ لاَ تَدْرُونَ فِی أَیِّہِ الْبَرَکَۃُ (مسلم شریف، رقم:۲۰۳۳)

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے انگلیوں اور

برتن کو چاٹنے (صاف کرنے) کا حکم دیا اور فرمایا: ''تم نہیں جانتے کہ برکت کھانے کے (کس لقمہ یا جزو) میں ہے۔

آپ ﷺ تین انگلیوں سے کھانا کھاتے اور بعد میں انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے

عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَأْكُلُ بِثَلَاثِ أَصَابِعَ وَيَلْعَقُ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يَمْسَحَهَا

(صحیح مسلم حدیث نمبر ۱۳۰۱)

سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تین انگلیوں سے کھاتے تھے اور ہاتھ پونچھنے سے پہلے ان کو چاٹ لیتے تھے۔

-: مجلس میں کسی چیز کی تقسیم کی ابتداء کس طرف سے کریں؟

آپ رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ مجلس میں کسی چیز کی تقسیم کس طرف سے کریں؟ آپ نے فرمایا کہ ''کوئی چیز سیدھے یعنی دائیں ہاتھ کی طرف سے تقسیم کریں یہ طریقہ سنت ہے'' (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۵)

توضیح ملفوظ:-

مجلس میں کوئی چیز سیدھے یعنی داہنے طرف سے تقسیم کرنے میں ابتداء کریں، کسی مشروب یا کھانے پینے کی چیز کی تقسیم میں بھی دائیں سے ابتدا کی جائے گی، اگرچہ بائیں جانب زیادہ اہل شرف لوگ موجود ہوں یہ سنت نبوی ﷺ ہے حدیث مبارکہ میں ہے سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک مشروب (یعنی دودھ) لایا گیا تو آپ ﷺ نے اس میں سے پیا۔ آپ ﷺ کی دائیں طرف ایک لڑکا تھا اور بائیں طرف بڑی عمر کے لوگ تھے تو آپ نے لڑکے سے کہا: اگر تم مجھے اجازت دو تو ان (بڑی عمر کے) لوگوں کو یہ (بچا ہوا حصہ) دے دوں؟ اس لڑکے نے کہا: نہیں، یارسول اللہ! اللہ کی قسم! میں آپ کے جوٹھے پر کسی کو ترجیح نہیں دوں گا تو رسول اللہ ﷺ نے

اسے اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

(موطاامام مالک روایۃ ابن القاسم:۲:۷۴)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں دودھ پیش کیا گیا آپ نے اسے تناول فرمایا، آپ کی دائیں طرف ایک اعرابی بیٹھے ہوئے تھے، اور بائیں طرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف فرماتھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا، یارسول اللہ! کیا ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پیش کروں؟ لیکن دودھ اعرابی کو پیش کیا گیا اور آپ نے ارشاد فرمایا **"الایمن فالایمن"** "دایاں تو دایاں ہے"

(فتح الباری مع البخاری ج۱۰ص۸۶ طبع السلفیۃ)

تمام واجبات، مستحبات اور مباحات امور میں مصطفٰی کریم ﷺ کا پسندیدہ معمول دائیں طرف سے شروع کرنا احادیث میں مذکور ہے، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ **"کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعجبہ التیمن فی تنعلہ وترجلہ وطھورہ وفی شانہ کلہ"۔**

(صحیح البخاری ج۱ص۴۷ حدیث نمبر۱۶۶، ط دار ابن کثیر الیمامۃ بیروت ۱۹۸۷ء)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ اپنے نعل مبارک اور کنگھا کے استعمال اور طہارت وغیرہ؛ بلکہ ہر معاملے میں دایاں کو پسند فرماتے تھے۔

☜ :- سفر میں سنن کی بھی قصر ہے یا کہ پڑھنے چاہئیں؟

نماز مغرب کے بعد فیروز جنگ (ماما) نے عرض کیا کہ حضور اکثر سفر میں بس والے زیادہ انتظار نہیں کرتے تو وہاں نماز میں سنتوں کے متعلق کیا حکم ہے، پڑھ لیں یا پھر چھوڑ سکتے ہیں؟

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ فرض اور سنتیں دونوں پڑھنی چاہیے، بہر حال آجکل کچھ لوگوں نے یہ طریقہ اپنا رکھا ہے کہ فرض پڑھ کر سنتیں چھوڑ دیتے ہیں تو آپ لوگ اس مجبوری میں کہ بس والے انتظار نہ کریں یا کوئی مجبوری ہو تو فرض پڑھ کر سنتیں بس میں ہی (چلتی ہوئی میں) بیٹھ کر جس طرف بس کا منہ

ہو پڑھ سکتے ہیں، اس پر میں (راقم ملفوظ عبد الوہاب) نے عرض کیا کہ یہ سنت دوبارہ پڑھنے ہونگے؟، فرمایا کہ نہیں یہ (ادا) ہوگئے ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۶۴)

توضیح ملفوظ:-

نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم سے سفر میں سنتیں پڑھنا ثابت ہے۔ اس لئے سفر میں فرائض و سنن دونوں پڑھنی چاہیے حالتِ سفر میں قصر کا حکم صرف چار رکعات والی فرض نمازوں میں ہے، اس کے علاوہ نمازوں میں قصر نہیں ہے۔ یعنی سنن و نوافل جب سفر میں پڑھے جائیں تو پورے پڑھے جائیں فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر حالتِ سفر میں موقع ہو اور جلدی نہ ہو تو سنتیں پڑھ لینا اولیٰ اور افضل ہے۔ بحر الرائق میں ہے کہ ”وقيد بالفرض؛ لأنه لا قصر في الوتر والسنن واختلفوا في ترك السنن في السفر، فقيل: الأفضل هو الترك ترخيصاً، وقيل: الفعل تقرباً، وقال الهندواني: الفعل حال النزول والترك حال السير، وقيل: يصلي سنة الفجر خاصةً، وقيل: سنة المغرب أيضاً، وفي التجنيس: والمختار أنه إن كان حال أمن وقرار يأتي بها؛ لأنها شرعت مكملات والمسافر إليه محتاج، وإن كان حال خوف لا يأتي بها؛ لأنه ترك بعذر“ (البحر الرائق: ۲/۱۴۱)۔

معلوم یہ ہوا کہ سنتوں میں قصر نہیں بلکہ پوری پڑھی جائیں گی۔ البتہ خوف اور ایسی کسی مجبوری مثلاً گاڑی کے نکلنے کا اندیشہ وغیرہ ہو تو اس حالت میں سنتیں چھوڑ سکتا ہے۔ معاف ہیں لیکن سنت کی قصر نہیں کر سکتا۔، لیکن یہاں پر ملفوظ میں یہ بھی مذکور ہے کہ اگر بس نکلنے کا اندیشہ ہو تو بس میں بیٹھ کر پڑھیں یہ آپ علیہ الرحمہ کی سنن کے ساتھ محبت کا اظہار ہے کہ سنن کو کسی حالت میں ترک نہیں کرنا چاہیے۔

☜ :-جمعہ کے فرائض سے قبل سنن جب رہ جائیں تو کب پڑھیں؟

جمعہ کی سنتوں کے متعلق میں نے عرض کیا کہ کیا یہ جو کہتے ہیں کہ جمعہ کی چار سنت فرض ظہر کی جگہ ہیں اور کیا پہلے چار سنت اگر رہ جائیں تو دوبارہ پڑھے جائیں کہ نہیں؟

تو آپ نے فرمایا! کہ فرض جمعہ کے دو رکعت فرض پڑھ کر ادا ہو گئے۔ باقی فرض سے پہلے چار سنتیں اور فرض کے بعد آخری چار سنتیں سنت مؤکدہ ہیں۔ جمعہ کے فرائض سے پہلے سنتیں اگر رہ جائیں تو بعد میں (نماز کے آخر میں) پڑھیں گے۔ اور جمعہ کی آخری دو سنتیں سنن زوائد ہیں۔ لیکن ان کو پڑھنا چاہئے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۶۴، ۱۶۵)

توضیح ملفوظ:-

اگر کسی شخص کی جمعہ کی نماز میں فرضوں سے پہلے کی چار سنتیں رہ جائیں تو بہتر یہ ہے کہ فرض کے بعد والی سنت مؤکدہ ادا کرنے کے بعد پہلے والی چار رکعتیں ادا کرے اور اگر فرض کی ادائیگی کے بعد پہلے والی سنتیں ادا کرلی تب بھی درست ہے۔

حضور اکرم ﷺ کا عمل مبارک اس حوالے سے ظہر کے فرضوں سے پہلے والی سنتیں رہ جانے کے بارے میں ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے ان چار سنتوں کے رہ جانے پر ظہر کے بعد والی دو سنتیں پڑھنے کے بعد ادا فرمائی۔

جیسا کہ ابن ماجہ میں ہے: عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَاتَتْهُ الْأَرْبَعُ قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهَا بَعْدَ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ کی جب ظہر کی پہلی چار سنتیں چھوٹ جاتیں تو آپ انھیں ظہر کی بعد والی دو سنتوں کے بعد ادا کر لیتے تھے۔

(ابن ماجہ، السنن، کتاب إقامۃ الصلاۃ والسنۃ فیہا، باب من فاتتہ الأربع قبل الظہر، ۱:۳۶۶، رقم: ۱۱۵۸)

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے:

وقضى السنة التي قبل الظهر "في الصحيح "في وقته قبل" صلاة "شفعة" على المفتى به كذا في شرح الكنز للعلامة المقدسي وفي المختار تقديم الاثنتين على الأربع وفي مبسوط شيخ الإسلام هو الأصح لحديث عائشة رضي الله عنها أنه عليه السلام كان إذا فاتته الأربع قبل الظهر يصليهن بعد الركعتين وحكم الأربع قبل الجمعة كالتي قبل الظهر"

ترجمہ: اور سنت کی قضا کی جائے گی جو ظہر سے پہلے ہیں صحیح قول میں اسی وقت میں دو رکعتوں سے پہلے مفتی بہ قول کے مطابق اسی طرح علامہ مقدسی کی شرح کنز میں ہے اور مختار قول میں دو سنتوں کو چار پر مقدم کیا جائے گا اور شیخ الاسلام کی مبسوط میں یہی اصح ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کی وجہ سے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی جب ظہر سے پہلے والی چار رکعتیں فوت ہو جاتیں تو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم انہیں دو رکعتوں کے بعد ادا فرماتے اور جمعہ سے پہلے والی چار رکعتوں کا حکم وہی ہے جو ظہر سے پہلے والی رکعتوں کا ہے۔
(مراقی الفلاح شرح نور ایضاح، باب ادراک الفریضہ، صفحہ۱۸۶)

فتاویٰ رضویہ میں ہے، ”ظہر کی پہلی چار سنّتیں جو فرض سے پہلے نہ پڑھی ہوں تو بعدِ فرض بلکہ مذہبِ اَرجَح (یعنی پسندیدہ ترین مذہب) پر بعد (دو رکعت) سنّتِ بَعدِیہ کے پڑھیں بشرطیکہ ہُنُوز (یعنی ابھی) وقتِ ظُہر باقی ہو۔“ (فتاوی رضویہ، ج۸، ص۱۴۸ مُلَخَّصاً)

بہار شریعت میں ہے: ”ظہر یا جمعہ کے پہلے کی سنت فوت ہو گئی اور فرض پڑھ لیے تو اگر وقت باقی ہے بعد فرض کے پڑھے اور افضل یہ ہے کہ پچھلی سنتیں پڑھ کر ان کو پڑھے۔“ (بہار شریعت، سنن ونوافل کا بیان جلد ا، حصہ ۴، صفحہ ۶۶۹ مکتبۃ المدینہ)۔

جمعہ کے بعد چار رکعتیں سنتِ مؤکدہ ہیں، اور ان کے بعد دو سنتیں راجح قول کے مطابق غیر مؤکدہ ہیں۔ البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک چار رکعت اور دو رکعت دونوں سنتِ مؤکدہ ہیں۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے قول اور عمل دونوں کو جمع فرمایا کہ آپ نے جمعہ کے بعد چار رکعت پڑھنے کا حکم دیا اور آپ سے جمعہ کی نماز کے بعد دو رکعت سنتیں ادا کرنا منقول ہے۔ یہی مسلک حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

راجح قول کی وجہ یہ ہے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا ارشاد ہے کہ جو تم میں جمعہ کے بعد سنتیں پڑھے تو وہ چار رکعت ادا کرے، اور خود آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا جو اس کے علاوہ دو رکعت ادا کرنا ثابت ہے تو اس سے مواظبت معلوم نہیں ہوتی۔ اور چار رکعت کے بعد جو شخص جتنی چاہے نمازیں ادا کرے، منع نہیں ہے، البتہ اس کو سنتِ مؤکدہ نہیں کہا جا سکتا ہے، اور یہ

مسلک حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے

☜ -: فجر کی سنتیں جب قضا ہوں تو کب پڑھیں؟

فجر کی سنتوں کے متعلق آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر فجر کی صرف سنتیں رہ جائیں اور فرائض باجماعت ادا ہوں تو سنن بعد پڑھنی چاہئے یا نہیں اور اگر پڑھنی ہو گی تو کب (کس وقت)؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کہ فجر کی دو سنت زیادہ اہم ہیں۔ اس لئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ جماعت کھڑی ہوتی ہے پھر بھی لوگ سنتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ لیکن بہر حال بہتر یہ ہے کہ جماعت کھڑی ہو جائے تو جماعت میں شامل ہو جائیں اور سنت پھر سورج نکلنے کے بعد جب ذرا دن چڑھے تو پڑھنے چاہئیں اور اگر وہ بالکل قضا ہو جائیں (یعنی زوال تک) تو پھر نہ پڑھیں۔ میں نے عرض کیا کہ لوگ اگر اِمام کو تشہد تک پاتے ہیں پھر بھی سنت پڑھتے ہیں فرمایا! کہ بہتر تو یہ ہے کہ جماعت میں شامل ہو جائیں اور اگر نہیں تو کم از کم ایک رکعت میں شامل ہو جانا چاہیے یعنی آخری رکعت اِمام کے ساتھ شامل ہو جائے اور سنت پھر سورج چڑھنے کے بعد پڑھیں اور یہ بھی فرمایا! کہ جب جماعت کھڑی ہو تو سنت صف سے ہٹ کر پڑھنا چاہیے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۶۵)

توضیح ملفوظ -:

نماز فجر کی دو سنتوں کے متعلق احادیث مبارکہ میں بہت زیادہ تاکید آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی بہت فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ امام ابو جعفر طحاوی شرح معانی الآثار میں نقل کرتے ہیں کہ صحابیِ رسول ﷺ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے متعلق منقول ہے کہ اگر نمازِ فجر باجماعت شروع ہو جاتی اور انہوں نے ابھی سنتیں ادا نہ کی ہوتیں تو وہ پہلے مسجد کے کسی گوشے میں سنتیں ادا کرتے، پھر باجماعت نماز میں شریک ہو جاتے۔ روایت درج ذیل ہے:

عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ أَنَّهُ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ فَيُصَلِّي الرَّكْعَتَيْنِ فِي نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ يَدْخُلُ مَعَ الْقَوْمِ فِي الصَّلَاةِ۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ مسجد میں داخل ہوتے اور لوگ (باجماعت) نمازِ فجر میں صف بستہ ہوتے تو یہ پہلے مسجد کے گوشے میں دو رکعت (سنتیں) پڑھتے، پھر لوگوں کے ساتھ نماز میں شامل ہو جاتے۔

(طحاوی، شرح معانی الآثار، کتاب الصلاۃ، باب الرجل یدخل المسجد والإمام فی صلاۃ الفجر، ۱:۴۸۷، رقم:۲۱۶۴)

لیکن ہمارے ہاں یہ انتہائی غلط طریقہ رائج ہے۔ جیسے بعض لوگوں کا معمول ہے کہ مسجد میں فجر کی جماعت کھڑی ہوتی ہے اور وہ جماعت کی صفوں میں متصل کھڑے ہو کر سنتیں پڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنے سے ایک نقصان یہ ہے کہ امام بآواز بلند قرآن حکیم کی تلاوت کر رہا ہوتا ہے جس کا سننا فرض ہے اور سنتوں میں مشغول شخص اس فرض کو ترک کر رہا ہوتا ہے۔ اس کا دوسرا نقصان یہ ہے کہ بعض اوقات سنتوں میں مشغولیت کی وجہ سے فرض نماز کی جماعت چھوٹ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث مبارکہ میں جہاں فجر کی سنتیں پڑھنے کی سخت تاکید کی گئی ہے وہاں فقہاء نے یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ نمازی کو اگر فجر کی سنتیں پڑھنے کی وجہ سے جماعت سے محروم ہونے کا خدشہ ہو تو پھر سنتیں ترک کر کے جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے اور سورج نکلنے کے بعد استواء (وقتِ مکروہ) سے پہلے سنتوں کی قضا کرے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **مَنْ لَمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ۔**

جو فجر کی دو سنتیں ادا نہ کر سکے، وہ طلوع آفتاب کے بعد ادا کرے۔ (الترمذی، السنن، کتاب الصلاۃ، باب ماجاء فی إعادتهما بعد طلوع الشمس، ۲:۲۸۷، الرقم:۴۲۳، بیروت: دار إحیاء التراث العربی)

مختصر یہ ہے کہ فجر کی سنتیں ادا کر کے جماعت کے ساتھ مل سکتا ہو تو سنتیں پڑھ لے، باقی نمازوں کی پہلی سنتیں شروع کر چکا ہو تو دو سنتوں کے بعد سلام پھیر دے اگر تیسری رکعت کا سجدہ کر چکا ہو تو چار مکمل کر کے جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے، اگر شروع نہ کی ہوں تو جماعت کے ساتھ شامل ہونا لازم ہے۔

اس لئے اگر کوئی شخص فجر کی نماز کے لیے مسجد آئے اور جماعت شروع ہو گئی

ہو تو اگر اسے امید ہو کہ وہ سنتیں پڑھ کر امام کے ساتھ قعدہ اخیرہ میں شامل ہو جائے گا، تو اسے چاہیے کہ (کسی ستون کے پیچھے، یا بر آمدے یا صحن میں یا جماعت کی صفوں سے ہٹ کر) فجر کی سنتیں ادا کرے اور پھر امام کے ساتھ قعدہ میں شامل ہو جائے، اور اگر سنتیں پڑھنے کی صورت میں نماز مکمل طور پر نکلنے کا اندیشہ ہو تو سنتیں چھوڑ دے اور فرض نماز میں شامل ہو جائے، اور سنت رہ جانے کی صورت میں سورج طلوع ہونے سے پہلے پہلے اس کو پڑھنا جائز نہیں ہے، البتہ اشراق کا وقت ہو جانے کے بعد صرف فجر کی سنت قضا کی جاسکتی ہے اور یہ حکم اسی دن کے زوال تک کے لیے ہے، اس دن کے زوال کے بعد فجر کی سنت کی قضا درست نہیں۔

ولا يقضيها إلا بطريق التبعية لقضاء فرضها قبل الزوال لا بعده في الأصح؛ لورود الخبر بقضائها في الوقت المهمل۔ (الدر المختار وحاشیۃ ابن عابدین، رد المحار، ۲/۵۷)۔

-: خاندانی منصوبہ بندی :-

میں (راقم ملفوظات عبد الوہاب چشتی) نے عرض کیا کہ حضور یہ خاندانی منصوبہ بندی جو حکومت کر رہی ہے یہ منصوبہ بندی جائز ہے؟ اور کیا یہ ٹھیک ہے کہ نہیں؟۔ تو (آپ جناب نے) فرمایا! کہ یہ ٹھیک نہیں لیکن ایک طریقے سے جائز بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ دو سال تک ماں بچے کو دودھ پلا سکتی ہے لیکن (اگر بچے کی صحت کمزور ہو دودھ سے استغناء نہ ہوا ہو تو) ہمارے حنفی مذہب میں ڈھائی سال تک ماں بچے کو دودھ پلا سکتی ہے، تو ڈھائی سال یہ منصوبہ بندی کر سکتے ہیں دوسرے یہ کہ اگر اس نیت سے ہو کہ کثرت اولاد سے آپ کی مشغولیت اتنی ہو کہ عبادات اور فرائض میں فرق آئے (اور شاید رزق حلال میں فرق بھی فرمایا) تو اس نیت سے جائز ہے۔ لیکن جس نیت سے یہ بتاتے ہیں کہ رزق کا مسئلہ ہے تو یہ ناجائز اور گناہ ہے۔ رزق کا معاملہ تو خدا اجل شانہ (کی طرف) سے ہے اس نے وعدہ کیا ہے اور آپ نے فرمایا، کہ حضور پاک صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم نے اصحاب کرام علیہم الرضوان کو اجازت دی تھی صحابہ کرام علیہم الرضوان کے دور میں بھی ہوا۔ اور وہ مادہ تولید کو باہر گرانے کا طریقہ تھا۔ میں نے پوچھا کہ یہ حکومت کے طریقے صحیح اور جائز ہیں؟ فرمایا! کہ

کئی صحیح بھی ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۹۲)

توضیح ملفوظ:-

نکاح شریعت کی نظر میں انتہائی اہمیت کا حامل ہے، اور نکاح کے اہم اور بنیادی مقاصد میں سے جائز طریقے سے اولاد کا حصول ہے، چناں چہ جس طرح اولاد کے حصول پر زور دیا گیا ہے، اسی طرح ہر ایسے عمل سے منع کیا گیا، جس سے اولاد کے حصول کا سلسلہ منقطع ہو جائے، چاہے وہ صورت عزل (یعنی: بیوی سے ملتے وقت مادہ منویہ باہر خارج کرنے) کی ہو یا نس بندی کی، مانعِ حمل ادویات کا استعمال ہو یا خاندانی منصوبہ بندی کی تحریک، عورت سے پیدائشِ اولاد کی صلاحیت کو ختم کرنا ہو یا حمل ٹھہر جانے کے بعد اسقاطِ حمل ہو، ہر صورت کو شریعت نے کسی عذر شرعی کے بغیر ممنوع قرار دیا ہے، جن میں سے بعض تو بالکل حرام ہیں، بعض ناجائز اور بعض ناپسندیدہ۔

خاندانی منصوبہ بندی کی دو صورتیں ہیں:

۱۔ **قطعِ نسل:** یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے دائمی طور پر قوتِ تولید یا پیدائشِ اولاد کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے جیسا کہ عورت اپنی نس بندی کرا لے یا مرد خصی بن جائے، ایسا کرنا شرعاً بالکلیہ ناجائز اور حرام ہے، کسی مسلمان کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو تبدیل کرنا پایا جاتا ہے جو کہ درست نہیں، حدیث شریف میں رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

”حدثنا عمرو بن عون، حدثنا خالد، عن إسماعيل، عن قيس، عن عبد الله رضي الله عنه، قال: ”كنا نغزو مع النبي صلى الله عليه وسلم وليس معنا نساء، فقلنا: ألا نختصي؟ فنهانا عن ذلك، فرخص لنا بعد ذلك أن نتزوج المرأة بالثوب“ ثم قرأ: {يا أيها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما أحل الله لكم} [المائدة:87]“ (صحیح البخاری (۶/ ۵۳))

یعنی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ

ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تھے اور ہمارے ساتھ ہماری بیویاں نہیں ہوتی تھیں، چناں چہ ہم (یعنی بعض صحابہ) نے عرض کیا: کیا ہم خصی نہ ہوجائیں؟ تو آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا، اور اس کے بعد ہمیں رخصت دے دی کہ ایک جوڑے کپڑے (مہر) کے بدلے ہم نکاح کرلیں، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اے ایمان والو! حرام نہ کرو وہ پاکیزہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں۔

اس بارے میں علامہ عینی رحمہ اللہ (اس حدیث کی شرح میں جس میں آپ ﷺ نے خصی ہونے [یعنی: اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ختم کرنے] سے منع فرمایا) ارشاد فرماتے ہیں کہ: ”اس حدیث سے خصی ہونے کی حرمت کا پتا چلتا ہے، اور یہ حرمت اس وجہ سے ہے کہ اس فعل میں اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں تغییر و تبدیلی کرنا اور نسلِ انسانی کو ختم کرنا اور کسی جاندار کو عذاب دینا پایا جاتا ہے۔“

”قال العلام العینی تحت قول: ”نہانا عن ذالك“ یعنی: عن الاختصاء، وفیہ تحریم الاختصاء لما فیہ من تغییر خلق اللہ تعالیٰ، ولما فیہ من قطع النسل و تعذیب الحیوان“

(عمدۃ القاری، کتاب التفسیر، باب قولہ تعالیٰ: ”یا أیھا الذین اٰمنوا لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم“، ۱۸/ ۲۸۰، دار الکتب العلمیۃ)

نیز رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ میری اُمّت میں سے نہیں، جیسا کہ کتاب الزہد لابن المبارک میں ہے: ”لیس منا مَن خصی ولا اختصیٰ، إن خصاء أمتی الصیام“

(کتاب الزہد لابن المبارک، باب التواضع، رقم الحدیث: ۸۴۵، ص: ۳۳۶، دار الکتب العلمیہ)

اسی طرح ایسا ذریعہ اختیار کرنا بھی جائز نہیں ہے جس سے توالد و تناسل کا سلسلہ طویل عرصے کے لیے بند ہوجائے، مثلاً: کو پرٹی وغیرہ لگوانا۔ ملحوظ رہے کہ کوپرٹی لگوانے میں بے پردگی وغیرہ مفاسد بھی پائے جاتے ہیں، اس لیے اس سے اجتناب کیا جائے۔

۲۔ منع حمل: یعنی کوئی بھی ایسا طریقہ اختیار کرنا جس سے عارضی طور پر حمل نہ

ٹھہرے، کسی عذر کے بغیر ایسا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، البتہ اگر میاں بیوی کو کوئی عذر لاحق ہو مثلاً غیر مسلم ملک میں بچہ پیدا ہونے سے بچے کے اخلاق بگڑنے کا خوف ہو یا دونوں دور دراز کے سفر پر ہوں اور حمل مشکلات کا سبب بن سکتا ہو یا حمل کی وجہ سے پہلے بچے کو دودھ پلانا متاثر ہو رہا ہو، (کیوں کہ دوسرے بچے کے حمل سے دودھ متاثر ہو جاتا ہے) یا عورت کی صحت یا بچوں کی تربیت پیش نظر ہو وغیرہ تو اس طرح کے اعذار کی وجہ سے ایسا کرنا جائز ہے، پھر اس میں کوئی کراہت نہیں۔

البتہ کسی غرضِ فاسد کی وجہ سے مانع حمل طریقہ اختیار کرنا مثلاً رزق کی تنگی کے خوف سے کہ اگر زیادہ اولاد ہوئی تو ان کو کہاں سے کھلائیں گے؟ ان کا خرچہ کون برداشت کرے گا؟ یا اس وہم سے منصوبہ بندی کرنا کہ بچی پیدا ہوئی تو ناک کٹ جائے گی اور خاندان یا معاشرے میں عار کا باعث ہو گی، یا جیسے بعض لوگ شادی کے بعد اسی فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اولاد کم ہو؛ تاکہ ان کی آزاد زندگی میں مخل نہ ہو، یہ سب شریعت سے متصادم خیالات ہیں۔ اگر ایسی کسی وجہ سے مانعِ حمل طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے تو اس کی گنجائش نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ”**تزوجوا الودود الولود فانی مکاثر بکم الأمم۔**“

”ترجمہ: ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ محبت کرنے والی ہو، زیادہ بچے جننے والی ہو؛ کیوں کہ (کل بروز قیامت) میں دیگر امتوں کے مقابلے میں اپنی اُمّت کی کثرت کے سبب فخر کروں گا۔“ (مشکوۃ ۲/۲۷۶)

البتہ اگر یہ نظریہ نہ ہو، بلکہ کسی ایسے عذر کی وجہ سے جس کا شریعت نے بھی اعتبار کیا ہو، منع حمل کے لیے عارضی طور پر مختلف تدابیر اختیار کرنا (مثلاً کنڈوم یا مانعِ حمل دوائیں استعمال کرنا) جائز ہے، مثلاً: کوئی عورت بہت زیادہ کمزور ہو اور ماہر تجربہ کار مسلمان طبیب کی تشخیص کے مطابق اس عورت کو حمل ٹھہر جانے کی صورت میں ناقابلِ برداشت تکلیف برداشت کرنا پڑے گی، یا پیدا ہونے والے بچے کے نہایت کمزور یا ناقص پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہو، یا اس سے پہلے والا بچہ ابھی بہت چھوٹا ہو، یا (اس بار کے حمل سے) پہلے

بچے کی تربیت و پرورش اور دودھ پلانے پر اثر پڑتا ہو تو کسی فاسد عقیدے کے بغیر، بیوی کی اجازت اور رضامندی سے عزل یا عارضی مانعِ حمل تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں بصورتِ دیگر ایسا کرنا مکروہ ہے۔ تو اس صورت میں عورت کے لئے ضبط تولید کے مفید اصولوں کو اپنانا نہ صرف جائز بلکہ مناسب تر ہے۔ بچے کی پیدائش پر ماں کو جن تکالیف، کمزوریوں اور دشواریوں سے گزرنا پڑتا ہے اس کا اندازہ کچھ عورتیں ہی کر سکتی ہیں۔ ہر ماں گویا مر کر دوبارہ زندہ ہوتی ہے۔ پھر پیدا ہونے والے بچے کو دو سال تک دودھ پلانا ماں کی ذمہ داری اور بچے کا حق ہے۔ اور اس میں بے شمار جسمانی اور روحانی فوائد ہیں۔ ماں کے دودھ کا بدل کوئی ہرگز ہرگز نہیں۔ اب جلد جلد بچے پیدا کرنے سے ایک تو ماں کی جسمانی صحت بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ دوسرے بچوں کو ان کا وہ شرعی حق نہیں ملتا جو قرآن نے ان کو دیا ہے۔ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (البقرۃ۲:۲۳۳)

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس تک دودھ پلائیں، اس صورت میں ضبط ولادت کے مفید طریقوں کو اپنانا بالکل ناجائز نہیں۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ”کنا نعزل والقرآن ینزل“

قرآن اتر رہا تھا اور ہم عزل کیا کرتے

مطلب یہ کہ قرآن نے ہمیں منع نہیں کیا۔ امام ترمذی اس پر تبصرہ فرماتے ہیں۔ ”قد رخص قوم من اهل العلم من اصحاب النبی صلی الله علیه و آله وسلم وغیرهم فی العزل وقال مالك ابن انس تستامر الحره فی العزل ولا تستامر الامه“ (جامع ترمذی ۱:۱۳۵)

صحابہ کرام اور دیگر بعض اہل علم نے عزل کی اجازت دی۔ مالک بن انس نے فرمایا عزل کے معاملہ میں آزاد عورت سے اجازت لی جائے اور لونڈی سے اجازت کی ضرورت نہیں

نوٹ: عزل کا مطلب ہے ہم بستری کرتے وقت انزال کا وقت آئے تو مادہ منویہ باہر ٹپکایا جائے۔ ہدایہ اور اس کی شرح فتح القدیر میں ہے۔ ”الصحیح الجواز ففی

الصحیحین عن جابر کنا نعزل والقرآن ینزل وفی المسلم عنه کنا نعزل علی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله و سلم فبلغ ذالك النبی صلی اللہ علیه وآله وسلم فلم ینهنا" (فتح القدیر، ۳:۳۷۴ طبع سکھر)

صحیح یہ ہے کہ عزل جائز ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ '' ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا ہو تا انہی سے مسلم میں ہے، ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں عزل کیا کرتے تھے، پس یہ بات رسول اللہ ﷺ کو پہنچی اور آپ نے ہم کو منع نہ فرمایا

فقہائے کرام فرماتے ہیں۔" باذنها للسید العزل عن امته بلا خلاف و کذا الزوج الحرۃ" (در المختار شامی ۳:۱۷۵ طبع کراچی)

اس میں کسی کا اختلاف نہیں کہ آقا لونڈی سے عزل کر سکتا ہے۔ یونہی آزاد بیوی سے بھی عزل کر سکتا ہے مگر اس کی اجازت سے۔ عزل کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ہم بستری کے وقت جب انزال کا وقت آئے تو مادہ منویہ کو رحم میں نہ جانے دے اور باہر گرا دے تاکہ حمل نہ ہو۔ اگر ضبط ولادت ناجائز ہوتا تو شارع علیہ السلام کبھی اس کی اجازت نہ دیتے۔ جب سرکار نے اجازت دے دی تو اس کے جواز میں شک نہ رہا۔

یہ ہے ضبط تولید میں اسلام کا نظریہ کہ آپ واقعی ضروریات اور مجبوری کے پیش نظر ضبط ولادت کی تدابیر اختیار کر سکتے ہیں

لیکن مستقل اور دائمی مانع حمل تدابیر مثلاً بچہ دانی نکال دینا، نس بندی کروالینا یا مرد کا آپریشن کر کے اس کی شرم گاہ کو ہمیشہ کے لیے بے کار بنا دینا جائز نہیں، بلکہ یہ سخت گناہ اور حرام ہے۔

نیز حمل ٹھہر جانے کے بعد چار مہینے پورے ہونے سے پہلے کسی عذر شرعی کی وجہ سے (مثلاً: حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہو جانا اور کسی اور ذریعہ سے بچے کی پرورش کا بندوبست نہ ہونا یا کسی ماہر اور دیندار معالج کا معائنہ کے بعد یہ کہنا کہ اگر حمل باقی

رہاتو عورت کی جان کو خطرہ ہے) حمل گرانے کی گنجائش ہے، لیکن بغیر کسی عذر شرعی کے جائز نہیں ہے۔

اور اگر حمل میں جان پڑ چکی ہو (یعنی حمل ٹھہرے ہوئے چار ماہ کا عرصہ گزر چکا ہو) تو اس وقت اسقاطِ حمل کرنا قتلِ نفس ہونے کی وجہ سے ناجائز اور حرام ہے، چاہے ڈاکٹر یوں کہیں کہ بچہ معذور ہو گا، یا نہایت کمزور ہو گا، یا عجیب الخلقت ہو گا وغیرہ وغیرہ یا ان کے کہے بغیر اسقاط کیا جائے، بہر صورت حرام ہے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے پوری طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مانع حمل کوئی بھی طریقہ عذر کی بنا پر عارضی طور پر اختیار کرنا جائز ہے، البتہ خاندانی منصوبہ بندی کے نام پر مستقل بنیاد پر آپریشن کر کے بچہ دانی نکلوانا یا نس بندی کروانا یا کوئی ایسا طریقہ اپنانا جس سے توالد و تناسل (بچہ پیدا کرنے) کی صلاحیت بالکل ختم ہو جائے اور اسے ایک اجتماعی مسئلہ یا تحریک بنالینا درست نہیں، بلکہ یہ شرعی مزاج کے مخالف ہے۔ اس کے بالمقابل حصولِ اولاد کی اہمیت بھی پوری طرح سامنے آچکی ہے کہ اولاد اللہ کی نعمت ہے اور یہ نعمت جس مقدار میں اللہ تعالیٰ عطا فرمائیں، اس کا حصول موجبِ سعادت ہے، اجتماعی طور پر اولاد کے خلاف تحریک یا خاندانی منصوبہ بندی اختیار کرنا مغربی سازش اور دجل ہے، جس سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔ قرآن کریم میں ہے:

"وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾" [الاسراء:۳۱]

ترجمہ: "اور اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشے سے قتل مت کرو (کیوں کہ) ہم ان کو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی بے شک ان کا قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہے۔" (بیان القرآن)

"وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ﴿۸﴾ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ﴿۹﴾" [التکویر:۸،۹]

ترجمہ: "اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی"

حدیث شریف میں ہے: ”عن سعد بن أبي وقاص ؓ يقول: رد رسول الله صلى الله عليه وسلم على عثمان بن مظعون التبتل، ولو أذن له لاختصينا“ (صحیح البخاری(۲/۷۵۹)

حضرت سعد بن وقاص ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ عثمان بن مظعون ؓ کو بغیر شادی کے زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دی اگر آپ ﷺ انہیں اس کی اجازت دے دیتے تو ہم خصی ہو جاتے۔ (یعنی ہم بھی ان کی اتباع کرتے اور شادی نہ کرتے۔)

اور اسی طرح اللہ کریم کا فرمان ہے: ”وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ“ [النساء:۹۳]

ترجمہ: جو کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا جرير، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن عمرو بن شرحبيل، قال: قال عبد الله: قال رجل: يا رسول الله، أي الذنب أكبر عند الله؟ قال: ”أن تدعو لله ندا وهو خلقك“ قال: ثم أي؟ قال: ”ثم أن تقتل ولدك خشية أن يطعم معك“ قال: ثم أي؟ قال: ”ثم أن تزاني بحليلة جارك“ فأنزل الله عز وجل تصديقها: {والذين لا يدعون مع الله إلها آخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله إلا بالحق ولا يزنون ومن يفعل ذلك يلق أثاما} [الفرقان:68] الآية“ (صحیح البخاری(۹/۲)

”ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ کون سا گناہ اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤ، حال آں کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے، اس شخص نے عرض کیا کہ پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم اپنی اولاد کو اس ڈر سے قتل کر دو کہ وہ تمہارے ساتھ کھائے گی، اس شخص نے عرض کیا کہ پھر کون سا گناہ زیادہ بڑا ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ کہ تم

اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی:
(ترجمہ)"رحمن کے بندے وہ ہیں جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کو شریک نہیں کرتے اور جس جان کو اللہ نے حرام کیا ہے، اسے ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا، اسے اپنے گناہ کے وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

☜ روزے میں مسواک، ٹوتھ پیسٹ کا حکم:-

(روزے میں مسواک کے متعلق عرض کیا گیا کہ روزے کی حالت میں مسواک و ٹوتھ پیسٹ کر سکتے ہیں؟) آپ نے فرمایا کہ (روزے کی حالت میں) مسواک جائز ہے، اور ٹوتھ پیسٹ کے متعلق فرمایا کہ اگر اندر نہ جانے کا یقین ہو لیکن اندر جانے کا خطرہ ہوتا ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۳۶)۔

توضیح ملفوظ:-

روزہ میں مسواک سے دانت صاف کرنا جائز ہے، جیسا حدیثِ مبارکہ میں حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "عن عامر بن ربيعة قال: رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يستاك وهو صائم ما لا أحصي أو أعد"
کہ میں نے بے شمار بار نبیِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو روزہ میں مسواک کرتے دیکھا۔ (ترمذی، ج۲، ص۱۷۶، حدیث:۷۲۵)۔

مسواک کے سوکھے یا تر ہونے یا خشک ہونے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اگرچہ مسواک کا کڑواپن یا اس کا تیز ذائقہ منہ میں محسوس ہوتا ہو، تو اس سے بھی روزہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، اور روزہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔ رہا ٹوتھ پیسٹ روزے کی حالت میں اس کا استعمال کرنا حلق میں اثرات جانے کے شک کی وجہ سے مکروہ ہے، اگر حلق میں ٹوتھ پیسٹ کے ذرات چلے گئے تو روزہ فاسد ہو جائے گا، اس لیے روزہ کے دوران ٹوتھ پیسٹ اور ٹوتھ پاؤڈر وغیرہ استعمال نہ کرے، بلکہ صبح صادق سے پہلے پہلے ٹوتھ پیسٹ کر لے، روزہ کی حالت میں مسواک استعمال کرنا چاہیے، یہ سنت بھی ہے، اس میں اجر و ثواب بھی

بہت ہے اور اس سے روزہ بھی نہیں ٹوٹتا۔

-: تین یا چار رکعت والی نماز میں دو رکعت پر سلام پھیر دے تو کیا کرے؟

آپ علیہ الرحمہ سے نصر اللہ (ایک عقیدت مند) نے عرض کیا کہ حضور میں ظہر کی چار سنتیں پڑھ رہا تھا کہ غلطی سے دو رکعت پر سلام پھیر لیا اب کیا کیا جائے؟

آپ نے فرمایا کہ غلطی سے دو پر سلام پھیر لیا اور (اس دوران) کسی سے بات نہیں کی تو اٹھ کر دو رکعت اور ادا کر لیں اور (آخر میں) سجدہ سہو ادا کریں پھر صحیح ہے میں نے (راقم ملفوظات) عرض کیا کہ اگر دونوں طرف سلام پھیرا تو؟ آپ نے فرمایا کہ پھر بھی اسی طرح (کر لیں جس طرح اوپر بیان ہوا ہے) (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۸۰)

توضیح ملفوظ:-

اگر کوئی شخص چار رکعت والی فرض نماز میں بھولے سے دو رکعت پر سلام پھیر لے، تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ جب تک نماز کے منافی کوئی کام نہ کیا ہو اور اس کا رخ قبلہ سے نہ ہٹا ہو تو وہ کھڑے ہو کر اسی حالت میں باقی دو رکعت بھی پڑھ لے اور نماز کے آخر میں سجدہ سہو کر لے، دو رکعت پر سلام پھیرنے کی وجہ سے دوبارہ نئے سرے سے نیت کر کے چار رکعت پڑھنا ضروری نہیں، البتہ اگر کسی نے دوبارہ چار رکعات کے لیے الگ سے نیت باندھی اور چار رکعات ادا کر لیں تو بھی نماز ہو گئی، اس صورت میں آخر میں سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور اگر سجدہ سہو کر لیا تو بھی نماز درست ہے، دوبارہ اعادہ کی ضرورت نہیں، لیکن اگر اس شخص نے دو رکعات پر سلام پھیرنے کے بعد چار رکعات کی نیت باندھی اور دو رکعت مزید ملا کر سجدہ سہو کیا تو نماز نہیں ہو گی، دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہو گا۔

بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع میں ہے کہ "ولو سلم مصلی الظھر علی رأس الرکعتین علی ظن أنه قد أتمها، ثم علم أنه صلی رکعتین، وھو علی

مکانه، یتمها ویسجد للسهو أما الإتمام فلأنه سلام سهو فلا یخرجه عن الصلاة۔ وأما وجوب السجدة فلتأخیر الفرض وهو القیام إلی الشفع الثاني۔ " (بدائع الصنائع کتاب الصلاۃ، فصل بیان سبب وجوب سجود السہو، ۱/۱۶۴ الناشر: دار الکتب العلمیۃ)

ترجمہ: "اگر ظہر پڑھنے والا دو رکعت پر اس گمان سے سلام پھیر دے کہ اس نے نماز پوری کرلی ہے، پھر اُسی جگہ بیٹھے بیٹھے اسے معلوم ہو جائے کہ اس نے صرف دو رکعتیں پڑھی تھیں، تو وہ باقی نماز پوری کرے گا اور سجدۂ سہو بھی کرے گا۔ نماز پوری کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بھول چوک کا سلام تھا، اس لیے وہ نماز سے خارج نہیں ہوا۔ اور سجدۂ سہو واجب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس نے فرض (یعنی دوسری رکعت کے بعد کھڑا ہونا) میں تاخیر کی۔

☜ سجدہ سہو کا طریقہ:-

اس غلام نے عرض کیا کہ سجدہ سہو کے لئے ایک طرف سلام پھیریں یا دونوں طرف فرمایا دونوں طریقے ہیں۔ لیکن ایک طرف صحیح ہے کیونکہ دونوں طرف میں لوگوں کے لئے غلط فہمی ہوسکتی ہے پھر میرے (عبد الوہاب کے) پوچھنے پر فرمایا! کہ آخری رکعت قعدہ میں سجدہ سہو کے لئے عبدہ ورسولہ تک بھی اور درود شریف ملاکر بھی سلام پھیر سکتے ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۴۳)

توضیح ملفوظ:-

سجدہ سہو کا حنفیہ کے نزدیک معتبر طریقہ تو یہی ہے کہ قعدہ اخیرہ میں پوری التحیات پڑھنے کے بعد (درود شریف اور دعا پڑھے بغیر) صرف دائیں طرف سلام پھیر کر دو سجدے کر لیے جائیں، اور ہر سجدے میں حسبِ معمول "سبحان ربي الأعلی" کہے اور سجدے کے بعد بیٹھ کر التحیات، درود شریف اور دعا پڑھ کر دائیں اور بائیں سلام پھیر دیا جائے۔

فتاوی ہندیہ میں ہے: "والصواب أن یسلم تسلیمة واحدة، وعلیه

الجمهور، وإليه أشار في الأصل، كذا في الكافي۔ ويسلم عن يمينه، كذا في الزاهدي۔ و كيفيته أن يكبر بعد سلامه الأول ويخر ساجدا ويسبح في سجوده ثم يفعل ثانيا كذلك ثم يتشهد ثانيا ثم يسلم، كذا في المحيط۔"

(فتاوی ھندیہ، الباب الثانی عشر فی سجود السہو، ج:۱، ص:۱۲۵، ط: دار الفکر)

ترجمہ: اور صحیح بات یہی ہے کہ ایک ہی سلام پھیرا جائے، یہی جمہور کا قول ہے، اور اصل میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، جیسا کہ الکافی میں ہے۔ نیز سلام دائیں جانب پھیرا جائے، جیسا کہ الزاہدی میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور (سہو کے سجدوں) کی کیفیت یہ ہے کہ پہلے سلام کے بعد تکبیر کہے، پھر سجدے میں جائے اور سجدے میں تسبیح پڑھے، پھر اسی طرح دوسرا سجدہ کرے، پھر دوبارہ تشہد پڑھے اور آخر میں سلام پھیرے؛ جیسا کہ المحیط میں ہے۔

فتاوی قاضی خان میں ہے کہ "التحیّات پڑھ کر بلکہ افضل یہ ہے کہ دُرود شریف بھی پڑھ لیجئے، سیدھی طرف سلام پھیر کر دو سجدے کیجئے پھر تشہّد، دُرود شریف اور دُعا پڑھ کر سلام پھیر دیجئے۔" (فتاوی قاضی خان معہ عالمگیری، ج۱، ص۱۲۱)

-:اجماع کی تعریف:-

آپ جناب نے منیۃ المصلی ہم طالب علموں کو پڑھاتے ہوئے فرمایا کہ اجماع یہ ہے کہ جس پر صحابہ کرام علیہم الرضوان تابعین علیہم الرضوان سے لے کر ائمہ مجتہدین تک سب متفق ہوں اس کو اجماع کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضور! بعد کے زمانے میں یعنی آج کل جو متفق ہوں تو فرمایا: اس کو اجماع نہیں کہہ سکتے۔ اتفاق کرنا کہتے ہیں۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۳)

توضیح ملفوظ:-

اجماع کی تعریف یہ ہے کہ "اجماع امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک زمانے کے تمام مجتہدین علماء کا کسی حکمِ شرعی پر اتفاق کرلینا"، چوں کہ اجتہاد کا زمانہ باتفاقِ علماء چوتھی صدی ہجری کے بعد سے بند ہو چکا ہے، اس لیے اب اجماع کا ہونا بھی ممکن نہیں رہا، آج

کل اگر اکثر علماء کسی مسئلے میں ایک حکم شرعی پر اتفاق کر لیں تو ان کے اس عمل کو اتفاق رائے تو کہا جا سکتا ہے، اجماع نہیں کہا جا سکتا، اسی وجہ سے اس سے انحراف پر اجماع کے احکام بھی جاری نہیں ہوں گے۔

☜ آیت سجدہ پڑھ کر رکوع سے سجدہ تلاوت ادا کرنے کا حکم:-

ایک سائل کے سوال پر کہ تراویح کے دوران حافظ نے سجدہ تلاوت نہیں کیا لیکن پوچھنے پہ کہا کہ سجدہ ہو گیا ہے یہ مسئلہ سمجھ نہیں آیا۔ اس پہ آپ نے فرمایا کہ "اگر سجدہ ایسے مقام پہ ہے کہ آیت ختم کرتے ہی امام رکوع میں چلا گیا تو ایسی حالت میں سجدہ ہو جائے گا۔ لیکن ایسی حالت میں امام کے لئے لازم ہے کہ مقتدیوں کو پہلے سے بتائے ورنہ امام کا سجدہ ہو جائے گا اور مقتدیوں کو سجدہ ادا کرنا پڑے گا۔ (ملفوظات از صوبیدار عبدالرشید صفحہ ۸)

توضیح ملفوظ:-

مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ نماز باجماعت کی صورت میں اگر امام آیت سجدہ کی تلاوت کے فوراً بعد رکوع میں چلا جائے اور رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کر لے، تو امام کا اور جن مقتدیوں نے رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کر لی تھی، ان کا بھی سجدہ تلاوت بالاتفاق ادا ہو جائے گا، لیکن جن مقتدیوں نے رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت نہیں کی، ان کے سجدہ تلاوت کی ادائیگی میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق ان کا بھی سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا، تاہم بہتر یہ ہے کہ امام رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت نہ کرے، لیکن اگر اس کی ضرورت ہو، تو تمام مقتدیوں کو اس کی اطلاع دینی چاہیئے، تاکہ وہ بھی رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت کر لیں۔

لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر امام نے آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد (مزید تین آیات پڑھنے سے پہلے) رکوع کر لیا ہو، اور رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت بھی کر لی ہو، تو سجدہ تلاوت ادا ہو جائے گا، نیز اگر رکوع میں سجدہ تلاوت کی نیت نہیں کی تھی، تب بھی نماز کے سجدہ میں تلاوت کا سجدہ بھی ادا ہو جائے گا۔ علامہ شامی نے بھی یہی لکھا

ہے وتؤدی برکوع الصلاۃ إن کان الرکوع علی الفور من قراءۃ آیۃ او آیتین وکذا الثلاث علی الظاهر کما فی البحر: إن نواه أی کون الرکوع لسجود التلاوۃ علی الراجح وتؤدی بسجودها کذلك أی علی الفور وان لم ینو بالاجماع ولو نواها فی رکوعه ولم ینوها المؤتم لم تجزه۔

(الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الصلاۃ، باب سجود التلاوۃ، ۲:۵۸۶،۵۸۷، ط: مکتبۂ زکریا دیوبند)

ترجمہ: قرآن کی آیت یا دو آیتیں، بلکہ ظاہر قول کے مطابق تین آیتیں پڑھنے کے فوراً بعد اگر رکوع کر لیا جائے تو اس سے سجدۂ تلاوت ادا ہو جاتا ہے بشرطیکہ رکوع کرتے وقت نیت بھی ہو کہ یہ سجدۂ تلاوت کے لیے ہے، اور راجح قول یہی ہے۔ اسی طرح اگر سیدھا سجدے میں چلا جائے تو بھی فوراً کرنا ضروری ہے، اور اس صورت میں نیت نہ بھی کی ہو تو سجدۂ تلاوت بالاتفاق ادا ہو جاتا ہے۔ البتہ اگر امام نے رکوع میں سجدۂ تلاوت کی نیت کی ہو مگر مقتدی نے نیت نہ کی ہو تو مقتدی کی طرف سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

☜ عصر سے مغرب اور فجر کی نماز کے بعد سونے کا حکم:-

صوبیدار عبد الرشید لکھتے ہیں کہ میں رات کے سات (۷) بجے شادباغ گیا۔ آپ آرام فرما رہے تھے۔ بیدار ہونے پر فرمایا کہ میں سخت تھکا ہوا تھا مجھے سب نے کہا کہ آرام کیجئے گا لیکن ہمارے بزرگ عصر سے غروب آفتاب اور نماز فجر سے طلوع آفتاب تک سونا اچھا نہیں سمجھتے تھے کیونکہ یہ اوقات اللہ کی یاد کے ہیں۔

(ملفوظات، از صوبیدار عبد الرشید صفحہ نمبر ۱۴،۱۵)

توضیح ملفوظ:-

احادیث اور فقہاء سے بھی یہ ثابت ہیں حدیث کی کتابوں میں ایک روایت ان الفاظ کے ساتھ وارد ہوئی ہے، قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الصبحۃ تمنع الرزق یعنی صبح کے وقت سونا رزق میں بے برکتی کا سبب ہے۔

(مسند احمد ۵۲۹۰، شعب الایمان ۴۴۰۲)

فقہائے کرام نے بھی صبح کے وقت سونے کو مکروہ قرار دیا ہے، قال فی الهندیۃ:

ویکرہ فی أول النہار وفیما بین المغرب والعشاء (الفتاوی الھندیہ،۶۔۳۷۶/۵) "صبح کے وقت"
سے کیا مراد ہے اس کی تعیین ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے جس میں یہ کہا گیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک مخلوق کے لیے رزق تقسیم کرتے ہیں یعنی جو لوگ اس پورے وقت میں غافل رہتے ہیں وہ رزق کی برکت سے محروم رہتے ہیں اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ ممانعت صبح صادق سے لے کر طلوع آفتاب تک پورے درمیانی وقت میں سونے میں ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص نماز فجر کے بعد تھوڑی دیر تسبیحات وغیرہ میں لگا رہے اور سورج طلوع ہونے کے بعد سوئے تو اس کے حق میں کوئی قباحت وکراہت نہیں رہے گی، بعض بزرگوں کا اس طرح کا معمول رہا ہے۔
صبح سویرے کیے جانے والے کام میں برکت کے لیے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے دعا کی ہے:
اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا۔

(سنن أبی داوٗد، باب: الابتکار فی السفر،۲۶۰۶۔ سنن الترمذی، باب التبکیر فی التجارۃ، ح:۱۲۱۲۔ سنن ابن ماجۃ، باب: مایرجی من البرکۃ فی البکور؛ ح:۲۲۳۶)

"یا اللہ! میری اُمّت کے صبح سویرے کے کاموں میں برکت ڈال دے۔"

آپ نے صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم ایک دن سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "یَابُنَیَّۃُ! قُوْمِیْ، اشْھَدِیْ رِزْقَ رَبِّكِ وَلَا تَکُوْنِیْ مِنَ الْغَافِلِیْنَ، فَإِنَّ اللہَ عَزَّوَجَلَّ یَقْسِمُ أَرْزَاقَ النَّاسِ مَابَیْنَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ إِلٰی طُلُوْعِ الشَّمْسِ"

(شعب الإیمان، فصل: فی النوم الذی ہو نعمۃ من اللہ؛ ۱۸۱/۴؛ ح:۴۷۳۵۔ جامع الحدیث، مسند فاطمۃ، برقم ۴۳۴۹۶۔ کنز العمال ۴۲۰۲۸)

"بیٹی! اٹھیے؛ اپنے رب کے رزق کی تقسیم کے وقت حاضر رہیے اور غافلین میں سے مت ہو جایئے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ طلوع فجر اور طلوع شمس کے درمیان لوگوں کا رزق تقسیم کرتے ہیں۔"

اسی طرح عصر کے بعد سونے کے بارے میں وارد ہے کہ نماز عصر کے بعد سے مغرب تک بلا کسی عذر کے سونا مکروہ ہے، حدیث میں ہے کہ عصر کے بعد سونے سے

عقل زائل ہو جاتی ہے ”ویکرہ النوم بعد العصر لحدیث: من نام بعد العصر، فاختل عقلہ، فلا یلومن إلا نفسہ“ (الفقہ الإسلامی وأدلتہ: ۱/ ۴۱۳)

-: اذان کے بعد درود شریف اور دعائے وسیلہ :-

نماز جمعہ کے بعد (آپ رحمۃ اللہ علیہ) تشریف فرما تھے اور کسی کتاب کے متعلق بات ہو رہی تھی تو آپ جناب نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ”جو اذان کے بعد درود شریف اور پھر دعائے وسیلہ کرے تو اس کے لئے میری شفاعت واجب ہے“
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۸۰)

توضیح ملفوظ :-

اذان کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھنے والوں اور مقام وسیلہ مانگنے والوں کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت :-

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللہ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُوْلَ اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ النِّدَاءَ: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ، حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔

(أخرجہ البخاری فی الصحیح، کتاب: الأذان، باب: الدعاء عند النداء، ۱/ ۲۲۲، الرقم: ۵۸۹، وأیضاً فی کتاب: التفسیر، باب: عَسٰی أن یبعثک ربک مقاماً محموداً، ۴/ ۱۷۴۹، الرقم: ۴۴۴۲، والترمذی فی السنن، کتاب: الصلاۃ، باب: مایقول الرجل إذا أذّن المؤذن من الدعاء، ۱/ ۴۱۳، الرقم: ۲۱۱۔“

”حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اذان سن کر یوں دعا مانگے گا: اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَنِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ (اے اللہ! اس دعوتِ کامل اور قائم ہونے والی نماز کے رب! محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقامِ وسیلہ اور فضیلت مرحمت فرما اور انہیں اس مقامِ محمود پر فائز فرما جس کا تُو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے۔) ایسا کہنے والے کے لئے قیامت کے روز میری

شفاعت واجب ہو گی"

اسے امام بخاری، ترمذی، ابو داؤد، نسائی اور ابنِ ماجہ نے روایت کیا ہے۔

اذان کے بعد درود شریف کے بارے میں فرمان مصطفی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم ہے!

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رضی الله عنهما أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صلی الله علیه وآله وسلم يَقُولُ: إِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ، ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ، فَإِنَّهُ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ صَلَاةً صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللهَ لِيَ الْوَسِيلَةَ، فَإِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِي إِلَّا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللهِ وَأَرْجُو أَنْ أَكُونَ أَنَا هُوَ، فَمَنْ سَأَلَ لِيَ الْوَسِيلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ۔

(أخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب: الصلاة، باب: استحباب القول مثل قول المؤذّن لمن سمعه، ۱/۲۸۸، الرقم: ۳۸۴، والترمذی فی السنن، کتاب: المناقب، باب: فی فضل النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم، ۵/۵۸۶، الرقم: ۳۶۱۴)۔

"حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم کو فرماتے ہوئے سنا: جب تم مؤذن کو (اذان دیتے ہوئے سنو) تو جیسے وہ کہے تم کہو، پھر مجھ پر درود بھیجو، پس جس شخص نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اس پر دس بار رحمت بھیجے گا۔ پھر تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلہ کا سوال کرو، وہ جنت میں ایسا مقام ہے جس پر صرف ایک اللہ کا خاص بندہ فائز ہو گا اور مجھے یقین ہے کہ میں ہی وہ شخص ہوں۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ طلب کیا اسے شفاعت حاصل ہو گی۔"

اسے امام مسلم، ترمذی، ابو داؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

☜ عید کے دن زیارت القبور:-

میں (عبد الوہاب چشتی) نے عرض کیا کہ حضور عید کے روز قبرستان جانا کیسا ہے؟ تو (آپ نے) فرمایا: "صحیح ہے اچھی بات ہے۔" (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۲)

توضیح ملفوظ:-

عید کا دن خوشی اور مسرت کا ہوتا ہے، بسا اوقات خوشی میں مصروف ہو کر

آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارتِ قبور سے آخرت یاد آتی ہے، اس لیے اگر کوئی شخص عید کے دن قبر کی زیارت کرے تو اچھا عمل ہے۔

فتاویٰ ہندیہ الموسوم بفتاوی عالمگیری میں مرقوم ہے: ”وَأَفْضَلُ أَيَّامِ الزِّيَارَةِ أَرْبَعَةٌ: يَوْمُ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ وَالْجُمُعَةِ وَالسَّبْتِ، وَالزِّيَارَةُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ بَعْدَ الصَّلَاةِ حَسَنٌ، وَيَوْمَ السَّبْتِ إِلَى طُلُوعِ الشَّمْسِ، وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ، وَقِيلَ: فِي آخِرِ النَّهَارِ، وَكَذَا فِي اللَّيَالِي الْمُتَبَرَّكَةِ لَا سِيَّمَا لَيْلَةَ بَرَاءَةِ، وَكَذَلِكَ فِي الْأَزْمِنَةِ الْمُتَبَرَّكَةِ، كَعَشْرِ ذِي الْحِجَّةِ وَالْعِيدَيْنِ وَعَاشُورَاءَ وَسَائِرِ الْمَوَاسِمِ، كَذَا فِي الْغَرَائِبِ۔“

(الفتاوی الہندیۃ، کتاب الکراہیۃ، الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور۔۔۔ الخ، ۵/۳۵۰، ط: دار الفکر)

ترجمہ -: اور زیارت کے افضل ایام چار ہیں، سوموار کے دن، جمعرات کے دن، ہفتے کے دن اور جمعہ کے دن نماز کے بعد زیارت کرنا حسن ہے اچھا ہے ہفتے کے دن سورج طلوع ہونے تک اور جمعرات کے دن، دن کے پہلے حصے میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دن کے آخری حصے میں اور اسی طرح مبارک راتوں میں جیسا کہ شب برات اور اسی طرح مبارک زمانوں میں جس طرح کہ عشرہ ذی الحج، عیدین اور عاشورہ اور تمام موسموں میں (زیارت القبور اچھا ہے، مستحسن ہے۔)

وظائف

حافظہ تیز کرنے کا وظیفہ:-

آپ کی خدمت میں ایک غلام نے عرض کیا کہ حضور حافظے کے لئے کوئی دعا ارشاد فرمائیں تا کہ اللہ تعالیٰ حفظ قرآن پاک میں آسانی عطا فرمائے۔ آپ نے فرمایا سورۃ فاتحہ (الحمد شریف) سو بار نماز عشاء کے بعد پڑھو۔ اس وقت تک جب تک حافظہ تیز ہو یا پھر سورۃ "الم نشرح لک" کاغذ پر لکھ کر پانی میں ڈال کر پی لیا کرو۔ (آثار الصالحین ص ۴۶۴)

وظائف اگر ایک ٹائم رہ جائیں تو کیا کریں؟

ایک موقع پر آپ سے عرض کیا گیا کہ اگر نماز کے بعد کسی وجہ سے وظیفہ رہ جائے تو کیا کیا جائے؟ آپ جناب نے فرمایا! کہ وظائف اگر کسی وجہ سے رہ جائیں تو دوسری نماز کے ساتھ پڑھ سکتے ہیں اور اگر وقت کی کمی ہو تو صرف دس بار سورۃ اخلاص اور دس بار درود پاک پڑھ لیا کرو، ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ اگر کسی مجبوری کے سبب وظائف رہ جائیں تو شام کو دن کے سارے وظائف مکمل کر لینے چاہئیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۲۸)

توضیح ملفوظ:-

مسند ابویعلی میں ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں "تین کام ہیں جو انہیں ایمان کے ساتھ کر لے وہ جنت کے تمام دروازوں میں سے جس سے چاہے جنت میں چلا جائے اور جس کسی حور جنت سے چاہے نکاح کرا دیا جائے۔ جو اپنے قاتل کو معاف کر دے اور پوشیدہ قرض ادا کر دے اور ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورۃ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" الخ، کو پڑھ لے۔" سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جو ان تینوں کاموں

میں سے ایک کرلے، آپ نے فرمایا کہ اِس پر بھی یہی درجہ ہے۔
(مسند ابو یعلی:۱۷۹۴)

۷۸۶ اور سب سے بڑا تعویذ:-

میرے شیخ طریقت سے ایک شخص تعویذ کے لیے اصرار کر رہا تھا۔ تو اس کو تعویذ کے لیے کاغذ پر ۷۸۶ اور تین دفعہ یااللہ یااللہ یااللہ لکھ کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہ سب سے بڑا تعویذ ہے۔ کیونکہ یہ اسم ذات ہے باقی سب صفاتی نام ہیں۔ پھر فرمایا! کہ جب قبلہ حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت ملی تو عرض کیا کہ حضور پنجاب کے لوگ تعویذ بہت مانگتے ہیں۔ آپ کرم فرمائیں تو حضرت مولانا فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین دفعہ اللہ اللہ اللہ لکھ کر دے دیا کرو۔ تعویز پر ۷۸۶ لکھ کر دیا، تو فرمانے لگے کہ ۷۸۶ لکھتے ہیں کیونکہ اصل بإسم الله ہے۔ جب شمار کریں گے تو ۷۸۶ لکھیں گے پڑھنے میں بسم اللہ ہے۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۸، ۱۱۹)

توضیح ملفوظ:-

حروفِ تہجی سے خاص اعداد اور اعداد سے خاص کلمات مراد لینا اہلِ عرب میں قدیم زمانہ سے رائج ہے، اور تاریخ میں تعویذات میں اس فن سے استفادہ کا سلف کا معمول رہا ہے، اس لیے اگر کوئی شخص بغرضِ احتیاط تسمیہ کی بجائے اس کے اعداد "۷۸۶" لکھے تو اس کا یہ عمل ناجائز نہیں کہلائے گا، علم الاعداد میں حروف ابجد کے اعتبار سے ۷۸۶ بسم اللہ الرحمن الرحیم کا عدد ہے، جس کی تفصیل درج ذیل ہے:

ب:۲، ا:۱، س:۶۰ م:۴۰، ا:۱ ل:۳۰ ل:۳۰ ہ:۵، ا:۱ ل:۳۰ ر:۲۰۰ ح:۸ م:۴۰ ن:۵۰، ا:۱ ل:۳۰ ر:۲۰۰ ح:۸ ی:۱۰ م:۴۰

پس ان تمام حروف کا عددی مجموعہ ۷۸۶ بنتا ہے۔

لیکن یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ ۷۸۶ نہ یہ بسم اللہ الرحمن الرحیم ہے اور نہ ہی اس کے قائم مقام یا بدل ہے، بلکہ یہ کاتب کی جانب سے ایک علامت ہے کہ اس

نے ابتدا میں بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی ہے؛ لہٰذا قاری بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لے،۔ یہ عقیدہ کسی کا نہیں کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے یا پڑھنے کی بجائے ۷۸۶ کا عدد لکھا جائے تو بسم اللہ کا ثواب ملے گا، کیونکہ یہ عقیدہ اختیار کرنے سے سنت بسم اللہ کا ترک لازم آئے گا، جس کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ تو پھر یہ سوال پیدا ہو گا کہ جب ۷۸۶ بسم اللہ کا متبادل یا اس کے قائم مقام نہیں ہے تو لکھنے کا کیا فائدہ، آپ کو معلوم ہے کہ بعض Code Words یا اشاراتی الفاظ یا نشانات ہوتے ہیں، جو مختلف شعبہ جات میں استعمال ہوتے ہیں اور اس شعبہ سے وابستہ افراد کا ذہن ان کے سنتے ہی یا ان پر نظر پڑتے ہی اس مراد کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، جس کے لیے انہیں وضع کیا گیا ہے۔ سو، اگر تحریر کے شروع میں ۷۸۶ کا عدد لکھا ہو اور اس پر نظر پڑتے ہی قاری کا ذہن بسم اللہ کی طرف منتقل ہو جائے اور وہ فوراً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ لے، تو یہ بھی بہت بڑا فائدہ ہے، بے ادبی سے بھی بچ گئے اور سنتِ بسم اللہ کا اجر بھی پالیا۔ یہ تو طے ہے کہ ۷۸۶ کا لکھنا کسی کے نزدیک بھی واجب یا سنت کے درجے میں نہیں ہے اور اس کے ترک سے کوئی شرعی خرابی لازم نہیں آتی، لیکن؛ اگر اس پر نظر پڑتے ہی بندے کا ذہن متوجہ ہو جائے اور وہ بسم اللہ پڑھ لے تو یہ اس جہت سے ایک مستحسن امر ہو گا۔ یہ مسئلہ کہ اعداد میں کوئی تاثیر ہے یا نہیں، میری نظر میں اس کے لیے کوئی دلیل شرعی نہیں ہے، لیکن حضرت خواجہ فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی رحمہ اللہ تعالیٰ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی سمیت دیگر متعدد مسلمہ اکابر امت، سلف صالحین، تعویذات میں ان کا استعمال کرتے رہے ہیں اور ہمارا ان سب اکابر امت کے بارے میں حسنِ ظن ہے کہ یہ اکابر کسی خلافِ شرع بات پر جمع نہیں ہوسکتے۔

☜ خارش کی بیماری کے لئے وظیفہ:-

(راقم ملفوظات عبد الوہاب چشتی صاحب لکھتے ہیں کہ) میرے پیر و مرشد نے مجھے خارش کی بیماری کے لئے فرمایا! کہ فجر کی سنتوں اور فرض کے درمیان ۴۱ بار بسم اللہ

شریف الحمد للہ شریف کے ساتھ ملا کر پڑھو، یعنی بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین، پھر پانی پر دم کر کے جسم پر ملو۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۸۳)

-:نسیان کا وظیفہ:-

حضور سیدی و مرشدی مد ظلہ کوئی کتاب ملاحظہ فرما رہے تھے۔ اس میں سے مجھے بتایا اور حکم دیا کہ تم خود اور دوسرے طالب علموں کو بتا دو کہ کثرت سے "یا علام الغیوب" یا پھر ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت یا مقرر کر کے دس دس بار نمازوں کے بعد پھر یہ بھی فرمایا کہ یا نماز فجر کے بعد ا۷ بار پڑھا کریں۔ فرمایا! کہ یہ نسیان یعنی بھولنے کی بیماری اور حافظے کے لئے بہت اچھا ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۴۲)

-:ایک بہترین تسبیح:-

(راقم ملفوظات عبد الوہاب چشتی صاحب لکھتے ہیں کہ) دربار شریف مسجد میں جمعہ کے خطاب میں فرمایا کہ حضور سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کو یہ تسبیح تعلیم فرمائی "سبحان اللہ رب السموات السبع، ورب العرش العظیم، الحمد للہ رب العالمین" کہ یہ تسبیح پڑھو تو تمھارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے"

پھر (شیخ طریقت) آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ ۷۰ یا ۱۰۰ دفعہ پڑھیں اور اگر اگر ہو سکے تو زیادہ پڑھیں اور یہ کسی بھی وقت پڑھ سکتے ہیں (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۸۵)

توضیح ملفوظ:-

زبدۃ المشائخ حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اوپر جو حدیث ذکر کی ہے وہ مسند امام احمد بن حنبل میں اسی طرح مذکور ہے ملاحظہ فرمائیں۔

عن علی رضی اللہ عنہ، قال: قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "الا اعلمك كلمات إذا قلتهن غفر لك، مع انه مغفور لك: لا إله إلا الله الحليم الكريم، لا إله إلا الله العلي العظيم، سبحان الله رب السموات

السبع،ورب العرش العظیم۔الحمدللہ رب العالمین۔"

(مسند احمد، مسند خلفاء راشدین، حدیث نمبر:۷۱۲)

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ سکھادوں کہ جب تم انہیں زبان سے ادا کرلو تو تمہارے گناہ معاف کردیئے جائیں حالانکہ تمہارے گناہ معاف ہو چکے، یہ کلمات کہہ لیا کرو" کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے وہ حلیم وکریم ہے، اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ بزرگ وبرتر ہے، اللہ ہر عیب اور نقص سے پاک ہے، وہ ساتوں آسمانوں اور عرش عظیم کا رب ہے، تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کو پالنے والا ہے۔"

سنن ترمذی کتاب الدعوات میں مذکور ہے کہ!"عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ نَبِيَّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَانَ يَدْعُو عِنْدَ الْكَرْبِ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ الْحَلِيمُ الْحَكِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمُ"۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمِثْلِهِ. قَالَ: وَفِي الْبَابِ، عَنْ عَلِيٍّ۔ قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ تکلیف کے وقت یہ دعا پڑھتے تھے:"لا إله إلا الله الحليم الحكيم لا إله إلا الله رب العرش العظيم لا إله إلا الله رب السموات والأرض ورب العرش الكريم""کوئی معبود برحق نہیں ہے سوائے اللہ بلند وبردبار کے، اور کوئی معبود برحق نہیں سوائے اس اللہ کے جو عرش عظیم کا رب (مالک) ہے اور کوئی معبود برحق نہیں ہے سوائے اس اللہ کے جو آسمانوں اور زمینوں کا رب ہے اور قابل عزت عرش کا رب ہے۔"

امام ترمذی کہتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے، ہم سے بیان کیا محمد بن بشار نے، وہ کہتے ہیں: ہم سے بیان کیا ابن ابوعدی نے، اور انہوں نے ہشام سے، ہشام نے قتادہ سے،

قتادہ نے ابو العالیہ سے، اور ابو العالیہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے نبی اکرم ﷺ سے مذکورہ روایت کے مثل روایت کی، اس باب میں علی رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ (سنن ترمذی / کتاب الدعوات عن رسول اللہ ﷺ / حدیث:۳۴۳۵)۔

سنن ابن ماجہ شریف میں ہے کہ !عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَتَتْ فَاطِمَةُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَقَالَ لَهَا مَا عِنْدِي مَا أُعْطِيكِ فَرَجَعَتْ فَأَتَاهَا بَعْدَ ذَلِكَ فَقَالَ الَّذِي سَأَلْتِ أَحَبُّ إِلَيْكِ أَوْ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَقَالَ لَهَا عَلِيٌّ قُولِي لَا بَلْ مَا هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَقَالَتْ فَقَالَ قُولِي اللهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبَّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ رَبَّنَا وَرَبَّ كُلِّ شَيْءٍ مُنْزِلَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ الْعَظِيمِ أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْبَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ اقْضِ عَنَّا الدَّيْنَ وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ (سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۳۸۳۱)

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: حضرت فاطمہ ؓ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ایک خادمہ عطا فرمانے کی درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: میرے پاس تو (غلام یا لونڈی) نہیں ہے جو تجھے دے سکوں۔ وہ واپس چلی گئیں۔ بعد میں رسول اللہ ﷺ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا: کیا تجھے وہ چیز پسند ہے جو تو نے مانگی تھی یا وہ جو اس سے بہتر ہے؟ حضرت علی ؓ نے ان سے کہا: کہو: نہیں، وہ چیز (مطلوب ہے) جو اس سے بہتر ہے۔ حضرت فاطمہ ؓ نے یہی جواب دے دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یوں کہا کر: (اَللّٰهُمَّ رَبَّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ.... وَأَغْنِنَا مِنَ الْفَقْرِ) اے اللہ! اے ساتوں آسمانوں کے مالک! اے عرش عظیم کے مالک! اے ہمارے رب اور ہر چیز کے رب! اے تورات، انجیل اور قرآن عظیم کے نازل کرنے والے! تو اوّل ہے، تجھ سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ تو آخر ہے، تیرے بعد کچھ نہیں۔ تو ظاہر ہے، تجھ سے اوپر کچھ نہیں۔ تو باطن (پاشیدہ) ہے، تجھ سے پوشیدہ تر کچھ نہیں۔ ہمارا

قرض ادا فرما اور فقر سے (نجات دے کر) ہمیں غنی کر دے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ !عن ابن عباس، ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم، کان یقول عند الکرب: "لا إله إلا الله الحليم الكريم، سبحان الله رب العرش العظيم، سبحان الله رب السموات السبع ورب العرش الكريم"، قال وكيع مرة: لا إله إلا الله، فيها كلها۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، حدیث نمبر: ۳۸۸۳)

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّم سخت تکلیف کے وقت یہ (دعا) پڑھتے تھے: " لا إله إلا الله الحليم الكريم سبحان الله رب العرش العظيم سبحان الله رب السموات السبع ورب العرش الكريم ""اللہ حلیم (بردبار) وکریم (کرم والے) کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے، پاکی بیان کرتا ہوں عرش عظیم کے رب اللہ کی، پاکی بیان کرتا ہوں ساتوں آسمان اور عرش کریم کے رب اللہ کی۔" وکیع کی ایک روایت میں ہے کہ ہر فقرے کے شروع میں ایک ایک بار "لا إله إلا الله" ہے۔

سنن ترمذی میں ہے کہ ! عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: شَكَا خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ الْمَخْزُومِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا أَنَامُ اللَّيْلَ مِنَ الْأَرَقِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا أَوَيْتَ إِلَى فِرَاشِكَ فَقُلْ: اللَّهُمَّ رَبَّ السَّمَوَاتِ السَّبْعِ وَمَا أَظَلَّتْ، وَرَبَّ الْأَرَضِينَ وَمَا أَقَلَّتْ، وَرَبَّ الشَّيَاطِينِ وَمَا أَضَلَّتْ، كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ كُلِّهِمْ جَمِيعًا أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ أَنْ يَبْغِيَ، عَزَّ جَارُكَ وَجَلَّ ثَنَاؤُكَ وَلَا إِلَهَ غَيْرُكَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ". قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا حَدِيثٌ لَيْسَ إِسْنَادُهُ بِالْقَوِيِّ، وَالْحَكَمُ بْنُ ظُهَيْرٍ قَدْ تَرَكَ حَدِيثَهُ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ، وَيُرْوَى هَذَا الْحَدِيثُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا مِنْ غَيْرِ هَذَا الْوَجْهِ

(سنن ترمذی حدیث نمبر ۳۵۲۳)

بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ خالد بن ولید مخزومی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: اللہ کے رسول! میں رات بھر نیند نہ آنے کی وجہ سے سو نہیں پاتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم اپنے بستر پر سونے کے لیے جاؤ تو پڑھو: "اللهم رب السموات السبع وما أظلت ورب الأرضين وما أقلت ورب الشياطين وما أضلت كن لي جارا من شر خلقك كلهم جميعا أن يفرط علي أحد منهم أو أن يبغي عز جارك وجل ثناؤك ولا إله غيرك لا إله إلا أنت" "اے اللہ! ساتوں آسمانوں، اور جن پر وہ سایہ فگن ہیں ان سب کے رب! ساری زمینوں اور ان ساری چیزوں کے رب جن کا وہ بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور اے شیاطین اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے ان سب کے رب! اپنی ساری مخلوق کے شر سے بچانے کے لیے میرا پڑوسی بن جا، تا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر نہ ظلم و زیادتی کر سکے، اور نہ ہی بغاوت و سرکشی کا مرتکب ہو، تیرا پڑوسی باعزت ہو، اور تیری ثنا (و تعریف) بڑھ چڑھ کر ہو، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں معبود تو بس تو ہی ہے۔"

☜ نظر بد سے حفاظت:-

کسی نے نظر لگنے کے متعلق (زبدۃ المشائخ سے) عرض کیا تو زبان مبارک سے فرمایا! کہ نظر اپنوں اور پرایوں سب کی لگتی ہے۔ لیکن زیادہ اپنوں کی لگتی ہے۔ کیونکہ جب دل اچھا ہو جائے یعنی کوئی چیز دل کو بھا جائے تو لگتی ہے۔ پھر فرمایا! کہ کوئی چیز اچھی لگے مثلاً بچہ ہے تو "اللّٰھم بارك عليه" پڑھے اور اگر بچی ہے "اللّٰھم بارك عليها" پڑھے۔ پھر فرمایا! کہ جس کی نظر لگ جائے تو اس کے وضو کا گرنے والا پانی کسی برتن میں جمع کر کے اس پانی کی چھینٹیں جس پر نظر لگی ہے اس پر مارے جائیں۔ تو نظر دور ہو جاتی ہے۔ اور اس وضو میں ہاتھ اور پاؤں زیادہ اُوپر تک دھوئیں اور سر اور گردن کا پانی بھی برتن میں ڈالیں فرمایا! کہ (یہ) صحیح طریقہ ہے نظر (اتارنے) کا۔ اور یہ حدیث پاک ہے پھر ارشاد فرمایا! کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا جسم بہت خوبصورت تھا۔ تو اس نے قمیض اتاری

ہوئی تھی۔ ایک شخص نے دیکھا تو کہا کہ میں نے اتنا خوبصورت جسم آج تک نہیں دیکھا۔ اس کے کہنے سے وہ صحابی رضی اللہ عنہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حضور سرکار دو عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ تو فرمایا! کہ فلاں شخص نے کہا ہو گا ایسا تو پھر (شاید) فرمایا! کہ یہی وضو والا طریقہ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے تلقین فرمایا۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۶۵،۱۶۶)

توضیح ملفوظ:-

نظر بد سے حفاظت اور اس کا اثر ختم کرنے کے کئی طریقے احادیثِ مبارکہ سے معلوم ہوتے ہیں: ایک تو سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی، معوذتین اور مندرجہ ذیل دعا پڑھیں
"أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ، وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔"

(موطا امام مالک روایۃ ابن القاسم حدیث نمبر ۴۴۴)

جس کو نظرِ بد لگ جائے تو اس کو یہ دعا پڑھنی چاہیے جس طرح کہ روایت میں ہے کہ ایک شخص کو نظر لگ گئی، تو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے اس کے سینے پر ہاتھ مار کر یہ دعا فرمائی "بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ أَذْهِبْ حَرَّهَا وَبَرْدَهَا وَوَصَبَهَا۔" (مسند احمد: ۱۵۲۷۳)

ترجمہ: اللہ کے نام پر، اے اللہ تو اس (نظر بد) کے گرم و سرد کو اور دکھ درد کو دور کر دے۔ چنانچہ وہ شخص کھڑا ہو گیا۔

نظر بد دور کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس آدمی کے بارے میں معلوم ہو کہ اس کی نظر لگی ہے، اُسے وضو کرایا جائے اور اُس کے استعمال شدہ پانی کو کسی برتن میں جمع کر لیا جائے اور پھر جسے نظر لگی ہے اُس پانی سے اُس کو غسل کرایا جائے۔ جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں اس کا طریقہ مذکور ہے، ذیل میں مشکاۃ شریف سے وہ روایت اور اس کی تشریح نقل کی جاتی ہے:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: (الْعَيْنُ حَقٌّ، وَلَوْ كَانَ شَيْءٌ سَابَقَ الْقَدَرَ سَبَقَتْهُ الْعَيْنُ، وَإِذَا اسْتُغْسِلْتُمْ فَاغْسِلُوا)

(مسلم شریف حدیث نمبر: ۲۱۸۸)

”حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نظر بد حق ہے، یعنی نظر لگنا ایک حقیقت ہے اگر تقدیر پر سبقت لے جانے والی کوئی چیز ہوتی تو وہ نظر ہی ہوتی اور جب تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے تو تم دھودو۔“

”اور جب تم سے دھونے کا مطالبہ کیا جائے۔“ کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت عرب میں یہ دستور تھا کہ جس شخص کو نظر لگتی تھی اس کے ہاتھ پاؤں اور زیرِ ناف حصے کو دھو کر وہ پانی اس شخص پر ڈالتے تھے جس کو نظر لگتی تھی اور اس چیز کو شفا کا ذریعہ سمجھتے تھے، اس کا سب سے ادنیٰ فائدہ یہ ہوتا تھا کہ اس ذریعہ سے مریض کا وہم دور ہو جاتا تھا۔ چناں چہ رسولِ کریم ﷺ نے اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ اگر تمہاری نظر کسی کو لگ جائے اور تم سے تمہارے اعضاء دھو کر مریض پر ڈالنے کا مطالبہ کیا جائے تو اس کو منظور کر لو۔“

ایک اور روایت میں ہے کہ! عن عائشة رضى الله عنها، قالت: ”كان يؤمر العائن فيتوضأ ثم يغتسل منه المعين۔“ (سنن ابی داؤد حدیث نمبر: ۳۸۸۰)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نظر بد لگانے والے کو حکم دیا جاتا تھا کہ وہ وضو کرے پھر جسے نظر لگی ہوتی اس پانی سے غسل کرتا۔

نیز دوسری روایت میں ہے: وعَنْ أَبِي أُمَامَةَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، أَنَّ أَبَاهُ حَدَّثَهُ: ”أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَسَارُوا مَعَهُ نَحْوَ مَكَّةَ، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِشِعْبِ الْخَرَّارِ مِنَ الْجُحْفَةِ، اغْتَسَلَ سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ، وَكَانَ رَجُلًا أَبْيَضَ، حَسَنَ الْجِسْمِ وَالْجِلْدِ، فَنَظَرَ إِلَيْهِ عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ أَخُو بَنِي عَدِيِّ بْنِ كَعْبٍ وَهُوَ يَغْتَسِلُ، فَقَالَ: مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ، وَلَا جِلْدَ مُخَبَّأَةٍ!! فَلُبِطَ بِسَهْلٍ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقِيلَ لَهُ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَلْ لَكَ فِي سَهْلٍ؟ وَاللهِ مَا يَرْفَعُ رَأْسَهُ، وَمَا يُفِيقُ، قَالَ: (هَلْ تَتَّهِمُونَ فِيهِ مِنْ أَحَدٍ؟)، قَالُوا: نَظَرَ إِلَيْهِ عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ، فَدَعَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ عَامِرًا، فَتَغَيَّظَ عَلَيْهِ، وَقَالَ: (عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ؟ هَلَّا إِذَا رَأَيْتَ مَا يُعْجِبُكَ بَرَّكْتَ؟)، ثُمَّ قَالَ لَهُ: (اغْتَسِلْ لَهُ)، فَغَسَلَ وَجْهَهُ وَيَدَيْهِ، وَمِرْفَقَيْهِ وَرُكْبَتَيْهِ، وَأَطْرَافَ رِجْلَيْهِ، وَدَاخِلَةَ إِزَارِهِ فِي قَدَحٍ، ثُمَّ صُبَّ ذٰلِكَ الْمَاءُ عَلَيْهِ، يَصُبُّهُ رَجُلٌ عَلَى رَأْسِهِ وَظَهْرِهِ مِنْ خَلْفِهِ، يُكْفِئُ الْقَدَحَ وَرَاءَهُ، فَفَعَلَ بِهِ ذٰلِكَ، فَرَاحَ سَهْلٌ مَعَ النَّاسِ، لَيْسَ بِهِ بَأْسٌ" (رواہ أحمد فی "المسند" ۲۵/ ۳۵۵، ۳۵۶، مشکاۃ المصابیح حدیث نمبر ۴۵۶۲، سنن ابن ماجہ / کتاب الطب / حدیث: ۳۵۰۹)

"حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن سہل ابن حنیف کہتے ہیں کہ (ایک دن) عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (میرے والد) سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہاتے ہوئے دیکھا (یعنی ستر چھپائے ہوئے) تو کہنے لگے کہ اللہ کی قسم (سہل کے جسم اور ان کے رنگ و روپ کے کیا کہنے) میں نے تو آج کے دن کی طرح (کوئی خوب صورت بدن کبھی) نہیں دیکھا۔ اور پردہ نشین کی بھی کھال (سہل کی کھال جیسی نازک و خوش رنگ) نہیں دیکھی۔ ابو امامہ کہتے ہیں کہ (عامر کا) یہ کہنا تھا کہ ایسا محسوس ہوا (جیسے) سہل کو گرادیا گیا (یعنی ان کو عامر کی ایسی نظر لگی کہ وہ فوراً غش کھا کر گر پڑے)، چناں چہ ان کو اٹھا کر رسولِ کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کی خدمت میں لایا گیا اور عرض کیا گیا کہ "یارسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ! آپ سہل کے علاج کے لیے کیا تجویز کرتے ہیں؟ اللہ کی قسم یہ تو اپنا سر بھی اٹھانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ آں حضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے سہل کی حالت دیکھ کر فرمایا کہ کیا کسی شخص کے بارے میں تمہارا خیال ہے کہ اس نے ان کو نظر لگائی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ (جی ہاں) عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہمارا گمان ہے کہ انہوں نے نظر لگائی ہے، راوی کہتے ہیں کہ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے (یہ سن کر) عامر کو بلایا اور ان کو سخت سست کہا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کیوں مار ڈالنے کے درپے ہوتا ہے! تم نے سہل کو برکت کی دعا کیوں نہیں دی؟ (یعنی اگر تمہاری نظر میں سہل کا بدن اور رنگ وروپ بھا گیا تھا تو تم نے یہ الفاظ کیوں نہ کہے "بَارَكَ اللّٰهُ عَلَيْكَ" تاکہ ان پر تمہاری نظر کا اثر نہ ہوتا) پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ نے عامر کو حکم دیا کہ (تم سہل کے لیے اپنے

اعضاء کو) دھوؤ اور اس پانی کو اس پر ڈال دو، چناں چہ عامر نے ایک برتن میں اپنا منہ ہاتھ کہنیاں گھٹنے دونوں پاؤں کی انگلیوں کے پورے اور زیر ناف جسم (یعنی ستر اور کولھوں) کو دھویا اور پھر وہ پانی جس سے عامر نے یہ تمام اعضاء دھوئے تھے سہل پر ڈالا گیا، اس کا اثر یہ ہوا کہ سہل فوراً اچھے ہو گئے اور اٹھ کر لوگوں کے ساتھ اس طرح چل پڑے، جیسے ان کو کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔"

اگر کوئی چیز اچھی لگے تو اس میں برکت کی دعا کرنی چاہیے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ تجھے اس میں برکت عطا فرمائے۔ یااللہ تیری قوت میں اور جمال میں برکت عطا فرمائے یا یوں کہے ﴿مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ﴾ (الکھف ۳۹:۱۸)

اس کی برکت سے نظر نہیں لگتی۔

واضح رہے کہ اس طرح کا علاج اسرار و حکم سے تعلق رکھتا ہے جو عقل و سمجھ کی رسائی سے باہر کی چیز ہے؛ لہٰذا اس بارے میں عقلی بحث کرنا لاحاصل ہے۔"

-: ایک مجرب وظیفہ :-

آپ جناب نے طالب علموں کے لئے مجھے فرمایا! کہ یہ بہت مجرب ہے۔

تجربہ شدہ ہے سورۃ رحمن کی پہلے چار آیات اور سورۃ قیامہ کی چار آیات "لا تحرك" سے لے کر "بیانه" تک یہ نئے چاند کی پہلی اتوار سے اگلی اتوار تک روزانہ لگاتار۔ پھر اسی دوسری اتوار سے سات اتواریں لگاتار۔ ہر اتوار کو لکھنا ہے۔۔ یعنی اب صرف ہر اتوار کو سات اتواروں تک ایسا کریں اور یہ زعفران سے کاغذ پر لکھیں اور عرق گلاب شامل کریں اور پانی میں ڈال کر سب پئیں اور اسی طرح الحمد للہ تعالیٰ ہم سب سے (یہ عمل) کروایا۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۴۳، ۱۴۴)

-: پریشانی دور کرنے کا وظیفہ :-

ایک پیر بھائی نے آپ حضور سے اپنے حالات اور علاقے کی کوئی پریشانی اور مسئلہ بیان کیا تو آپ جناب نے فرمایا! کہ نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے اور نماز

عصر کے بعد غروب آفتاب سے پہلے سات سات بار سورۃ ”والضحی“ یا سورۃ والتین“ پڑھا کرو کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے چار رسولوں علیہم السلام حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام اور جناب سرکار دو عالم ﷺ کی قسم اٹھائی ہے اور تشریح بیان فرمائی۔ فرمایا! یہ پڑھا کریں۔ اور یہ استغفار ”أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ“ پڑھا کریں۔

توضیح ملفوظ:-

سورہ والضحیٰ:- سورہ والضحیٰ کی ابتدائی آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دن کی روشنی پر اور رات پر قسم کھائی (جب کہ وہ پر سکون ہو جائے)۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ انسان پر مختلف حالات آئیں گے، جس طرح رات کی ظلمت اور تاریکی کے بعد دن کی روشنی آتی ہے، اسی طرح سختی اور پریشانی کے بعد آسانی آئے گی۔

چناں چہ اگر کسی پر سخت حالات آئیں اور وہ آزمائش میں مبتلا ہو، تو وہ ہر گز یہ نہ سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو چھوڑ دیا ہے اور اس سے ناراض ہو گیا ہے؛ بلکہ وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف متوجّہ ہو اور ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرماں برداری میں لگا رہے۔

سورہ التین:- ابتدائی آیتوں میں اللہ جلّ جلالہ نے چار مقدّس مقامات کی قسمیں کھائی ہیں۔ یہ چاروں مقامات انتہائی بابرکت ہیں اور متعدّد انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے ہدایت و رہنمائی کے مراکز رہے ہیں۔ پہلی آیت میں انجیر اور زیتون کا تذکرہ ہے۔ اس سے مراد ”فلسطین“ ہے، جہاں یہ دونوں پھل بکثرت پیدا ہوتے ہیں اور بہت سے انبیائے کرام علیہم السلام نے یہاں دین کی دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا ہے۔ اس جگہ کو ایک خصوصی فضیلت یہ حاصل ہے کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے اور اسی علاقے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعوت الی اللہ کا کام کیا تھا۔

”وَطُورِ سِينِينَ ۝۲“ یعنی سینا پہاڑ وہ مقام ہے جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی تھی۔ ”الْبَلَدِ الْأَمِينِ ۝۳“ (پُر امن شہر) اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے،

جہاں پر کسی انسان یا جانور کو قتل کرنا ممنوع ہے۔ شہر مکہ مکرمہ دنیا کے تمام شہروں سے زیادہ مقدّس، عظیم اور بابرکت ہے۔ اس شہر کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ نبی آخر الزماں خاتم الانبیاء حضرت رسول اللہ ﷺ کا مولد اور وطن ہے۔ اللہ نے ان چیزوں کی قسم اس لیے کھائی کہ (یہ تمام مقامات برکت والے ہیں) انجیر اور زیتون کی پیدائش گاہ 'حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت گاہ' انبیاء کی قرار گاہ اور نزول وحی کا مقام ہے۔ طور وہی جگہ ہے جہاں حضرت موسیٰ کو پکارا گیا تھا اور مکہ میں تو اللہ کا باحرمت گھر اور رسول اللہ ﷺ کی پیدائش گاہ اور منزل وحی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ یہ چاروں جگہیں بے پناہ عظمت وحُرمت اور برکتوں کی حامل ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قسمیں کھائی ہیں۔

☜ انٹرویو/امتحان میں کامیابی کا وظیفہ:-

آپ (حضور زبدۃ المشائخ علیہ الرحمہ) سے حسن اسد علوی صاحب نے سی ایس ایس کے امتحان یا انٹرویو کے متعلق عرض کیا کہ حضور دعا فرمائیں تو آپ نے دعا کر کے فرمایا کہ جب تم (انٹرویو/امتحان) کے لئے جاؤ تو دائیں طرف "**کٓھٰیٰعٓصٓ**" اور بائیں طرف "**حٰمٓعٓسٓقٓ**" پڑھنا۔" (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۲)

☜ امتحان میں کامیابی کا وظیفہ:-

دو دوست (بھٹی صاحب اور خاور صاحب) جو اکثر واہ کینٹ سے گڑھی شریف حاضر ہوتے ہیں ان میں سے ایک نے عرض کیا کہ آپ جناب کی دعا سے میں پاس تو ہو گیا ہوں لیکن ایک دوسرے امتحان کا ذکر کیا کہ اس کے پیپرز کئی بار دے کر بھی پاس نہ ہو سکا، تو آپ جناب نے فرمایا کہ نماز کے بعد جب نفل پڑھ لیں تو ایسی جگہ جہاں کوئی نہ دیکھے کھڑے ہو کر دعا کی طرح ہاتھ اٹھا کر ہزار بار "یارب" پڑھیں اگر ایک دن میں نہیں پڑھ سکتے تو دس دنوں میں تقسیم کر کے روزانہ سو، سو بار پڑھ کر ہزار بار پورا کر لیں لیکن اس دن

سے شروع کر دیں کہ پیپر شروع ہونے سے ایک دن پہلے ہزار بار مکمل ہو جائے۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۳)

حافظے کے لئے دعا:-

آپ سے ایک دفعہ عرض کیا گیا کہ حافظے کے لئے دعا ارشاد فرمائیں تاکہ حفظ قرآن مجید میں آسانی ہو آپ نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ (الحمد للہ شریف) سو بار نماز عشاء کے بعد پڑھو، یا پھر سورۃ الانشراح (الم نشرح لک) کاغذ پر لکھ کر پانی میں ڈال کر پی لیا کرو اس کے بعد فرمایا کہ ۲۹ویں پارہ میں سورۃ القیامہ کی آیات "اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ کثرت کے ساتھ پڑھنے کا فرمایا۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۱)

سلسلہ چشتیہ کا خصوصی وظیفہ:-

حضرت ثالث خواجہ محمد اکرم شاہ صاحب رحمہ اللہ کے عرس کے موقع پر کسی کے پوچھنے پر فرمایا! کہ سلسلہ چشتیہ کا خصوصی وظیفہ فرض نماز کے بعد الحمد للہ شریف، سورۃ اخلاص تین مرتبہ، اور درود شریف تین بار اور آیت الکرسی شریف تو واضح حدیث میں مذکور ہے: کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا تو موت کے سوا کوئی چیز اس کے لیے دخولِ جنت سے مانع نہ ہو گی، مَن قرأ آية الكرسي في دبر كل صلاة مكتوبة، لم يمنعه من دخول الجنة إلا أن يموت.

(طبرانی، عمل الیوم واللیلۃ، الترغیب والترہیب)۔ تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۲)

بیماری، حفظ، اور دیگر تکالیف کے لئے وظیفہ:-

ادارے کے درجہ حفظ کے طالب علم سے فرمایا کہ نماز مغرب کے بعد ۱۸ مرتبہ سورۃ الانشراح (اَلَمۡ نَشۡرَحۡ لَكَ) اول آخر درود شریف کے ساتھ پڑھنی چاہیے، پھر فرمایا! کہ سورۃ الم نشرح لک ویسے بھی مختلف موقعوں پر خاص کر بیماری وغیرہ میں مفید ہے خصوصاً بچوں کو لکھ کر پلائیں اور ہر نماز کے بعد ۹ دفعہ پڑھنے کا بھی بتایا اور فرمایا کہ یہ سورۃ

پڑھ کر سیدھے ہاتھ پر پھونک کر دل پر پھیر لے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۲)

کوئی گم ہو جائے تو اس کے لئے وظیفہ:-

کسی کے پوچھنے پر ارشاد فرمایا! کہ اگر کوئی گم ہو جائے یا چلا جائے (روٹھ جائے) تو سورۃ والضحیٰ ہر نماز کے بعد ایک بار اور غالباً ایک دفعہ ۹ بار بتایا کہ پڑھی جائے اسی طرح ایک دوسرے موقع پر کسی نے آپ سے عرض کی کہ حضور میرا بیٹا گم ہو گیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ کہ جو آپ کے گھر میں قرآن پڑھا ہوا ہے اسے کہو کہ نماز مغرب کے بعد سورۃ والضحیٰ ۴۱ دفعہ پڑھ کر گھر میں ہر طرف پھونک دے اور یہ دعا کرے کہ اللہ کریم اس کی برکت سے وہ جہاں کہیں بھی ہو واپس آجائے، آپ نے فرمایا کہ اس سورۃ کا معجزہ ہے۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۲،۴۲،۳۲)

مشکل کے وقت کیا پڑھیں؟

بموقع عرس مبارک درگاہ میں زیارت شریف کے سامنے آپ تشریف فرما تھے، کسی نے پوچھا کہ مشکل اور پریشانی کے وقت کیا پڑھنا چاہیے، آپ نے فرمایا کہ درود تنجینا عام طور پر مشکل اور پریشانی کے وقت پڑھنا چاہیے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۲)

توضیح ملفوظ:-

یہ بزرگوں کے مجربات میں سے ہے، اور اسے علامہ سخاوی رحمہ اللہ نے علامہ فاکہانی رحمہ اللہ کی کتاب "الفجر المنیر" کے حوالے سے نقل کیا ہے، اور واقعہ یہ نقل کیا ہے کہ موسیٰ الضریر رحمہ اللہ ایک مرتبہ سمندر میں سفر کر رہے تھے کہ طوفان آیا جس کا نام اقلابیہ ہے، اور عام طور پر اس طوفان میں پھنسنے والے بچتے نہیں ہیں، موسیٰ الضریر نے خواب میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو دیکھا، آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ کشتی والوں سے کہو کہ وہ یہ درود پڑھیں، شیخ جاگے اور لوگوں کو اس درود کے پڑھنے کا کہا تو تین سو بار ہی پڑھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت کو دور کر دیا اور اس طوفان سے نجات ملی۔
مجد لغوی نے اپنی سند سے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حسن بن علی اسوائی

کا قول نقل کیا ہے کہ جو آدمی اس درود کو کسی مصیبت یا مسئلہ میں ایک ہزار بار پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت کو دور کر دیں گے اور اس کے کام کو پورا کر دیں گے۔

(القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع:۴۳۵، دار الیسر)

درود تنجینا یہ ہے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنَجِّیْنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْأَھْوَالِ وَالْآفَاتِ، وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ، وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ، وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَكَ أَعْلَى الدَّرَجَاتِ، وَتُبَلِّغُنَا بِھَا أَقْصَى الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیٰوۃِ وَبَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّكَ مُجِیْبُ الدَّعْوَاتِ وَرَفِعُ الدَّرَجَاتِ وَیَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ وَیَا كَافِی الْمُھِمَّاتِ وَیَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتِ وَیَا حَلَّ الْمُشْكِلَاتِ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ اَغِثْنِیْ یَآاِلٰھِیْ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔۔

☜ نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور تسبیحات فاطمہ کی تلقین:۔

حضور ثانی خواجہ سید محمد عبد اللہ شاہ صاحب کے عرس مبارک کے موقع پر مسجد کے صحن میں جماعت عصر کے فوراً بعد لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا! کہ میں دیکھتا ہوں کہ آج کل اکثر لوگ نماز کے بعد آیۃ الکرسی نہیں پڑھتے پھر فرمایا کہ تسبیحات یعنی (سبحان اللہ الحمد للہ اللہ اکبر) بہت اجر رکھتے ہیں، لیکن آیت الکرسی کی اپنی فضیلت ہے یہ فرض نماز کے بعد ضرور پڑھنی چاہیے حضور سرکار دوعالم ﷺ کا فرمان مبارک ہے ''جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے اس کے اور جنت کے درمیان صرف موت کا فاصلہ ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۱)

توضیح ملفوظ:۔

احادیث میں کثرت سے ان تسبیحات کی فضیلت وارد ہے

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ رضی الله عنه عَنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ قَالَ: مُعَقِّبَاتٌ لَا يَخِيْبُ قَائِلُهُنَّ أَوْ فَاعِلُهُنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ مَكْتُوْبَةٍ ثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَسْبِيْحَةً وَثَلَاثٌ وَثَلَاثُوْنَ تَحْمِيْدَةً وَأَرْبَعٌ وَثَلَاثُوْنَ تَكْبِيْرَةً۔

رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ۔ وَقَالَ أَبُوْ عِيْسَى: هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ۔

(أخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب: المساجد ومواضع الصلاة، باب: استحباب الذکر بعد الصلاة وبیان صفته، ۱/ ۴۱۸، الرقم: ۵۹۶، والترمذی فی السنن، کتاب: الدعوات، باب: منه (۲۵)، ۵/ ۴۷۹، الرقم: ۳۴۱۲)

”حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: فرض نمازوں کے بعد کئے جانے والے کچھ اَذکار ایسے ہیں جنہیں پڑھنے والا یا کرنے والا ناکام نہیں ہوتا (جن میں سے) تینتیس (۳۳) دفعہ سبحان الله، تینتیس (۳۳) دفعہ الحمد لله اور چونتیس (۳۴) دفعہ الله اکبر بھی ہے۔“ اس حدیث کو امام مسلم اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں مصطفیٰ کریم ﷺ نے فرمایا ”عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُوْرِ بِالدَّرَجَاتِ وَالنَّعِيْمِ الْمُقِيْمِ قَالَ: كَيْفَ ذَاكَ؟ قَالُوْا: صَلَّوْا كَمَا صَلَّيْنَا وَجَاهَدُوْا كَمَا جَاهَدْنَا وَأَنْفَقُوْا مِنْ فُضُوْلِ أَمْوَالِهِمْ وَلَيْسَتْ لَنَا أَمْوَالٌ قَالَ: أَفَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَمْرٍ تُدْرِكُوْنَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ وَتَسْبِقُوْنَ مَنْ جَاءَ بَعْدَكُمْ وَلَا يَأْتِي أَحَدٌ بِمِثْلِ مَا جِئْتُمْ بِهِ إِلَّا مَنْ جَاءَ بِمِثْلِهِ تُسَبِّحُوْنَ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ عَشْرًا وَتَحْمَدُوْنَ عَشْرًا وَتُكَبِّرُوْنَ عَشْرًا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔“

(أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الدعوات، باب: الدعاء بعد الصلاة، ۵/ ۲۳۳۱، الرقم: ۵۹۷۰، ومسلم فی الصحیح، کتاب: المساجد ومواضع الصلاة، باب: استحباب الذکر بعد الصلاة وبیان صفته، ۱/ ۴۱۶، الرقم: ۵۹۵)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ عرض گزار ہوئے: یا رسول اللہ! مالدار لوگ تو درجات اور ہمیشہ کی نعمتوں میں بازی لے گئے۔ فرمایا کہ یہ کیونکر؟ عرض کی کہ جس طرح انہوں نے نماز پڑھی تو ہم نے بھی پڑھی، جس طرح

انہوں نے جہاد کیا تو ہم نے بھی کیا۔ لیکن انہوں نے اپنا وافر مال راہ خدا میں خرچ کیا جبکہ ہمارے پاس مال نہیں ہے۔ فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں جس کے باعث تم ان لوگوں کے برابر ہو جاؤ جو تم سے پہلے ہو گزرے اور اُن لوگوں سے بڑھ جاؤ جو تمہارے بعد آئیں گے اور تمہارے برابر کوئی نہ ہو سکے۔ مگر وہ جو تمہاری طرح کرے؟ تم اپنی ہر نماز کے بعد دس دفعہ سُبْحَانَ اللهِ، دس دفعہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اور دس دفعہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہا کرو۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

اور آیت الکرسی کی بھی بڑی فضیلت ہے۔ یہ فرض نماز کے بعد ضرور پڑھنی چاہئے۔ حضور سرکار دوعالم ﷺ کا فرمان عالیشان ہے "من قرأ آیة الكرسي في دبر كل صلاة مكتوبة لم يمنعه من دخول الجنة إلا أن يموت"

(السنن الکبری للنسائی:۹/ ۴۴، رقم الحدیث:۹۸۴۸، ط:مؤسسۃ الرسالۃ)

جس شخص نے ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی، اس کو جنت میں داخل ہونے سے موت کے سوا اور کوئی چیز روکنے والی نہیں۔

☜ -:وظائف سے بہتر کام:-

(راقم ملفوظات، عبدالوہاب لکھتے ہیں کہ) مہر جنگ ماموں کے بیٹے ارشد نے وظیفے کے لئے عرض کیا تو آپ جناب نے فرمایا! کہ والدین کی خدمت کرو امی جان کا خیال رکھو۔ دوسروں کے حقوق کا خیال رکھو، ملک کی قوم کی، وطن کی خدمت کرو یہ سب سے بڑا وظیفہ ہے اور زیادہ وظیفے ٹھیک نہیں۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۱۷۴)

توضیح ملفوظ:-

اللہ رب العزت نے انسانوں کو مختلف رشتوں میں پرویا ہے، ان میں کسی کو باپ بنایا ہے تو کسی کو ماں کا درجہ دیا ہے اور کسی کو بیٹا بنایا ہے تو کسی کو بیٹی کی نسبت عطا کی ہے، غرض رشتے بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے حقوق مقرر فرمائے ہیں، ان حقوق میں سے ہر ایک کا ادا کرنا ضروری ہے، لیکن والدین کے حق کو اللہ رب العزت نے قرآن کریم

میں اپنی بندگی اور اطاعت کے فوراً بعد ذکر فرمایا، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رشتوں میں سب سے بڑا حق والدین کا ہے۔

والدین سے حسنِ سلوک کا حکم

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے: ”وَقَضٰی رَبُّكَ أَلاَّ تَعْبُدُوْا إِلاَّ إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلاَهُمَا فَلاَ تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلاَ تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلاً كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ إِنْ تَكُوْنُوْا صَالِحِيْنَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلأَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۔“

ترجمہ: ”اور تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت مت کرو اور اپنے ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ، اگر وہ تیری زندگی میں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، چاہے ان میں ایک پہنچے یا دونوں (اور ان کی کوئی بات تجھے ناگوار گزرے تو) ان سے کبھی ”اف“ بھی مت کرنا اور نہ ان سے جھڑک کر بولنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے شفقت سے انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا: اے ہمارے پروردگار! تو اُن پر رحمت فرما، جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے پالا ہے (صرف ظاہر داری نہیں، دل سے اُن کا احترام کرنا) تمہارا رب تمہارے دل کی بات خوب جانتا ہے اور اگر تم سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والے کی خطائیں بکثرت معاف کرنے والا ہے۔“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ جل جلالہٗ نے سب سے پہلے اپنی بندگی و اطاعت کا حکم ارشاد فرمایا ہے کہ میرے علاوہ کسی اور کی بندگی ہرگز مت کرنا، اس کے بعد فرمایا کہ: اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ اولاد کو یہ سوچنا چاہیے کہ والدین نہ صرف میرے وجود کا سبب ہیں، بلکہ آج میں جو کچھ ہوں اُنہی کی برکت سے ہوں، والدین ہی ہیں جو اولاد کی خاطر نہ صرف ہر طرح کی تکلیف، دکھ اور مشقت کو برداشت کرتے ہیں، بلکہ بسا

اوقات اپنا آرام وراحت، اپنی خوشی وخواہش کو بھی اولاد کی خاطر قربان کر دیتے ہیں۔

ماں کا مجاہدہ:-

سب سے زیادہ محنت ومشقت اور تکلیف ماں برداشت کرتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَ وَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا۔"

ترجمہ: "اس ماں نے تکلیف جھیل کر اُسے پیٹ میں رکھا اور تکلیف برداشت کر کے اُسے جنا۔"

حمل کے نو[۹] ماہ کی تکلیف اور اس سے بڑھ کر وضع حمل کی تکلیف، یہ سب ماں برداشت کرتی ہے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اب اس کی پرورش کے لیے باپ محنت و مشقت برداشت کرتا ہے، سردی ہو یا گرمی، صحت ہو یا بیماری، وہ اپنی اولاد کی خاطر کسبِ معاش کی صعوبتوں کو برداشت کرتا ہے اور ان کے لیے کما کر لاتا ہے، ان کے اوپر خرچ کرتا ہے، ماں گھر کے اندر بچے کی پرورش کرتی ہے، اس کو دودھ پلاتی ہے، اس کو گرمی و سردی سے بچانے کی خاطر خود گرمی و سردی برداشت کرتی ہے، بچہ بیمار ہوتا ہے تو ماں باپ بے چین ہو جاتے ہیں، ان کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں، اس کے علاج ومعالجہ کی خاطر ڈاکٹروں وعلاج گاہوں کے چکر لگاتے ہیں۔ غرض والدین اپنی راحت و آرام کو بچوں کی خاطر قربان کرتے ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے، وہاں ساتھ ساتھ والدین کا بھی شکر گزار رہنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے، سورۂ لقمان میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ"

"میرا شکریہ ادا کرو اور اپنے والدین کا شکریہ ادا کرو، میری طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ میں نے خراسان سے اپنی والدہ کو اپنے کندھے پر اُٹھایا اور بیت اللہ لایا اور اسی طرح کندھے پر اُٹھا کر حج کے مناسک

ادا کروائے، کیا میں نے اپنی والدہ کا حق ادا کر دیا؟ تو حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”نہیں، ہر گز نہیں، یہ سب تو ماں کے اس ایک چکر کے برابر بھی نہیں جو اس نے تجھے پیٹ میں رکھ کر لگایا تھا۔“

اللہ تعالیٰ نے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے: ”وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا“ یعنی ان کے ساتھ انتہائی تواضع و انکساری اور اکرام و احترام کے ساتھ پیش آئے، بے ادبی نہ کرے، تکبر نہ کرے، ہر حال میں اُن کی اطاعت کرے، الا یہ کہ وہ اللہ کی نا فرمانی کا حکم دیں تو پھر اُن کی اطاعت جائز نہیں۔ سورۃ عنکبوت میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

”وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا ۖ وَإِنْ جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا ۚ“

”ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ اگر وہ تجھ پر اس بات کا زور ڈالیں کہ تو ایسی چیز کو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے، جس کے معبود ہونے کی کوئی دلیل تیرے پاس نہ ہو تو اُن کا کہنا مت ماننا۔“

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک کس طرح کیا جائے؟ تو انہوں نے فرمایا: تو اُن پر اپنا مال خرچ کر، اور وہ تجھے جو حکم دیں اس کی تعمیل کر، ہاں! اگر گناہ کا حکم دیں تو مت مان۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسنِ سلوک میں سے یہ بھی ہے کہ تم ان کے سامنے اپنے کپڑے بھی مت جھاڑو، کہیں کپڑوں کا غبار اور دھول اُن کو نہ لگ جائے۔

ملک و قوم کی خدمت:-

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی خدمت کو خالق کی خدمت قرار دیا ہے۔ صحیح مسلم کی

روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان سے کہے گا: اے ابن آدم! میں بیمار پڑا رہا لیکن تو نے میری عیادت نہیں کی۔ انسان کہے گا: تو سارے جہاں کا پروردگار ہے تو کب بیمار تھا اور میں تیری عیادت کیسے کرتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے معلوم نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہے لیکن اس کے باوجود تو اس کی مزاج پرسی کے لیے نہیں گیا۔ اگر تو اس کے پاس جاتا تو مجھے وہاں پاتا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا لیکن تو نے کھانا نہیں دیا۔ انسان عرض کرے گا: اے رب العالمین! تو کب بھوکا تھا اور میں تجھے کیسے کھانا کھلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: کیا تجھے یاد نہیں کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا طلب کیا تھا لیکن تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔ اگر تو نے اس کا سوال پورا کیا ہوتا تو آج اس کا ثواب یہاں پاتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا لیکن تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ انسان عرض کرے گا: اے دونوں جہاں کے پروردگار! تو کب پیاسا تھا اور میں تجھے کیسے پانی پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا لیکن تو نے اس کی پیاس بجھانے سے انکار کر دیا تھا اگر تو نے اس کی پیاس بجھائی ہوتی تو آج اس کا ثواب یہاں پاتا۔

(صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ باب فضل عیادۃ المریض)

اجازت اَورادووظائف:-

اہلِ تصوف کے نزدیک اجازتِ وظائف کی حقیقت کو درست طور پر سمجھنا نہایت ضروری ہے۔ اعمال دو طرح کے ہیں: ایک وہ جن کا تعلق دنیاوی اغراض و مقاصد سے ہے، جن میں اجازت کا مقصد دراصل تقویتِ خیال اور توجہ کی یکسوئی ہوتا ہے، کیونکہ اجازت کے ذریعے سالک کے دل میں اثر پذیری کا اطمینان پیدا ہوتا ہے اور شیخ کی توجہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتی ہے، جو خیال کی قوت کو مزید مضبوط کر دیتی ہے۔ تاہم وہ اعمال جن کا ثمرہ خالصتاً اخروی ہو، ان میں بذاتِ خود اجازت شرط نہیں؛ کیوں کہ ثواب اور قربِ الٰہی کا دارومدار اخلاص اور اتباعِ سنت پر ہے، نہ کہ اجازت پر۔ البتہ صوفیانہ طریقِ تربیت میں، جہاں مقصود محض ثواب نہیں بلکہ تزکیۂ باطن، اصلاحِ احوال اور

روحانی کیفیت کی درستی ہوتی ہے، وہاں اجازت کی اہمیت نمایاں ہو جاتی ہے۔ اہلِ سلوک کے نزدیک شیخ کا مقام طبیبِ روحانی کا ہے، جو مرید کی باطنی بیماریوں، مزاج اور استعداد کو پہچان کر اسی کے مطابق اذکار و وظائف تجویز کرتا ہے۔ جس طرح مریض اپنی رائے سے دوا اختیار نہیں کرتا، اسی طرح سالک بھی اپنی باطنی اصلاح کے باب میں شیخ کی رہنمائی کا محتاج ہوتا ہے۔ اسی بنا پر بعض اکابرِ صوفیا نے وظائف میں اجازت کو لازم قرار دیا ہے، کیونکہ یہاں اجازت کا تعلق اجر و ثواب سے نہیں بلکہ کیفیتِ باطنی، اعتدالِ سلوک اور روحانی توازن سے ہے۔ تاہم مسنون اور ماثور اذکار میں اگر کوئی شخص الفاظ اور اعراب کی صحت پر قادر ہو تو وہ بلا اجازت بھی پڑھ سکتا ہے اور ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، البتہ تربیتی نظام سے وابستہ سالک کے لیے اپنے شیخ سے اجازت لینا صوفیانہ منہج کا تقاضا اور سلوک کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

ان تمام وظائف کی درگاہِ عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف کے سجادہ نشین، حضرت خواجہ پیر محمد اکرم شاہ صاحب دام ظلہ العالی کی جانب سے عام اجازت ہے۔

تصوف

اے انسان چالیس سال کے ہو گئے لیکن تیرا بچپنا نہ گیا۔

آپ رحمہ اللہ طلبہ کو حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی ہر دلعزیز کتاب کریما پڑھا رہے تھے تو جب یہ شعر پڑھا

(چہل سال عمر عزیزت گذشت
مزاج تو از حالِ طفلی نہ گشت)

(اگرچہ) چالیس سال تیری عزیز عمر کے گذر گئے (لیکن) تیرا مزاج لڑکپن کی حالت سے نہ بدلا۔

آپ نے فرمایا کہ اس شعر میں حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے اس لئے کہا کہ چالیس سال کے عمر کے بعد بندے کی عقل پختہ ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ انبیاء کو بھی نبوت چالیس سال کی عمر میں یا اس کے بعد عطا کی جاتی رہی، اور مقام قطبیت بھی چالیس سال کی عمر کے بعد ملتی ہے، خود حضور سرکار دو عالم ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں اظہار فرمایا! حالانکہ آپ ﷺ تو حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے نبوت پر متمکن ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۴۸)

توضیح ملفوظ:-

اگرچہ انسان کی جسمانی قوت اور طاقت چالیس سال سے پہلے ہی اپنے نقطہ عروج کو پہنچ جاتی ہے۔ تاہم اس میں عقل کی پختگی چالیس سال تک ہی آتی ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحقاف آیت نمبر ۱۵ میں فرمایا "حَتّٰٓى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهٗ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي" یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جاتا ہے اور (پھر) چالیس سال (کی پختہ عمر) کو پہنچتا ہے، تو کہتا ہے: اے میرے رب: مجھے توفیق دے"

آپ نے فرمایا کہ انبیاء کو بھی نبوت چالیس سال کی عمر میں یا اس کے بعد عطا کی جاتی رہی خود حضور سرکار دوعالم ﷺ نے چالیس سال کی عمر میں نبوت کا اظہار فرمایا حالانکہ آپ ﷺ تو حضرت آدم علیہ السلام سے پہلے نبوت پر متمکن ہیں جس طرح کہ حدیث پاک میں وارد ہے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: "قَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَتَى وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ؟"

لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی تھی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "وَآدَمُ بَيْنَ الرُّوحِ وَالْجَسَدِ" اور نبوت اس وقت واجب ہوئی جب آدم علیہ السلام روح اور جسد کے درمیان تھے۔

(جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل النبی ﷺ حدیث نمبر ۳۶۰۹)

-:درگاہیں اور علم ظاہر و باطن:-

نماز مغرب کے بعد طالب علموں سے فرمایا! کہ پہلے درگاہوں پر لوگ علم ظاہر اور علم باطن حاصل کرتے۔ پھر ان کو خلافت دی جاتی اور تبلیغ کرتے اور فرمایا! کہ یہ اب سے نہیں بلکہ حضور ﷺ کی سنت ہے کیونکہ اصحاب صفہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں۔ اور صوفی بھی اصحاب صفہ سے ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۹۹)

توضیح ملفوظ:-

دین کا فروغ مدرسوں کی مرہون منت ہے اور مدرسوں کا استحکام صوفیانہ اقدار کا منت کش۔ مدرسے اس وقت تک شجر سایہ دار بنے رہتے ہیں جب تک وہ صوفیانہ اقدار کے حامل ہوتے ہیں اور مذہبی تعلیمات کے اثرات و نتائج کو حقیقی نمو اس وقت تک ملتا رہتا ہے جب تک ان کی جڑوں میں صوفیانہ اقدار کا پانی پہنچ رہا ہوتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار کس کو ہو گا کہ مدارس اسلامیہ اپنی نہاد میں اسلامی احکام، مذہبی روایات اور صوفیانہ اقدار کے علم بردار ہیں۔ مدارس اسلامیہ کی تاریخ دراصل تصوف کی تاریخ ہے، اسلام کی تاریخ ہے، اس کے عروج کی داستان دراصل تصوف کے عروج کی داستان ہے اور اس کا زوال

دراصل صوفیانہ تعلیمات واقدار کے زوال کی علامت۔ اسلام کے پہلے مدرسہ "صفہ" کے نام پر غور کیجیے، اس میں بڑی دلچسپ حقیقت پوشیدہ ہے۔ اس نام سے صوفی کا لفظ وجود میں آیا۔ ابتدا میں حضور سرور کائنات ﷺ کے خاص اصحابِ صفہ جن میں حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوذر غفاری، حضرت سلمان فارسی رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ شامل ہیں نے خانقاہی طرز کی زندگی گزاری جن کی پشت پناہی تعلیم و تربیت خود حضور علیہ السلام نے فرمائی۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ مدارس بنیادی طور پر صوفیانہ اقدار پر کھڑے ہوتے ہیں، اس کے تحفظ کی ضمانت اور اس کے فروغ کا بہت قوی ذریعہ ہوتے ہیں۔ اور خانقاہ یہ فارسی لفظ خان گاہ سے بنا ہے جس کے معنٰی ہوتے ہیں روحانی تربیت گاہ دل اور روح کے علاج کی جگہ، خانقاہ کے معنٰی حضرت نصیر الدین چراغِ دلی کے ملفوظ خیر المجالس میں حضرت کا ارشاد ہے۔ "خانقاہ دو لفظوں کا مرکب ہے خان- قاہ-خان کے معنٰی مکان اور قاہ بمعنٰی عبادت اور دعا یعنی عبادت کا گھر لہٰذا وہاں عبادت کی جانی چاہیے یا کہ وہاں دعا میں قبولیت بھی تیزی کے ساتھ ہو۔ (خیر المجالس، صفحہ ۲۴۷)

وہاں درویشوں کے رہنے کی جگہ کے ہیں جہاں وہ دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت کرتے ہیں، نیز جہاں ایک کامل شیخ جو "ولی گر" ہو "ولی ساز" ہو، سالکوں کے ظاہر و باطن پر باریک نظر رکھتا ہو، ان کی اصلاح کے لئے موجود ہو ورنہ درگاہ مزار سے بھی روحانی فیض کسی حد تک لیا جا سکتا ہے لیکن روحانی سرپرستی کے لئے خانقاہ کے کامل پیر و مرشد کے بنا چارہ نہیں۔

دنیا میں کوئی بھی معاشرہ، کوئی بھی قوم اور کوئی بھی مذہب ایسا نہیں جس کی کچھ اقدار، کچھ روایات نہ ہوں، یہ اقدار و روایات ان کا اہم حوالہ ہوتی ہیں۔ یہ اگر مسخ کر دی جائیں یا ہو جائیں تو قوم، مذہب اور معاشرے محض ڈھانچے بن جاتے ہیں۔ جیسے مغز کے بغیر چھلکا، روح کے بغیر جسم۔ اصل چیز روح یا اسپرٹ ہے جو زندگی کی علامت ہے۔ مدارس اسلامیہ کے فارغین کی ذمے داری زمین پر اتر کر کام کرنا، اصلاح اُمّت کا بیڑہ اٹھانا اور لوگوں کے مسائل حل کرنا ہے اور یہ صوفیانہ اقدار کے بغیر ممکن ہی نہیں۔ صوفی کا

بنیادی کام اللہ ورسول کی رضاجوئی اور خالق اور اس کے بندوں کے درمیان صلح کرانا ہے یعنی وہ انہیں اللہ کے قریب کرتا ہے، ان کے روحانی مسائل حل کرتا ہے۔ وہ اپنے قریبی کو خود سے جدا بھی نہیں ہونے دیتا اور دوسرے کو دور بھی نہیں ہونے دیتا۔ اس کی نظر محض ظاہر پر نہیں ہوتی بلکہ وہ باطن پر بھی نظر رکھتا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہمارے صوفیا اور علمانے جہاں جہاں بھی اسلام کے چراغ روشن کیے، انہی خصوصیات کی بنیاد پر کیے۔ وہ ہمیشہ انسانوں کو خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں جھکاتے اور اسے نبی کریم ﷺ وسلم کا سچا عاشق بناتے تھے۔ یہی کام ان کی حیات کا کل اثاثہ ہوتا تھا اور اسی اثاثے کو وہ سفر آخرت میں زادراہ کے طور پر لے گئے اور منزل مقصود پر پہنچ کر کامیاب وکامران ہوگئے۔

درگاہوں، خانقاہوں پر مدارس ہوتے، اور طالبان حق ومعرفت آکر علم ظاہر و باطن کی تکمیل کرتے اور معاشرے میں خیر وبرکت بانٹتے، اور اس وقت محبت وپیار کی فضا قائم تھی، عزت وتکریم کا خیال تھا، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آجکل دوریاں بڑھ گئی ہیں، دعا ہے کہ اللہ کریم پھر سے وہ دور لے آئے کہ باہم شیر وشکر ہوں۔

:- علم، شریعت کی پیروی اور سادات -:

دوران گفتگو آپ نے فرمایا کہ علم اور شریعت (کی پیروی) سادات کی میراث ہے جب سے، سادات نے ان دونوں کو چھوڑا سادات بھی گمراہ ہوگئے اور مذہب میں بھی خرابیاں آتی گئیں۔ خدا کرے سادات اس نقطے کو سمجھ جائیں اور حصول علم کی کوشش کریں، مزید آپ نے فرمایا کہ آج طریقت کو دو طرف سے سخت نقصان پہنچ رہا ہے ایک تو مخالف لوگوں کے پروپیگنڈہ اور دوسرے تعویذ اور عملیات والے پیروں سے۔

(ملفوظات صوبیدار عبدالرشید مطبوعہ صفحہ نمبر ۲۵)۔

توضیح ملفوظ -:

مصطفیٰ کریم ﷺ نے فرمایا! عن ابی ھریرۃ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "ما من رجل یسلك طریقا یطلب فیہ علما إلا سھل اللہ

لہ بہ طریق الجنۃ، ومن ابطا بہ عملہ لم یسرع بہ نسبہ۔" (سنن ابی داوٗد حدیث نمبر:۳۶۴۳)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص حصول علم کے لیے کوئی راستہ طے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے، اور جس کو اس کے عمل نے پیچھے کر دیا تو اسے اس کا نسب آگے نہیں کر سکے گا۔"

"سید" شریف النسب کی شرافت نسبی اور نبی کریم ﷺ کی طرف نسبت یقیناً ایک بہت بڑی سعادت اور منقبت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائی ہے لیکن یہ شرافت نسبی اس وقت آخرت میں نافع اور دنیا میں مستحق تکریم زائد و تعظیم فائق ہے جبکہ شریعت کے مقتضیات کے مطابق سید عمل کرتا ہو اور اس کے موجبات کا لحاظ کر کے شریعت کا متبع ہو اور اگر سید شریعت کا مطیع نہ ہو بلکہ فاسق، فاجر اور بد کردار ہو اور شرافت نسبی کا لحاظ کیے بغیر سرِ عام احکام خداوندی سے بغاوت کرتا ہو تو اس کے لیے صرف شرافت نسبی کافی نہیں، گویا کہ اس نے شرافت نسبی کو خود ختم کر دیا اور انہ لیس من اھلک کا مصداق بنا۔

بہر حال شرافت نسبی کامل احترام کا سبب ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اسلام اور سنت نبوی کا باغی نہ ہو۔

اس لیے ایسے سید جو مطیع نہ ہوں بلکہ فاسق، فاجر اور بد کردار ہوں اس کے لیے فحش گوئی کی اجازت بالکل نہیں ہو گی، بلکہ لازم ہے کہ انہیں نرمی کے ساتھ سمجھا کر صحیح راستے پر لانے کی کوشش کی جائے۔

دوسری بات یہ کہ! یقیناً تعویذات کا دھندہ کرنے والے عاملوں نے دین کو بڑا نقصان پہنچایا ہے، موجودہ سجادہ نشین درگاہ عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف حضرت خواجہ محمد اکرم شاہ صاحب دام ظلہ العالی نے حال ہی میں ڈیرہ اسماعیل خان میں ایک کامیاب علماء و مشائخ کانفرنس کروائی جس کے اغراض و مقاصد میں خصوصی طور پر یہ پیرا شامل تھا

کہ ”دین کی اساس کو نقصان پہنچانے والے جاہل خطباء، تعویذات کا دھندہ کرنے والے عاملین اور شعبدہ باز لوگ (جنہیں ذرائع ابلاغ مشائخ اور علماء میں شمار کرتے ہیں) سے مکمل برأت کا اظہار اور انکی حوصلہ شکنی اور خانقاہوں اور مدارس میں تعلیم و تعلم، مجاھدات و ریاضت کے ذریعے عوام الناس کی تربیت کا اہتمام اور اس سلسلے میں جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعے شرعی امور، فقہی مسائل اور بزرگان دین کے عقائد کی تعلیم“ اس کانفرنس کے اغراض و مقاصد میں شامل تھے۔

☜ :- قبروں کو بوسہ دینا :-

کرنل (ر) الطاف محمود ھاشمی صاحب ملفوظات حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ بنام ”الطاف نامے میں لکھتے ہیں کہ!

اکتوبر ۲۰۰۵ / ۲۴ شعبان ۱۴۲۶ھ جمعۃ المبارک کو بعد از نماز جمعہ اہل و عیال سمیت گڑھی شریف حاضری دی۔ عرس مبارک کے پروگرام کی تیاری کے سلسلے میں شاہ گل جی نے بلا رکھا تھا۔ دورانِ گفتگو ایک نہایت ہی پر مغز جملہ سننے کو ملا۔ پیر محمد اعظم شاہ صاحب تونسہ شریف میں حاضر تھے اور مشائخ میں یہ گفتگو جاری تھی کہ قبر کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت خاموش تھے کہ کسی صاحب نے آپ سے اس بارے میں استفسار کیا۔ آپ نے فرمایا” میں تو قبر کو بوسہ دیتا ہوں۔“ اس مسئلہ پر جائز یا ناجائز ہونے کے متعلق کچھ نہیں فرمایا۔ وہ صاحب بولے ”آپ کے جد امجد (خواجہ محمد فاضل شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) تو قبر کو بوسہ نہیں دیتے تھے۔ پیر محمد اعظم شاہ صاحب نے فرمایا:

”میرے دادا کو قبر کے پتھر نظر نہیں آتے تھے اس لیے وہ انہیں بوسہ نہیں دیتے تھے۔“ یعنی ان کے اور صاحب قبر کے درمیان حجاب تھا ہی نہیں تو قبر کے پتھر کو بوسہ کیسے دیتے؟ سبحان اللہ وبحمدہ۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما۔

(الطاف نامے، ملفوظات حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، صفحہ نمبر ۴۴،۴۵)

توضیح ملفوظ:-

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ أَوْ حُفْرَةٌ مِنْ حُفَرِ النَّارِ۔

قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ (ترمذی، السنن، ۶۳۹:۴، رقم: ۲۴۶۰، دار احیاء التراث العربی بیروت
طبرانی، المعجم الأوسط، ۲۷۳:۸، رقم: ۸۶۱۳، دار الحرمین القاہرۃ)

اس حدیثِ مبارکہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیک و صالح لوگوں کی قبریں یقیناً جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہوتی ہیں اور جنت کے باغ بلاشبہ مقدس و متبرک ہیں۔ ذیل میں مقاماتِ مقدسہ کو بوسہ دینے کی شرعی حیثیت واضح کی جارہی ہے:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حجر اسود کے پاس تشریف لائے، پھر اسے بوسہ دیا، پھر فرمایا: إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ۔

میں خوب جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے (اس حیثیت سے) نہ نقصان دہ نہ فائدہ مند۔ اگر میں نے نبی کریم ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے دیکھا نہ ہوتا، تجھے (کبھی) نہ چومتا۔
(بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب ما ذکر فی الحجر الأسود، ۵۷۹:۲، رقم: ۱۵۲۰، بیروت، لبنان: دار ابن کثیر الیمامۃ)

امام بدر الدین عینی، اس حدیث کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَأما تَقْبِيل الْأَمَاكِن الشَّرِيفَة على قصد التَّبَرُّك، وَكَذَلِكَ تَقْبِيل أَيدي الصَّالِحين وأرجلهم فَهُوَ حسن مَحْمُود بِاعْتِبَار الْقَصْد وَالنِّيَّة، وَقد سَأَلَ أَبُو هُرَيْرَة الْحسن، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، أَن يكْشف لَهُ الْمَكَان الَّذِي قبله، رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، وَهُوَ سرته، فَقبله تبركاً بآثاره وذريته، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، وَقد كَانَ ثَابت الْبنانِيّ لَا يدع يَد أنس، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، حَتَّى يقبلهَا، وَيَقُول: يَد مست يَد رَسُول الله، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، وَقَالَ أَيْضا: وَأَخْبرنِي الْحَافِظ أَبُو سعيد ابْن العلائي قَالَ:

رَأَيْت فِي كَلَام أَحْمد بن حَنْبَل فِي جُزْء قديم عَلَيْهِ خطّ ابْن نَاصِر وَغَيره من الْحفاظ، أَن الإِمَام أَحْمد سُئِلَ عَن تَقْبِيل قبر النَّبِي، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، وتقبيل منبره، فَقَالَ: لَا بَأْس بذلك، قَالَ: فأريناه للشَّيْخ تَقِيّ الدّين بن تَيْمِية فَصَارَ يتعجب من ذَلِك، وَيَقُول: عجبت أَحْمد عِنْدِي جليل يَقُوله؟ هَذَا كَلَامه أَو معنى كَلَامه؟ وَقَالَ: وَأي عجب فِي ذَلِك وَقد روينَا عَن الإِمَام أَحْمد أَنه غسل قَمِيصًا للشَّافِعِيّ وَشرب المَاء الَّذِي غسله بِهِ، وَإِذا كَانَ هَذَا تَعْظِيمه لأهل الْعلم فَكيف بمقادير الصَّحَابَة؟ وَكَيف بآثار الْأَنْبِيَاء، عَلَيْهِم الصَّلَاة وَالسَّلَام؟ وَلَقَد أحسن مَجْنُون ليلى حَيْثُ يَقُول:

أَمر على الديار ديار ليلى
أقبل ذَا الْجِدَار وَذَا الْجِدَار
وَمَا حب الدَّار شغفن قلبِي
وَلَكِن حبُّ من سكن الديارا

وَقَالَ الْمُحب الطَّبَرِيّ: وَيُمكن أَن يستنبط من تَقْبِيل الْحجر واستلام الْأَركان جَوَاز تَقْبِيل مَا فِي تقبيله تَعْظِيم الله تَعَالَى، فَإِنَّهُ إِن لم يرد فِيهِ خبر بالندب لم يرد بِالْكَرَاهَةِ۔

ترجمہ: حصول برکت کے ارادے سے مقامات مقدسہ کو چومنا، اسی طرح نیک لوگوں کے ہاتھ پاؤں کو بوسہ دینا، نیت وارادہ کے اعتبار سے اچھا اور قابل تعریف کام ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ وہ اپنی ناف سے کپڑا اٹھائیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے بوسہ دیا تھا پھر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی اولاد کے آثار سے برکت حاصل کرنے کے لیے اسے بوسہ دیا۔ اور (امام) ثابت بنانی جب تک بوسہ نہ دیتے حضرت انس رضی اللہ عنہ کا ہاتھ نہ چھوڑتے اور فرمایا کرتے یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ مبارک کو چھوا ہے۔ حضرت امام احمد بن

حنبل سے نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی قبر انور اور منبر اقدس کو بوسہ دینے کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کوئی حرج نہیں۔ کہا کہ ہم نے یہ قول جب شیخ تقی الدین ابن تیمیہ کو دکھایا تو وہ اس پر تعجب کرنے لگے اور کہا مجھے تعجب ہے۔ میرے نزدیک تو امام احمد کی یہ بات یا اس سے ملتی جلتی بات عجیب سی لگتی ہے۔ (محب طبری نے) کہا اس میں تعجب کس بات پر؟ ہم نے تو امام احمد کی یہ بات سنی ہے کہ آپ نے امام شافعی کی قمیض دھو کر اس کا دھون پی لیا تھا تو جب وہ اہل علم کی اتنی تعظیم کرتے تھے تو پھر آثار صحابہ رضی اللہ عنہ آثار انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام سے کتنی عزت و عظمت سے پیش آتے ہوں گے۔ لیلیٰ کے مجنوں (قیس عامری) نے کیا خوب کہا:

جب لیلیٰ کے شہر سے گزرتا ہوں
کبھی اس دیوار کو چومتا ہوں کبھی اس کو
مکانوں کی محبت نے میرا دل دیوانہ نہیں بنا رکھا
بلکہ ان میں بسنے والوں کی محبت نے یہ حال کر رکھا ہے

علامہ محب طبری نے فرمایا: یہ بھی ممکن ہے کہ حجر اسود اور ارکان کے بوسہ دینے سے ہر اس چیز کو چومنے کا مسئلہ نکالا جائے جس کے چومنے سے اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے اگرچہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث اس عموم استحباب پر مروی تو نہیں مگر اس کی کراہت پر بھی تو کوئی روایت نہیں۔

علامہ عینی کہتے ہیں: میں نے اپنے دادا محمد بن ابو بکر کے بعض حواشی میں امام ابو عبد اللہ محمد بن ابی الصیف کے حوالہ سے لکھا دیکھا ہے کہ کچھ آئمہ دین قرآن کو دیکھتے تو اسے بوسہ دیتے جب اجزائے حدیث کو دیکھتے تو ان کو بوسہ دیتے اور جب نیک لوگوں کی قبروں پر نظر پڑتی تو ان کو بوسہ دیتے فرمایا یہ کچھ بعید نہیں۔

(عینی، عمدۃ القاری، ۹: ۲۴۱، بیروت: دار احیاء التراث العربی)

معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی قبروں کو بوسہ دینا چاہیے۔

رہا اولیاء کاملین کا کشف تو یہ صوفیائے کرام کا وہ مرتبہ یا کرامت ہے جس میں

انھیں قبر میں مُردے کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ کشف القبور اہلیانِ تصوف کے نزدیک کسی صوفی باصفا کا حالت مراقبہ یا حالت استراحت میں صاحب مزار اور صاحب قبر سے ہمکلامی کرنا اور احوال قبر دریافت کرنا ہے۔ کاملین اولیائے کرام کا طریق بھی یہی رہا ہے۔

چاروں سلاسل حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہیں:-

کسی نے (آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے سامنے) سلسلوں کا ذکر کیا تو حضور (زبدۃ المشائخ) نے فرمایا کہ دراصل چاروں سلسلے حضرت علی پاک رضی اللہ عنہ سے ہیں۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۵)

توضیح ملفوظ:-

جان لینا چاہئے کہ جس طرح خلافتِ ظاہری، خلفاء راشدین سے شروع ہوئی اور اِس کا فیض حسبِ حال اُمت کے صالح حکام اور عادل امراء کو منتقل ہوتا چلا گیا، اُسی طرح خلافتِ باطنی بھی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے شروع ہوئی اور اس کا فیض حسبِ حال ائمہ اطہارِ اہل بیت اور اُمت کے اولیاء کاملین کو منتقل ہوتا چلا گیا۔ حضور فاتح و خاتم ﷺ نے۔۔۔مَن کنتُ مولاہُ فھٰذا علیؓ مولاہُ (جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علی مولا ہے)۔۔۔اور۔۔۔علیؓ ولیّکم مِن بَعدِی (میرے بعد تمہارا ولی علی ہے)۔۔۔ کے اعلانِ عام کے ذریعے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُمت میں ولایت کا فاتحِ اوّل قرار دے دیا۔

حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ!"نسائی اور مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں اور میرے بعد وہ ہر مؤمن کا ولی ہے۔ تمام سلاسل صوفیائے کرام اور محققین علمائے عظام کا اتفاق ہے کہ یہاں ولایت سے مراد ولایت باطنیہ ہے جس کا بلا فصل یعنی مسلسل ہونا لازمی امر ہے۔ بعض حضرات ان احادیث کو ضعیف شمار کرتے ہیں مگر وہ غلطی پر ہیں

کیونکہ ثقہ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔اسی طرح وہ صاحبان بھی غلطی پر ہیں جو ان کو خلافت ظاہرہ کے تسلسل اور بلا فصل ہونے کی دلیل تصور کرتے ہیں۔"

(مہر منیر،از پیر مہر علی شاہ صاحب، صفحہ نمبر:۲۲)

بابِ وِلایت میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"و فاتحِ اوّل ازین اُمت مرحومہ حضرت علی مرتضی است کرم اللہ تعالیٰ وجہہ"۔ (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،التفہیمات الالٰہیہ،۱:۱۰۳)

"اس اُمتِ مرحومہ میں (فاتح اَوّل) ولایت کا دروازہ سب سے پہلے کھولنے والے فرد حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ ہیں۔"

پھر فرماتے ہیں کہ!"وسرِ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ در اولادِ کرام ایشان رضی اللہ عنہم سرایت کرد۔" (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،التفہیمات الالٰہیہ،۱:۱۰۳)

حضرت امیر رضی اللہ عنہ کارازِ ولایت آپ کی اولاد کرام رضی اللہ عنہم میں سرایت کر گیا"

مزید لکھتے ہیں کہ!"چنانکہ کسی از اولیاء اُمّت نیست الا بخاندانِ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مرتبط است بوجہی ازوجوہ۔" (شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،التفہیمات الالٰہیہ،۱:۱۰۴)

"چنانچہ اَولیائے اُمت میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہے جو کسی نہ کسی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خاندانِ اِمامت سے (اکتسابِ ولایت کے لئے) وابستہ نہ ہو"

اسی طرح اپنے رسالہ ہمات میں لکھتے ہیں کہ!"واز اُمتِ آنحضرت ﷺ اوّل کسیکہ فاتحِ بابِ جذب شدہ است، و دراں جا قدم نہادہ است حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ وجہہ، ولہٰذا اسلاسلِ طُرُق بداں جانب راجع میشوند۔"

(شاہ ولی اللہ محدث دہلوی،ہمعات:۶۰،۶۲)

حضور ﷺ کی اُمت میں پہلا فرد جو ولایت کے (سب سے اعلیٰ واقویٰ طریق) بابِ جذب کا فاتح بنا اور جس نے اِس مقامِ بلند پر (پہلا) قدم رکھا وہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی ہے، اِسی وجہ سے روحانیت و ولایت کے مختلف طریقوں

کے سلاسِل آپ ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مگر ان سلسلوں کا تعلق باعتبار روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا اور نہ یہ معلوم ہو سکا کہ آخر حسن بصری کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کون سا خصوصی علاقہ تھا۔ جو آپ کا دوسروں کے ساتھ نہ تھا۔ لیکن اس کے باوجود تمام کے تمام صوفیاء کا نسلاً بعد نسل اس بات پر اتفاق چلا آتا ہے کہ طریقت کے سارے سلسلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف راجع ہیں۔ ظاہر ہے ان بزرگوں کا یہ اتفاق بغیر کسی وجہ کے نہیں ہو سکتا۔ فقیر کے نزدیک چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس اُمّت کے پہلے مجذوب ہیں اس لئے طریقت کے تمام سلسلے آپ کی طرف منسوب ہیں حضرت علی کے بعد اولیائے کرام اور اصحاب طرق کا سلسلہ چلتا ہے ان میں سب سے زیادہ قوی الاثر بزرگ جنہوں نے راہ جذب کو باحسن وجوہ طے کر کے نسبت اویسی کی اصل کی طرف رجوع کیا اور اس میں نہایت کامیابی سے قدم رکھا وہ شیخ عبد القادر جیلانی کی ذات گرامی ہے اسی بنا پر آپ کے متعلق کہا گیا ہے کہ موصوف اپنی قبر میں زندوں کی طرح تصرف کرتے ہیں۔"

واضح رہے کہ نسبتِ غوث الاعظم جیلانی رضی اللہ عنہ بھی نسبتِ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کا ایک باب اور اِسی شمع کی ایک کرن ہے۔

اہل علم کے درمیان ایک اختلاف رہا ہے کہ امام حسن بصری کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ جو درست نہیں ہے۔

- ❖ امام حسن بصری سن ۲۰ ہجری میں مدینہ پاک میں پیدا ہوئے۔ آپ کا پورا نام ابو سعید حسن یسار بن بصری ہے۔ آپ علم تصوف کے بانیوں میں سے ہیں۔ بیشتر سلاسل حضرت امام حسن بصری کے ذریعے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ تک ملتے ہیں۔
- ❖ سلسلہ قادریہ ابو سعید مخذومی سے شروع ہو کر حبیب عجمی اور امام حسن بصری کے ذریعے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ تک جاملتا ہے۔ یہ طریقہ قادریہ کی معروف سند اتصال ہے۔

- امام علی بن مدین سے لے کر وہ آئمہ جن میں امام ترمذی، امام نسائی اور امام بخاری جیسے بڑے آئمہ کرام سے سند حدیث لیتے تھے شاہ ولی اللہ تک اور ان کے بعد آج تک جتنے محدثین ہوئے وہ سب امام حسن بصری کی مولا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات کا انکار کرتے ہیں۔ دوسری طرف امام جلال الدین سیوطی وہ واحد فرد تھے جنہوں نے امام حسن بصری کی مولا علی رضی اللہ عنہ کی ملاقات کے لیے کچھ کام کیا لیکن وہ ادھورا تھا۔
- سلسلہ چشتیہ کے حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے شیخ کو عام کتب میں خواجہ عثمان ھارونی لکھا جاتا ہے لیکن درست حضرت خواجہ عثمان ھرونی ہے۔ ان سے خواجہ اجمیر کی بغداد میں ملاقات کا سلسلہ رہا ہے۔
- حضرت فضیل بن عیاض کے شیخ دو واسطوں سے مولا علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد ہیں۔
- سلسلہ سہر ورد کے بانی شیخ شہاب الدین عمر سہر وردی ہیں۔ آپ حضرت غوث بہاؤالدین زکریا ملتانی کے شیخ ہیں۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی بھی آپ کے شاگرد ہیں۔ حضرت سعد الدین، بہاؤالدین، شاہ رکن عالم اور مشائخ ان سے نیچے ہیں۔
- تصوف سارے دین کا مغز و نچوڑ ہے اور سارے اخلاق حسنہ کے پیکر صوفیاء کرام ہیں۔
- حضرت سفیان ثوری حدیث میں امیر المومنین تھے۔ یہ لقب حدیث میں ایسے ہے جیسے ولایت میں غوث کا ہے۔ وہ صوفی بھی تھے۔ اس طرح عبد اللہ بن مبارک امیر المومنین فی الحدیث تھے۔
- شاذلیہ، مرسیہ، المغربیہ، رہاعیہ یہ تمام سلاسل امام حسن بصری کے ذریعے مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک جا ملتے ہیں۔ صرف سلسلہ نقشبندیہ کا طریق

مختلف ہے وہ حضرت امام ابوالحسن خرقانی کا ہے جو بایزید بسطامی کے شیخ ہیں۔

❖ امام ابوالحسن خرقانی، حضرت بایزید بسطامی سے ۱۵۰ سال بعد پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنا فیض ان کی قبر سے لیا کیونکہ اولیاء کی قبروں سے بھی فیض جاری رہتا ہے۔

❖ حضرت بایزید بسطامی امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ہیں۔ طریقہ نقشبندیہ کے معروف طرائق امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہیں۔ یہ سلسلہ آگے امام محمد باقر علیہ السلام کے ذریعے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ گویا تمام سلاسل کے منبع وماویٰ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔

❖ تمام صحابہ کو حضور ﷺ نے خاص وصف سے نوازا۔ اس طرح مولا علی رضی اللہ عنہ کو ولایت کا سردار بنادیا۔

آقا علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں ہر مومن کے لئے اس کی جان سے زیادہ قریب نہیں ہوں؟ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہوں کیوں نہیں، آپ ہر مومن کی جان سے بھی قریب تر ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کا میں مولا اس کا علی مولا اور جو علی کو دشمن سمجھے وہ میرا دشمن ہے۔

❖ امام حسن بصری کی حضرت مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت نہ ہونے کے الزام کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے جس صحابی سے بھی روایت کیا تو اس کا نام روایت میں شامل کیا۔ ان میں حضرت انس بن مالک، جابر بن عبد اللہ انصاری، عمران بن حسین، مغیرہ بن شعبہ، نعمان بن بشیر، عبد اللہ بن عمرو بن العاص، امیر معاویہ، اسود بن سیریؔ اور دیگر محدث صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم شامل ہیں۔ لیکن آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لی ہوئی حدیث میں ان کا نام روایت میں شامل نہیں کیا۔ اس کی جگہ آپ نے مرسلا کہہ کر براہ راست ان احادیث کو حضور ﷺ سے جوڑ دیا۔ اس وجہ سے محدثین نے کہا کہ

حضرت امام حسن بصری کی مولی علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات شامل نہیں ہے۔

- ❖ ایک روایت کے مطابق ۷۰ بدری صحابہ کرام سے حضرت حسن بصری کی ملاقات ثابت ہے۔
- ❖ شاہ ولی محدث دہلوی اور خواجہ فخر جہاں کا مناظرہ ہوا تو شاہ ولی اللہ نے امام حسن بصری کی مولا علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہ ہونے کا کہا۔ خواجہ فخر جہاں نے اس کی مخالفت میں دلائل دیئے۔ دونوں کا مناظرہ تین دن تک جاری اور بے نتیجہ رہا۔ اس کے بعد خواجہ فخر جہاں نے کتاب ''فخر الحسن'' لکھی جس میں انہوں نے مولا علی رضی اللہ عنہ سے امام حسن بصری کی ملاقات پر دلائل دیئے۔

شاہ اسماعیل دہلوی اپنی کتاب صراط مستقیم میں لکھتے ہیں کہ:

''حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقاماتِ وِلایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات'' آپ کے زمانہ سے لیکر دُنیا کے ختم ہونے تک'' آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالمِ ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔ ۔۔۔اہلِ وِلایت کے اکثر سلسلے بھی جنابِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف منسوب ہیں، پس قیامت کے دن بہت فرمانبرداروں کی وجہ سے جن میں اکثر بڑی بڑی شانوں والے اور عمدہ مرتبے والے ہونگے، حضرتِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا لشکر اِس رونق اور بزرگی سے دکھائی دے گا کہ اس مقام کا تماشہ دیکھنے والوں کے لئے یہ امر نہایت ہی تعجب کا باعث ہو گا۔'' (شاہ اسماعیل دہلوی، صراطِ مستقیم:۶۷)

یہ فیضِ وِلایت کہ اُمتِ محمدی میں جس کے منبع و سرچشمہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے اس میں سیدۂ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہما بھی آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک کئے

گئے ہیں، اور پھر اُن کی وساطت سے یہ سلسلۂ وِلایتِ کبریٰ اور غوثیتِ عظمیٰ اُن بارہ اَئمۂ اہلِ بیت میں ترتیب سے چلایا گیا جن کے آخری فرد سیدنا امام محمد مہدی علیہ السلام ہیں۔ جس طرح سیدنا مولا علی رضی اللہ عنہ اُمتِ محمدی ﷺ میں فاتحِ ولایت کے درجہ پر فائز ہوئے، اُسی طرح سیدنا امام مہدی علیہ السلام اُمتِ محمدی ﷺ میں خاتمِ ولایت کے درجہ پر فائز ہونگے۔

اس موضوع پر حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں:

و راہی است کہ بقربِ ولایت تعلق دارد : اقطاب و اوتاد و بدلا و نجباء و عامۂ اولیاء اللہ، بہمین راہ واصل اندراہ سلوک عبارت ازین راہ است بلکہ جذبۂ متعارفہ، نیز داخل ہمین است و توسط و حیلولت درین راہ کائن است و پیشوای، و اصلان این راہ و سرگروہ اینہا و منبع فیض این بزرگواران : حضرت علی مرتضی است کرم اللہ تعالے وجہہ الکریم، و این منصب عظیم الشان بایشان تعلق دارد درینمقام گوئیا ہر دو قدم مبارک آنسرور علیہ و علی آلہ الصلوۃ و السلام برفرق مبارک اوست کرم اللہ تعالیٰ وجہہ حضرت فاطمہ و حضرات حسنین رضی اللہ عنہم درینمقام با ایشان شریکند، انکارم کہ حضرت امیر قبل از نشاء ہ عنصرے نیز ملاذ این مقام بودہ اند، چنانچہ بعد از نشاءہ عنصرے و ہر کرا فیض و ہدایت ازین راہ میر سیر بتوسط ایشان میر سیر چہ ایشان نزد نـ قطہ منتہائے این راہ و مرکز این مقام بایشان تعلق دارد، و چون دورہ حضرت امیر تمام شُد این منصب عظیم القدر بحضرات حسنین ترتیبا مفوض و مسلم گشت، و بعد از ایشان بہر یکے از ائمہ اثنا عشر علے الترتیب و التفصیل قرار گرفت و در اعصاراین بزرگواران و ہمچنیں بعد از ارتحال ایشان ہر کرا فیض و ہدایت میرسیر

بتوسط این بزرگواران بوده و بحیلولة ایشانان ہرچند اقطاب و نجبای وقت بوده باشند و ملاذ وملجاء ہمہ ایشان بوده اند چه اطراف را غیر از لحوق بمرکز چاره نیست۔ (امام ربانی مجدّد الف ثانی، مکتوبات،۳:۲۵۱، ۲۵۲، مکتوب نمبر:۱۲۳)

”اور ایک راہ وہ ہے جو قربِ وِلایت سے تعلق رکھتی ہے: اقطاب واوتاد اور بدلا اور نجباء اور عام اولیاء اللہ اِسی راہ سے واصل ہیں، اور راہِ سلوک اِسی راہ سے عبارت ہے، بلکہ متعارف جذبہ بھی اسی میں داخل ہے، اور اس راہ میں توسط ثابت ہے اور اس راہ کے واصلین کے پیشوا اور اُن کے سردار اور اُن کے بزرگوں کے منبعِ فیض حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہیں، اور یہ عظیم الشان منصب اُن سے تعلق رکھتا ہے۔ اس راہ میں گویا رسول اللہ ﷺ کے دونوں قدم مبارک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مبارک سر پر ہیں اور حضرت فاطمہ اور حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم اِس مقام میں اُن کے ساتھ شریک ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ اپنی جسدی پیدائش سے پہلے بھی اس مقام کے ملجا وماویٰ تھے، جیسا کہ آپ رضی اللہ عنہ جسدی پیدائش کے بعد ہیں اور جسے بھی فیض وہدایت اس راہ سے پہنچی ان کے ذریعے سے پہنچی، کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نقطہ کے نزدیک ہیں اور اس مقام کا مرکز ان سے تعلق رکھتا ہے، اور جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا دور ختم ہوا تو یہ عظیم القدر منصب ترتیب وار حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو سپرد ہوا اور ان کے بعد وہی منصب ائمہ اثنا عشرہ میں سے ہر ایک کو ترتیب وار اور تفصیل سے تفویض ہوا، اور ان بزرگوں کے زمانہ میں اور اِسی طرح ان کے انتقال کے بعد جس کسی کو بھی فیض اور ہدایت پہنچی ہے انہی بزرگوں کے ذریعہ پہنچی ہے، اگرچہ اقطاب و نجبائے وقت ہی کیوں نہ ہوں اور سب کے ملجا وماویٰ یہی بزرگ ہیں کیونکہ اطراف کو اپنے مرکز کے ساتھ الحاق کئے بغیر چارہ نہیں ہے۔“

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام بھی کارِولایت میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شریک ہوں گے۔

(امام ربانی مجدّد الف ثانی، مکتوبات،۳:۲۵۱، ۲۵۲، مکتوب نمبر:۱۲۳)

سلاسل تصوف:-

علمائے مجتہدین نے اپنے خداداد علم وذہانت سے قرآن وسنت پر غوروخوض کر کے جو فقہی استنباط کئے وہ اجتہاد ہے۔ مجتہدین میں چار مشہور ہیں جن کے پیرو دنیامیں پھیلے ہوئے ہیں۔

۱۔امام اعظم ابوحنیفہؒ،۲۔امام احمد بن حنبلؒ،۳۔امام مالکؒ اور۴۔امام شافعیؒ

روحانی قوت سے روحانی تربیت کا کوئی طریقہ بتایا اور تربیت کی تو انہیں شیخ طریقت کہتے ہیں۔ مجتہدین تصوف بھی مجتہدین فقہ کی طرح بہت ہوئے مگر چار روحانی سلسلے مشہور اور رائج ہوئے۔

۱۔ قادریہ،۲۔چشتیہ ۳۔ سہروردیہ اور ۴۔ نقشبندیہ

چار فقہی مسالک اور چار رُوحانی سلسلوں کو ملا کر ظاہری وباطنی اصلاح (اجتہاد وارشاد) کا جو نظام بنتا ہے اُسے مسلک اہلسنت وجماعت کہتے ہیں۔ نبوت کا ظاہری اور عملی پہلو چار فقہی مسلکوں نے اور نبوّت کا روحانی اور باطنی پہلو چاروں روحانی سلسلوں نے سنبھال لیا اور اس طرح اُمّت مسلمہ علوم نبوت اور انوار نبوت کی وارث وامین ٹھہری۔

سلاسل تصوّف اور اُن کے عالی مقام مشائخ عظام کے طریق کار اور مقصد پر اگر غور کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ ان سب بزرگان کرام کا مقصد توحید رضائے باری تعالیٰ کا حصول اور تزکیہ نفوس انسانی ہے اور ہر سلسلہ میں اس کا مدار اتباع سنت نبوی علی صاحبہا الصلوۃ التحیۃ، کثرت ذکر الٰہی اور صحبت شیخ پر ہے۔ صوفیہ کرامؒ کے ہاں تعلیم وارشاد اور تزکیہ واصلاح باطن کا طریقہ القائی اور انعکاسی ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ (ال عمران آیت نمبر ۱۱۰) کے تحت قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ !"میں کہتا ہوں کہ گذشتہ اقوام سے زیادہ اس اُمّت کے مبلغین ومرشدین کی ہدایت میں اثر ہے کہ لوگوں کو کھینچ کر اللہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ قطب الارشاد اور شاہ ولایت تھے گذشتہ امتوں میں سے کوئی

بھی آپ کی روحانی وساطت کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکا پھر آپ کی اولاد میں سے ائمہ کرام اس منصب پر فائز ہوئے جن کا سلسلہ امام حسن عسکری اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تک مسلسل پہنچا اسی لیے حضرت شیخ جیلانی نے فرمایا: "و وقتی قبل قلبی قد صفالی" آپ اس منصب پر قیامت تک فائز رہیں گے اسی لیے آپ (رح) نے فرمایا تھا: "افلت شموس الاولین و شمسنا۔ ابدًا علی افق العلی لا تغرب" پہلے لوگوں کے سورج چھپ گئے اور ہمارا سورج ہمیشہ بلندی پر رہے گا کبھی غروب نہ ہو گا بعض لوگوں کے نزدیک للناس کا تعلق اخرجت سے ہے یعنی لوگوں کے لیے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔

فرمان باری تعالیٰ "اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ"
(سورہ ھود آیت نمبر ۱۷)

ترجمہ: بھلا جو لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے (روشن) دلیل رکھتے ہوں

اسی آیت کے تحت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں کہ!

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: قریش کے ہر آدمی کے متعلق کوئی نہ کوئی آیت ضرور نازل ہوئی ہے۔ کسی نے عرض کیا: آپ کے متعلق کیا نازل ہوا؟ فرمایا: (آیت) وَيَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ (میرے متعلق نازل ہوئی)۔

حضرت علیؓ کو شاہد کیوں کہا گیا؟ اس کی توجیہ شاید یہ ہو کہ سب سے پہلے آپ ہی ایمان لائے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی صداقت کی اوّل ترین شہادت دینے والے آپ ہی ہوئے۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ قوی وجہ آپ کو شاہد کہنے کی یہ ہے کہ آپ تمام کمالات ولایت کے مرکزی نکتہ تھے، قطب ولایت تھے، تمام اولیاء بلکہ تمام صحابہ بھی مقام ولایت میں آپ کے پیچھے اور تابع ہیں۔ خلفاء ثلاثہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ ضرور آپ سے افضل تھے مگر ان کی فضیلت کی وجہ دوسری ہے جس کی تشریح حضرت مجدد صاحب نے اپنے مکتوبات کے آخر میں کی ہے۔

اس صورت میں آیت کا تشریحی مطلب اس طرح ہو گا کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم

اللہ کی طرف سے ایک قطعی دلیل اور روشن حجت لے کر آئے ہیں جو آپ کی رسالت کو یقینی طور پر ثابت کر رہی ہے۔ یہ روشن دلیل کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کثیرہ جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید اور وہ علوم ہیں جو وحی کے ذریعے سے آپ کو حاصل ہوئے، پھر آپ کے پیچھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تابع حضرت علیؓ اور دوسرے اولیاء جو حضرت علیؓ سے مشابہت رکھنے والے ہیں، آئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے شاہد ہیں۔ اولیاء کی کرامتیں حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہیں اور اولیاء کے الہامی اور کشفی علوم بھی وہی علوم ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوئے تھے، پس اولیاء کی کرامات اور الہامی علوم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

ترمذی نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "انا دار الحکمۃ و علیٌّ بابہا" میں سچے علوم کا گھر ہوں اور علی اس گھر کا دروازہ ہیں۔ "وانا مدینۃ العلم و علیٌّ بابہا" اور میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہیں۔ فمن اراد العلم فلیات الباب پس جو علم کا خواستگار ہو، اس کو دروازہ پر آنا چاہئے (تاکہ علم کے شہر میں داخل ہو سکے) اس حدیث کو ابن عدی نے الکامل میں اور عقیلی نے الضعفاء میں اور طبرانی و حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، نیز ابن عدی اور حاکم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی بیان کیا ہے۔ اس حدیث میں حکمت و علم سے علوم اولیاء کی طرف اشارہ ہے 'فقہاء کے علوم کی طرف اشارہ نہیں ہے، علوم فقہیہ کا مدار تو صرف علی پر نہیں ہے۔ علم فقہ کے متعلق تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں، جن کی بھی پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو جاؤ گے۔ (تفسیر مظہری)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مقال (۳۸ تا ۴۵): یہی قاضی صاحب سیف المسلول میں مرتبہ قطبیت ارشاد کو یوں بیان کر کے کہ: فیوض و برکات کا رخانہ ولایت کہ از جناب الٰہی بر اولیاء اللہ نازل مے شود اول بر یک شخص نازل مے شود وازان

شخص قسمت شہر بہریک ازاولیائے عصر موافق مرتبہ وبحسب استعداد می رسد وبہ ہیچ کس از اولیاء اللہ بے توسط اوفیضی نمی رسد وکسے از مردانِ خدا بے وسیلہ اور درجہ ولایت نمی یابد اقطاب جزئی و اوتاد وابدال و نجباء ونقباء وجمیع اقسام ازاولیائے خدا بوے محتاج می باشند صاحب این منصب عالی راامام و قطب الارشاد بالاصالۃ نیز خوانند واین منصب عالی از وقت ظہور آدم علیہ السلام بروحِ پاک علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مقرر بود۔(سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص۵۲۷ تا۵۲۹)۔کارخانہ ولایت کے فیوض وبرکات جو خدا کی بارگاہ سے اولیاء اللہ پر نازل ہوتے ہیں پہلے ایک شخص پر اترتے ہیں اور اس شخص سے تقسیم ہو کر اولیائے وقت میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ واستعداد کے مطابق پہنچتے ہیں اور کسی ولی کو بھی اس کی وساطت کے بغیر کوئی فیض نہیں پہنچتا۔اور اہل اللہ میں سے کوئی بھی اس کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت نہیں پاتا۔جزئی اقطاب اوتاد ابدال، نجبا، نقبا اور تمام اقسام کے اولیاء اللہ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اس منصب بلند والے کو امام اور قطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں اور یہ منصب عالی ظہور آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کے لیے مقرر تھا۔(ت)

پھر ائمہ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو بترتیب اس منصب عظیم کا عطا ہونا لکھ کر کہتے ہیں: بعد وفات عسکری علیہ السلام تاوقت ظہور سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر الجیلی این منصب بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بود۔(سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص۵۲۷ تا۵۲۹)۔حضرت عسکری کی وفات کے بعد سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی کے زمانہ ظہور تک یہ منصب حضرت حسن عسکری کی روح سے متعلق رہے گا۔(ت)

پھر کہا: چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد این منصب مبارک

بوے متعلق شروتا ظہور محمد مہدی این منصب بروح مبارک غوث الثقلین متعلق باشد۔(سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص۵۲۷ تا ۵۲۹)۔ جب حضرت غوث الثقلین پیدا ہوئے یہ منصب مبارک ان سے متعلق ہوا اور امام محمد مہدی کے ظہور تک یہ منصب حضرت غوث الثقلین کی روح سے متعلق رہے گا۔ (ت)

اصل ان سب اقوال ثلٰثہ کی جناب شیخ مجدد الف ثانی سے ہے، جیسا کہ جلد سوم مکتوب نمبر ۱۲۳ صفحہ ۱۲۳ میں مفصلاً مذکور، ان کے کلام میں اس قدر امر اور زائد ہے کہ: بعد از ایشان (یعنی حضرت مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الاسنی) بہر یکے از ائمہ اثنا عشر علے الترتیب والتفصیل قرار گرفت ودر اعصار ایں بزرگواران و ہمچنیں بعد از ارتحال ایشاں ہر کس را فیض وہدایت می رسد بتوسط این بزرگوار ان بودہ ملاذ ملجائے ہمہ ایشاں بودہ اند تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رسید قدس سرہ، ط الخ اھ ملخصاً (سیف المسلول مترجم اردو فاروقی کتب خانہ ملتان ص۵۶۹)۔ حضرت مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے لیے ترتیب وتفصیل کے ساتھ قرار پذیر ہوا۔ ان بزگوں کے زمانے میں اسی طرح ان کی رحلت کے بعد جسے بھی فیض وہدایت پہنچتی انہی بزرگوں کے توسط سے تھی اور سب کا ملجا یہی حضرات تھے یہاں تک کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ، تک نوبت پہنچی الخ (ت)۔ (فتاوی رضویہ جلد۹ صفحہ نمبر ۸۱۰ تا ۸۱۲)

حضرت امامِ ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات شریف فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والے راستوں میں سے ایک راستہ قربِ ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ اس کے پیشوا سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جسمانی پیدائش سے پہلے اس مقام کے ملجاء وماویٰ تھے۔ جیسا کہ آپ جسمانی پیدائش کے بعد ہیں۔ ۔۔اور جس کو بھی فیض وہدایت پہنچی اس راہ سے پہنچی اور ان ہی کے ذریعے سے پہنچی کیونکہ وہ اس راہ کے آخری نکتہ کے قریب ہیں۔ (مکتوب ۱۲۳، دفتر سوم، حصہ دوم صفحہ ۱۴۲۵)

ہو چشتی قادری یا نقشبندی سہروردی ہو
ملا سب کو ولایت کا انہی کے ہاتھ سے ٹکڑا

-: حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کا یقین کامل :-

آپ جناب نے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا کا واقعہ بیان کیا کہ دو بزرگ حضرت سیدتنا رابعہ بصریہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہا کے یہاں مُلاقات کے لئے حاضر ہوئے اور باہم گفتگو کرنے لگے کہ اگر رابعہ اس وقت کھانا پیش کر دیں تو بہت اچھا ہو کیونکہ ان کے یہاں رزقِ حلال میسر آجائے گا۔ اس وقت آپ کے گھر میں صرف ۲ ہی روٹیاں تھیں، آپ نے وہ روٹیاں ان دونوں کے سامنے رکھ دیں، اتنے میں کسی سائل نے دروازے پر صدا بلند کی تو آپ نے وہ دونوں روٹیاں اٹھا کر اسے دے دیں، یہ دیکھ کر وہ دونوں افراد حیرت زدہ رہ گئے۔ کچھ ہی دیر کے بعد ایک کنیز بہت سی گرم روٹیاں لئے حاضرِ خدمت ہوئی اور عرض کی کہ یہ میری مالکہ نے بھجوائی ہیں۔

حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ بصریہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہا نے جب گنتی کی تو وہ اٹھارہ (۱۸) روٹیاں تھیں، یہ دیکھ کر آپ نے کنیز سے فرمایا: شاید تمہیں غلط فہمی ہو گئی ہے، یہ روٹیاں میرے یہاں نہیں بلکہ کسی اور کے ہاں بھیجی گئی ہیں۔ کنیز نے یقین کے ساتھ عرض کی کہ یہ آپ ہی کے لئے بھجوائی گئی ہیں، مگر آپ نے کنیز کے مسلسل اِصرار کے باوجود روٹیاں واپس لوٹا دیں۔ کنیز نے جب واپس جا کر اپنی مالکہ سے یہ ماجرا بیان کیا تو اس نے حکم دیا کہ اس میں مزید دو (۲) روٹیوں کا اِضافہ کر کے لے جاؤ، کنیز جب بیس (۲۰) روٹیاں لے کر حاضر ہوئی اور حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ بصریہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہا نے گنتی فرمالی تو پھر ان کے ذریعے مہمانوں کی خاطر مدارت فرمائی۔ کھانے سے فراغت کے بعد جب ان دونوں نے ماجرا دریافت کیا تو حضرت سَیِّدَتُنا رابعہ بصریہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی علیہا نے ارشاد فرمایا: جب آپ حضرات تشریف لائے تو مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ بھوک کا شکار ہیں چنانچہ جو کچھ گھر میں حاضر تھا، وہ میں نے پیش کر دیا، اتنے میں سائل نے صدا لگائی تو میں نے وہ دونوں

روٹیاں اسے دے کر بارگاہِ خداوندی میں عرض کی: اے اللہ کریم! تیرا وعدہ ایک کے بدلے دس (۱۰) دینے کا ہے اور مجھے تیرے وعدے پر مکمل یقین ہے۔ جب وہ کنیز اٹھارہ (۱۸) روٹیاں لائی تو میں نے سمجھ لیا کہ اس معاملے میں ضرور کوئی غلطی ہوئی ہے، اس لئے میں نے انہیں واپس کر دیا، پھر جب وہ بیس (۲۰) روٹیاں لیکر آئی تو میں نے وعدے کی تکمیل سمجھ کر انہیں قبول کر لیا۔

(اسی واقعہ کو شیخ فرید الدین عطّار نیشاپوری نے اپنی کتاب ''تذکرۃ الاولیاء''، ذکر رابعہ بصریہ میں بیان کیا ہے) (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۷)

توضیح ملفوظ:-

قرآن مجید میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝۱۶۰ (سورہ الانعام:۱۶۰)

ترجمہ: جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں اور جو بُرائی لائے تو اسے بدلہ نہ ملے گا مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

یعنی ایک نیکی کرنے والے کو دس نیکیوں کی جزا اور یہ کوئی انتہائی مقدار نہیں بلکہ یہ تو فضل الٰہی کی ابتدا ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کے لئے جتنا چاہے اس کی نیکیوں کو بڑھائے ایک کے سات سو کرے یا بے حساب عطا فرمائے۔

حضرت علامہ عبد الرحمٰن بن شہاب الدین بغدادی رَحْمَۃُ اللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ''نیکی کا دس گنا اضافہ تمام نیکیوں کے لئے لازم ہے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ عالیشان ہے ''مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا'' جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں۔'' (جامع العلوم والحکم، الحدیث السابع والثلاثون، ص ۴۳۶)

حضرت رابعہ بصری کا اسی آیت پر یقین کامل تھا۔

☜ انعام یافتہ لوگوں کے قول و فعل پر عمل پیرا ہونا:-

آپ نے فرمایا کہ ہر نماز میں ہم کہتے ہیں "اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ" اور جن لوگوں پر اللہ کا انعام ہوا۔ اس کی وضاحت بھی قرآن کرتا ہے کہ (انعام یافتہ لوگوں میں) انبیاء، صدیقین، شہداء، اولیاء صالحین ہی آتے ہیں۔ لیکن ہم ان (انعام یافتہ لوگوں) کے قول اور فعل پر عمل نہیں کرتے۔ پھر نماز کا کیا فائدہ؟۔ (ملفوظات صوبیدار عبد الرشید مطبوعہ صفحہ نمبر ۳۵)

توضیح ملفوظ:-

قرآن کریم میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا! "صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ"
"لوگوں کے رستے جن پر تو اپنا فضل و کرم کرتا رہا"

ان الفاظ سے راہ حق کی ایسی نشاندہی فرمادی تاکہ تعصب اور ضد سے بلند ہو کر جو اس کا متلاشی ہو وہ اسے پہچان سکے۔ فرمایا جن لوگوں پر میں نے انعام و اکرام فرمایا ہے جس راستہ پر وہ چل رہے ہیں وہی سیدھا راستہ ہے۔ اور ان لوگوں کے متعلق بھی تصریح فرمادی من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین کہ میرا انعام نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور نیک بندوں پر ہے۔ اب خود سوچ لو کہ کس راہ پر ان نفوس قدسیہ کے نقوش پاہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی و حضرت علی المرتضیٰ، صحابہ کرام، اہل بیت عظام رضوان اللہ علیہم اجمعین کس جماعت کے پیشوا ہیں۔ اور اولیاء کرام کا سلسلہ اس وقت سے لے کر آج تک کس جماعت سے ظاہر ہو رہا ہے۔

سیدھا راستہ وہ ہے جس میں موڑ نہ ہوں، اور مراد اس سے دین کا وہ راستہ ہے جس میں افراط اور تفریط نہ ہو افراط کے معنی حد سے آگے بڑھنا اور تفریط کے معنی کوتاہی کرنا پھر اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے، صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ یعنی راستہ ان لوگوں کا جن پر آپ نے انعام فرمایا" اور وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا ان کی تفصیل ایک دوسری آیت میں اس طرح آئی ہے اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ

وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ أُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ یعنی وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوا یعنی انبیاء، اور صدیقین اور شہداء اور صالحین، مقبولان بارگاہ الٰہی کے یہ چار درجات ہیں جن میں سب سے اعلیٰ انبیاء (علیہم السلام) ہیں اور صدیقین وہ لوگ ہیں جو انبیاء کی اُمّت میں سب سے زیادہ رتبے کے ہوتے ہیں جن میں کمالات باطنی بھی ہوتے ہیں عرف میں ان کو اولیاء کہا جاتا ہے، شہداء وہ ہیں جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دے دی اور صلحاء وہ ہیں جو شریعت کے پورے متبع ہوتے ہیں واجبات میں بھی مستحبات میں بھی جن کو عرف میں نیک دیندار کہا جاتا ہے۔

صراط مستقیم کتاب اللہ اور رجال اللہ دونوں کے مجموعہ سے ملتا ہے یہاں ایک بات قابل غور ہے اور اس میں غور کرنے سے ایک بڑے علم کا دروازہ کھلتا ہے وہ یہ کہ صراط مستقیم کی تعیین کے لئے بظاہر صاف بات یہ تھی کہ صراط الرسول یا صراط القرآن فرمادیا جاتا جو مختصر بھی تھا اور واضح بھی کیونکہ پورا قرآن درحقیقت صراط مستقیم کی تشریح ہے اور پوری تعلیمات رسول اسی کی تفصیل لیکن قرآن کی اس مختصر سورۃ میں اختصار اور وضاحت کے اس پہلو کو چھوڑ کر صراط مستقیم کی تعیین کے لئے اللہ تعالیٰ نے مستقل دو آیتوں میں ایجابی اور سلبی پہلوؤں سے صراط مستقیم اس طرح متعین فرمایا کہ اگر سیدھا راستہ چاہتے ہو تو ان لوگوں کو تلاش کرو اور ان کے طریق کو اختیار کرو، قرآن کریم نے اس جگہ نہ یہ فرمایا کہ قرآن کا راستہ اختیار کرو کیونکہ محض کتاب انسانی تربیت کے لئے کافی نہیں اور نہ یہ فرمایا کہ رسول کا راستہ اختیار کرو کیونکہ رسول کریم ﷺ کی بقاء اس دنیا میں دائمی نہیں اور آپ کے بعد کوئی دوسرا رسول اور نبی نہیں اس لئے صراط مستقیم جن لوگوں کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے ان میں نبیّن کے علاوہ ایسے حضرات بھی شامل کر دیئے گئے جو تاقیامت ہمیشہ موجود رہیں گے مثلاً صدیقین، شہداء، اور صالحین،

خلاصہ یہ ہے کہ سیدھا راستہ معلوم کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے کچھ رجال اور انسانوں کا پتہ دیا، کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا، ایک حدیث میں ہے کہ جب رسول کریم

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے صحابہ کرام کو خبر دی کہ پچھلی امتوں کی طرح میری اُمّت بھی ستر فرقوں میں بٹ جائے گی اور صرف ایک جماعت ان میں حق پر ہوگی تو صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ وہ کونسی جماعت ہے؟ اس پر آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے جو جواب دیا ہے اس میں بھی کچھ رجال اللہ ہی کا پتہ دیا گیا ہے فرمایا **ما انا علیہ و اصحابی**، یعنی حق پر وہ جماعت ہوگی جو میرے اور میرے صحابہ کے طرز پر ہو،

اس خاص طرز میں شاید اس کی طرف اشارہ ہو انسان کی تعلیم و تربیت محض کتابوں اور روایتوں سے نہیں ہو سکتی بلکہ رجال ماہرین کی صحبت اور ان سے سیکھ کر حاصل ہوتی ہے یعنی در حقیقت انسان کا معلم اور مربی انسان ہی ہو سکتا ہے بقول اکبر مرحوم۔

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی، آدمی بناتے ہیں

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ دنیا کے تمام کاروبار میں مشاہد ہے کہ محض کتابی تعلیم سے نہ کوئی کپڑا سینا سیکھ سکتا ہے نہ کھانا پکانا، نہ ڈاکٹری کی کتاب پڑھ کر کوئی ڈاکٹر بن سکتا ہے نہ انجینئری کی کتابوں کے محض مطالعے سے کوئی انجینیر بنتا ہے اسی طرح قرآن و حدیث کا محض مطالعہ انسان کی تعلیم اور اخلاقی تربیت کے لئے ہرگز کافی نہیں ہو سکتا، جب تک اس کو کسی محقق ماہر سے باقاعدہ حاصل نہ کیا جائے قرآن و حدیث کے معاملے میں بہت سے لکھے پڑھے آدمی اس مغالطے میں مبتلا ہیں کہ محض ترجمے یا تفسیر دیکھ کر وہ قرآن کے ماہر ہو سکتے ہیں یہ بالکل فطرت کے خلاف تصور ہے اگر محض کتاب کافی ہوتی تو رسولوں کے بھیجنے کی ضرورت نہ تھی کتاب کے ساتھ رسول کو معلم بنا کر بھیجنا اور صراط مستقیم کو متعین کرنے کے لئے اپنے مقبول بندوں کی فہرست دینا اس کی دلیل ہے کہ محض کتاب کا مطالعہ تعلیم و تربیت کے لئے کافی نہیں بلکہ کسی ماہر سے سیکھنے کی ضرورت ہے،

معلوم ہوا کہ انسان کی صلاح و فلاح کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک کتاب اللہ جس میں انسانی زندگی کے ہر شعبے سے متعلقہ احکام موجود ہیں، دوسرے رجال اللہ یعنی اللہ والے، ان سے استفادے کی صورت یہ ہے کہ کتاب اللہ کے معروف اصول پر رجال

اللہ کو پرکھا جائے جو اس معیار پر نہ اتریں ان کو رجال اللہ ہی نہ سمجھا جائے اور جب رجال اللہ صحیح معنی میں حاصل ہو جائیں تو ان سے کتاب اللہ کا مفہوم سیکھنے اور عمل کرنے کا کام لیا جائے۔۔ حضور زبدۃ المشائخ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ ان انعام یافتہ لوگوں کے ہر قول و فعل پر عمل پیرا ہونے سے ہی ہمیں صراط مستقیم پر چلنا آسان ہو گا، ورنہ صراط مستقیم سے بھٹکنے کا قوی امکان ہے۔

واحد اور احد میں فرق:

(آپ رحمہ اللہ تعالیٰ) نے سورۃ اخلاص "قل هو الله احد" کی تشریح کی اور فرمایا کہ واحد تو اور بھی ہیں، واحد کے جزو ہیں لیکن احد کے جزو نہیں۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۰)

توضیح ملفوظ:-

عربی زبان میں واحد کا لفظ بالکل اسی طرح استعمال ہوتا ہے جس طرح ہم اردو میں ایک کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

بڑی سے بڑی کثرتوں پر مشتمل کسی مجموعہ کو بھی اس کی مجموعی حیثیت کے لحاظ سے واحد یا ایک کہا جاتا ہے، جیسے ایک آدمی، ایک قوم، ایک ملک، ایک دنیا، حتیٰ کہ ایک کائنات، اور کسی مجموعہ کے ہر جز کو الگ الگ بھی ایک ہی کہا جاتا ہے۔

یعنی کسی قوم کا ایک آدمی یا کائنات کا ایک سیارہ۔ لیکن اَحَد کا لفظ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لیے استعمال نہیں کیا جاتا۔ "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ①" میں لفظ احد جس طرح استعمال کیا گیا ہے وہ عربی زبان میں اس لفظ کا غیر معمولی استعمال ہے۔ عام طور پر یہ لفظ یا تو مضاف یا مضاف الیہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

جیسے **یوم الاحد**، ہفتے کا پہلا دن، اور **فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ** اپنے کسی آدمی کو بھیجو یا نفی عام کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے **ما جاءنی احد**۔ میرے پاس کوئی نہیں آیا۔ یا عمومیت کا پہلو لیے ہوئے سوالیہ فقرے میں بولا جاتا ہے۔ جیسے **هل**

عندك احد؟ کیا تمہارے پاس کوئی ہے؟ یا اسی عمومیت کے پہلو سے شرطیہ جملہ میں بولا جاتا ہے۔ جیسے ان جاءك احد، اگر تمہارے پاس کوئی آئے۔

یا پھر گنتی میں بولا جاتا ہے۔ جیسے احد، اثنان، احد عشر، ایک، دو گیارہ۔

ان استعمالات کے سوا نزول قرآن سے پہلے کی عربی زبان میں اس امر کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ محض احد وصف کے طور پر کسی شخص یا چیز کے لیے بولا گیا ہو، اور نزول قرآن کے بعد یہ لفظ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے استعمال کیا گیا ہے، دوسرے کسی کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا گیا۔

اسی لیے قرآن مجید میں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے لیے واحد کا لفظ استعمال ہوا ہے وہاں الہ واحد، ایک ہی معبود، یا اللہ الواحد القھار، اکیلا اللہ جو سب کو مغلوب کر کے رکھنے والا ہے، کہا گیا ہے۔ محض واحد نہیں کہا گیا، کیونکہ یہ لفظ ان چیزوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو اپنی ذات میں طرح طرح کی کثرتیں رکھتی ہیں،

اللہ کے لیے اور صرف اللہ ہی کے لیے احد کا لفظ مطلقاً استعمال کیا گیا ہے،

اس غیر معمولی طرز بیان سے خود بخود یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یکتا و یگانہ ہونا اللہ کی خاص صفت ہے، موجودات میں سے کوئی دوسرا اس صفت سے متصف نہیں ہے، وہ ایک ہے، کوئی اس کا ثانی نہیں کیونکہ وجود میں صرف وہی ایک ہستی ایسی ہے جس میں کسی حیثیت سے بھی کوئی کثرت نہیں ہے اور جس کی وحدانیت ہر لحاظ سے کامل ہے۔

❖ "واحد"، "اثنان" سے پہلے اعداد کی گنتی کا نقطہ آغاز ہے جبکہ "احد" گنتی کا نقطہ آغاز واقع نہیں ہوتا؛ اس بنا پر "احد" اور "اثنان" کی ترتیب درست نہیں ہے۔
(تاج العروس، ج۹، ص ۲۶۴، مجمع البیان، ج۱۰، ص ۸۶۰۔ روح المعانی، مج ۱۶، ج ۳۰، ص ۴۸۷)

❖ "أحد" کا اطلاق ایسی چیز پر ہوتا ہے جو خارجی یا ذہنی طور پر قابل کثرت نہ ہو جبکہ "واحد" خارج یا ذہن میں قابل کثرت ہوتا ہے۔

❖ واحد اکثر و بیشتر اثبات کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے رأیت رجلا واحدا

جبکہ "احد" زیادہ تر سلب اور نفی کیلئے استعمال ہوتا ہے۔
(تاج العروس، ج۹، ص ۲۶۴، کشف الاسرار، ج۱۰، ص ۶۶۲۔ التفسیر الکبیر، ج۳۲، ص۱۷۹۔)

❖ "احد" عموم کی نفی کرتا ہے جبکہ واحد صرف ایک فرد کی نفی کرتا ہے؛ مثال کے طور پر جب کہا جاتا ہے: لایقاومه أحد تو مقصود یہ ہے کہ کوئی بھی اس کے مقابلے میں مزاحمت نہیں کر سکتا؛ مگر جب لایقاومه واحد کی تعبیر استعمال کی جائے تو مقصود یہ ہے کہ ایک فرد اس کے مقابلے میں مزاحمت نہیں کر سکتا؛ مگر دو یا زیادہ افراد مزاحمت کر سکتے ہیں۔
(مفردات، ص۶۷، التفسیر الکبیر، ج۳۲، ص۱۷۸۔)

❖ "احد" "واحد" سے عام ہے؛ اس معنی میں کہ جب بھی "احد" ہو گا تو "واحد" اس کے ضمن میں ہو گا۔ (التفسیر الکبیر، ج۳۲، ص۱۷۸۔)

❖ "واحد" ہر چیز کیلئے وصف ہو سکتا ہے جیسے رجل واحد، ثوب واحد؛ "احد" کے بر خلاف کہ جملہ اثبات میں یہ صرف اللہ کا وصف واقع ہوتا ہے اور منفی جملے میں حق تعالیٰ کے علاوہ غیر کی صفت بھی واقع ہو سکتا ہے؛ جیسے ما رأیت احدا۔ (مفردات، ص۶۷، تاج العروس، ج۹، ص۲۶۹۔ "وحد")۔

اس بنا پر "احد" اور "واحد" رحمٰن و رحیم کی طرح ہیں کہ رحمان خدا کی خاص صفت ہے مگر رحیم غیر خدا کی صفت بھی واقع ہو سکتا ہے۔ بعض علماء "احد" پر الف لام داخل کرنے کی صورت میں اسے خدا کی مخصوص صفت قرار دیتے ہیں۔ (التفسیر الکبیر، ج۳۲، ص۱۷۸۔) مگر فخر رازی نے یہ احتمال دیا ہے کہ چونکہ احد کو صرف خدا کیلئے وصف لایا جاتا ہے تو اس لیے اس سے الف لام تعریف کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ حق تعالیٰ سے مخصوص ہو چکا ہے۔ (مفردات، ص۶۷)

احد و واحد کا مترادف ہونا:

کچھ لوگوں نے ان دونوں کو مترادف قرار دیا ہے اور ایک معنی میں لیا ہے حتیٰ "واحد" کو "احد" کی اصل قرار دیا ہے اور کہا ہے: "واؤ" کے "ہمزہ" میں قلب کے بعد دو

ہمزہ کا عربی زبان میں اجتماع ثقیل ہے تو ان میں سے ایک ہمزہ تخفیف کی خاطر حذف کر دی گئی ہے۔(روح المعانی، ج۱۶، ج۳۰، ص۴۸۷۔) یہ رائے درست نہیں ہے چونکہ اس صورت میں ان دونوں کی جمع آحاد ہونی چاہیے تھی حالانکہ "آحاد" فقط واحد کی جمع ہے؛ جیسے اشھاد وشاھد، "احد" کی کوئی جمع نہیں ہے؛ جیسا کہ ازہری نے کہا ہے: احمد بن یحییٰ سے آحاد کے بارے میں پوچھا گیا کہ آیا "احد" کی کوئی جمع بھی ہے؟! تو انہوں نے جواب میں کہا: اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ "احد" کی کوئی جمع ہو۔ (تاج العروس، ج۹، ص۲۶۴۔)

مترادف ہونے کی وجہ:

بعض نے کہا ہے: ان دو کلمات کے مترادف ہونے کی وجہ یہ ہے کہ "احد" اعداد کی گنتی میں واحد کی جگہ آسکتا ہے؛ تاہم اکثر علمانے اس بات کو غلط قرار دیا ہے۔

کلمہ احد کی قرآن میں تعداد اور اس کے معانی:

"احد" قرآن کریم کی ۳۱ سورتوں میں ۴۷ مرتبہ استعمال ہوا ہے کہ جن میں سے صرف ایک مورد میں اسم الٰہی کے عنوان سے آیا ہے۔

احد کا معنیٰ:

اس کے چند معانی بیان کیے گئے ہیں؛ جو درج ذیل ہیں:

- احد کا اطلاق ایسے موجود پر ہوتا ہے جو کسی طرح کی کثرت (ذہنی یا خارجی) خواہ عددی ہو یا مقداری ہو؛ کو قبول نہیں کرتا؛ اس لیے عرفا کی اصطلاح میں "احد" مقام غیب کا اسم ہے کہ جس میں کثرت اور لحاظِ کثرت کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور یہ مقام؛ اسم، رسم اور صفت کا حامل نہیں ہوتا، کسی طور اس کی خبر نہیں دی جاسکتی؛ اس اعتبار سے سورۃ توحید کی پہلی آیت ذاتِ الٰہی میں ہر نوع کے تجزیہ و ترکیب کی طرف ناظر ہے؛ اور خداوند عالم ہر چیز جیسے جنس فصل، مادّہ وصورت، اعراض، اجزا، اعضا، اشکال، الوان اور ہر نوع کی ترکیب و کثرت جو ذات باری تعالیٰ کیلئے شائستہ نہیں ہے؛ سے منزہ ومبرّا ہے؛ جیسا کہ اس کے شان نزول میں

آیا ہے کہ مشرکین کا ایک گروہ، دو آدمی، یا یہود کا ایک گروہ نصارائے نجران کا وفد یا پانچ جماعتوں یعنی مادہ پرستوں، مشرکین، ثنویہ، یہود اور نصاریٰ کے رہنما پیغمبر اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ کے پاس آئے اور کہا: ہمارے سامنے خدا کی توصیف کیجئے اور ہمیں بتائیے کہ خدا کیا ہے اور کس جنس سے ہے؟ کیا سونے، چاندی، لوہے یا لکڑی کا ہے؟ اور کیا کھاتا پیتا ہے؟! خدا تعالیٰ نے ان کے جواب میں سورۃ توحید کو ستر ہزار فرشتوں کے ہمراہ پیغمبر صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ پر نازل فرمایا اور ہر قسم کی ترکیب یا ترکیب پر منتہی ہونے والے احتمال جیسے جسمانیت؛ کو اپنی ذات سے سلب کیا۔

- "اَحد"، صفات سلبیہ کا جامع ہے کیونکہ احدیت کا معنی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات میں ہر ترکیب سے منزہ ہے؛ کیونکہ ہر مرکب اپنے اجزا کی طرف احتیاج رکھتا ہے اور مرکب کا ہر جزو مرکب کا غیر ہے؛ اس بنا پر ہر مرکب جو اپنے غیر کا نیاز مند ہو، وہ اپنی ذات میں ممکن ہوگا؛ لیکن چونکہ امکان حق تعالیٰ میں جاری نہیں ہو سکتا تو ترکیب بھی محال ہوگی؛ لہٰذا احدیت (بمعنی ترکیب ذاتی کی نفی) کے اثبات کے ساتھ صفات سلبیہ جیسے مکان رکھنا، حلول، تغییر وغیرہ کی بھی خداوند عالم سے نفی ہو جائے گی؛ اس جہت سے کہا جاتا ہے کہ "احد" صفات سلبیہ کا جامع ہے۔
- خداوند صفات ذات میں یگانہ ہے؛ اس معنی میں کہ وجود، علم، قدرت اور حیات فقط اس کیلئے واجب و ضروری ہیں اور غیر خدا کیلئے واجب و ضروری نہیں ہیں۔
- خدا تعالیٰ افعال میں یگانہ ہے؛ کیونکہ دوسرے اپنے کاموں کو منفعت کے حصول اور نقصان کے دفع کیلئے انجام دیتے ہیں؛ جبکہ خدائے متعال اپنے افعال کو مخلوقات کی بہتری کیلئے انجام دیتا ہے۔

☜ -:عاشق محبوب کے حکم پر سر جھکا دیتا ہے-:

حضور پیر و مرشد نے فرمایا کہ! ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ شیطان نے

حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا کہ خدا تعالیٰ کے عشق میں ایسا نہیں کیا، تو حضرت محبوب پاک شیخ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیطان کو عشق کی بو بھی نہیں لگی تھی۔ اگر وہ عاشق ہوتا تو محبوب کے امر پر فوراً سر جھکا دیتا، سوچتا نہیں۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۷)

معمولی نیکی بھی مغفرت کا سبب بن سکتی ہے:-

لالکائی نے "سنت" میں روایت کی کہ ابو قلابہ جرمی کا ایک بھتیجا تھا اور وہ گناہ کا عادی تھا۔ جب موت کا وقت آیا تو اس کے پاس دو پرندے سفید رنگ کے گدھ سے مشابہ آئے اور گھر کے روشندان میں بیٹھ گئے۔ ایک پرندے نے دوسرے سے کہا کہ اتر کر دیکھو تو (وہ اتر کر) اس نے اپنی چونچ مردے کے پیٹ میں داخل کر دی، حالانکہ ابو قلابہ دیکھ رہے تھے پھر اس نے (دوسرے سے جو اوپر بیٹھا ہوا تھا سے) کہا کہ "اللہ اکبر" اے میرے ساتھی نیچے اترو کیوں کہ میں نے اس کے پیٹ میں تکبیر (اللہ اکبر) پائی جو اس نے انطاکیہ کی دیوار پر کہی تھی۔ پرندے نے یہ سن کر سفید کپڑا نکالا اور اس کی روح کو اس میں لپیٹ لیا۔ پھر دونوں پرندوں نے کہا کہ اے ابو قلابہ! اپنے بھتیجے کو دفن کر دو، کیوں کہ یہ جنتی ہے۔ ابو قلابہ لوگوں میں بہت ہی معزز تھے۔ انھوں نے لوگوں سے تمام واقعہ بیان کیا۔ راوی نے کہا کہ پھر اس مخلص کے جنازے میں اس قدر زائد مجمع تھا کہ میں نے کسی کے جنازے میں اتنا نہ دیکھا۔
(شرح الصدور، از علامہ جلال الدین سیوطی، صفحہ نمبر ۱۳۳، ۱۳۴، مطبوعہ سبز واری پبلشرز کراچی)

(حضور زبدۃ المشائخ فرماتے ہیں کہ) اس نے جو تکبیر کا نعرہ لگایا تھا اس نعرہ کے بدلے اللہ تعالیٰ نے انہیں بخش دیا۔ (ملفوظات صوبیدار عبد الرشید مطبوعہ صفحہ نمبر ۳۷)۔

توضیح ملفوظ:-

اعمال کے مختلف درجات ہیں۔ ان کے اعتبار سے ان پر حاصل ہونے والے اجر و ثواب یا سزا و عذاب کے درجات بھی مختلف ہیں۔ کسی نیک عمل پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے تو کسی پر اس سے کم تر اجر و ثواب کا۔ اسی طرح کسی گناہ کے کام پر دردناک

عذاب کی خبر دی گئی ہے تو کسی پر اس سے کم تر عذاب کی۔ لیکن یہ بڑی نادانی کی بات ہو گی کہ کم تر اجر و ثواب والے عمل کو معمولی اور حقیر سمجھ کر اس پر توجہ نہ دی جائے اور معمولی گناہ کو ہلکا سمجھ کر اس سے بچنے کی کوشش نہ کی جائے۔ جو عمل بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شرفِ قبولیت حاصل کر لے، وہ انسان کو روزِ قیامت سرخ رو کر سکتا ہے، خواہ وہ عام لوگوں کی نظر میں کتنا ہی معمولی اور حقیر کیوں نہ ہو۔ اور جو عمل بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہو، وہ انسان کے لیے موجبِ ہلاکت ہو سکتا ہے خواہ وہ عام لوگوں کی نظر میں کتنا ہی معمولی اور ہلکا کیوں نہ ہو۔ احادیث میں اس پہلو پر بہت زور دیا گیا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے متعدد مواقع پر صحابہ کرامؓ کو بہ تاکید نصیحت فرمائی ہے کہ وہ کسی چھوٹے سے چھوٹے نیک عمل کو معمولی سمجھ کر نظر انداز نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا

(مسلم، حدیث نمبر ۶۶۹۰؛ ترمذی، حدیث نمبر ۱۸۳۷)

"اچھے کاموں میں سے کسی کام کو ہرگز معمولی نہ سمجھو۔"

آنحضرت ﷺ نے نہ صرف یہ کہ بطریق اجمال اس طرف توجہ دلائی بلکہ اپنے ارشادات میں ایسے متعدد کاموں کا تذکرہ کیا جنھیں عام طور سے بہت معمولی سمجھا جاتا ہے اور زور دے کر فرمایا کہ انھیں ہرگز معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ بڑے جلیل القدر اور قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا وَلَوْ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلِقٍ (مسلم، حدیث نمبر ۶۶۹۰) اچھے کاموں میں سے کسی کام کو ہرگز معمولی نہ سمجھو، خواہ یہ تمھارا اپنے بھائی سے خندہ روئی کے ساتھ ملنا ہو۔

کسی سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملنا بظاہر ایک بہت معمولی عمل ہے۔ بسا اوقات ہم میں سے کسی کی بھی توجہ اس طرف نہیں جاتی۔ لیکن عملی زندگی میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ اس کا احساس ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب ہم کسی سے گفتگو کرنا یا اس سے کچھ دریافت کرنا چاہیں اور وہ ہماری طرف التفات نہ کرے یا ترش روئی کے ساتھ جواب

دے۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر بات کرنے والا یا کچھ دریافت کرنے والا سماجی اعتبار سے کم مرتبے کا ہے تو جواب دینے والا اس کی طرف اس طرح متوجہ نہیں ہوتا جس طرح ہونا چاہیے اور اس کے چہرے پر وہ انبساط نہیں آتا جو مطلوب ہے۔ ایک مومن کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اپنے کسی بھائی سے اس حال میں ملے کہ اس کے چہرے پر تکبر اور رعونت کے آثار ہوں یا وہ بالکل انبساط و محبت اور اپنائیت کے احساسات سے عاری ہو۔

حضرت ابو جری جابر بن سُلیم الھجیمیؓ بصرہ کے رہنے والے تھے۔ ایک وفد کے ساتھ آں حضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم دیہات کے رہنے والے ہیں۔ ہمیں کچھ کارآمد باتوں کی نصیحت فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَيْئًا وَلَوْ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ الْمُسْتَسْقِيْ، وَلَوْ اَنْ تَكَلَّمَ اَخَاكَ وَوَجْهُكَ اِلَيْهِ مُنْبَسِطٌ

(مسند احمد، حدیث نمبر ۲۰۶۳۲)

اچھے کاموں میں سے کسی کام کو ہرگز معمولی نہ سمجھو، خواہ یہ تمھارے اپنے ڈول سے کسی پیاسے کے برتن میں پانی انڈیلنا ہو، یا تمھارا اپنے بھائی سے خندہ روئی کے ساتھ گفتگو کرنا ہو۔

دوسری روایت میں ابتدائی الفاظ یہ ہیں: لَا تَزْهَدَنَّ فِي الْمَعْرُوْفِ (یعنی کوئی نیک کام کرنے میں بخل سے کام نہ لو)۔

اسے معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دو۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے خندہ روئی سے ملنے کے علاوہ ایک دوسری مثال بھی دی ہے۔ کسی پیاسے کو پانی پلا دینا بظاہر بہت معمولی کام ہے۔ لیکن آپ ﷺ نے تاکید فرمائی کہ اسے بھی انجام دینا چاہیے اور اس پر اجر و ثواب کی امید رکھنی چاہیے۔ اسے ہرگز معمولی نہ سمجھنا چاہیے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کی ہمدردی میں اور محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی میں کیا جانے والا یہ معمولی عمل بھی انسان کو جنت کا مستحق بنا سکتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ آں حضرت ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک کتے کو شدید پیاسا دیکھ کر ایک عورت کو ترس آیا اور اس نے اسے پانی پلا دیا۔ وہ

عورت بدکار تھی۔ اللہ تعالیٰ نے (اس عمل کی وجہ سے) اس کی مغفرت کردی۔

(بخاری شریف، کتاب الانبیاء، حدیث نمبر ۳۴۶۷)

جب حیوانات کے ساتھ ہمدردی کرنے اور انھیں پانی پلانے کا یہ اجر ہے تو انسانوں کی پیاس بجھانے کا کتنا بڑا اجر ہو گا؟

دوسری روایت میں کسی قدر تفصیل ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے آں حضرت ﷺ سے اچھے کاموں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ شَيْئًا، وَلَوْ اَنْ تُعْطِيَ صِلَةَ الْحَبْلِ، وَلَوْ اَنْ تُعْطِيَ شِسْعَ النَّعْلِ، وَلَوْ اَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِيْ اِنَاءِ الْمُسْتَسْقِيْ، وَلَوْ اَنْ تُنَحِّيَ الشَّيْءَ مِنْ طَرِيْقِ النَّاسِ يُؤْذِيْهِمْ، وَلَوْ اَنْ تَلْقَى اَخَاكَ وَوَجْهُكَ اِلَيْهِ مُنْطَلِقٌ، وَلَوْ اَنْ تَلْقَى أَخَاكَ فَتُسَلِّمَ عَلَيْهِ، وَلَوْ اَنْ تُؤْنِسَ الْوَحْشَانَ فِي الْأَرْضِ

(سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ۴۰۸۴)

اچھے کاموں میں سے کسی کام کو معمولی نہ سمجھو خواہ یہ کام ہوں: کوئی چیز باندھنے کے لیے رسّی دینا، جوتے کا تسمہ دینا، اپنے برتن سے پانی کسی پیاسے کے برتن میں انڈیلنا، راستے سے لوگوں کو تکلیف پہنچانے والی کوئی چیز ہٹا دینا، اپنے بھائی سے خندہ روئی سے ملنا، ملاقات کے وقت اپنے بھائی کو سلام کرنا، بدکنے والے جانوروں کو مانوس کرنا۔

حدیثِ بالا میں جن کاموں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے وہ دیکھنے میں بہت معمولی ہیں۔ روزمرہ کی ضرورت کی چیز کسی کو دینا، کسی پیاسے کو پانی پلانا، کسی تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا، خوش روئی کے ساتھ کسی سے گفتگو کرنا اور اس طرح کے دیگر کام یوں تو بہت معمولی نوعیت کے ہیں۔ اتنے معمولی کہ بسا اوقات ان کی طرف ذہن بھی نہیں جاتا۔ لیکن سماجی اور اخلاقی حیثیت سے ان کی غیر معمولی اہمیت ہے۔ اس لیے انھیں نظر انداز کرنا اور خاطر میں نہ لانا درست رویہ نہیں ہے۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اچھے کاموں میں سے کسی کام کو حقیر اور معمولی سمجھ کر اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اسی طرح بُرے اور گناہ کے کاموں میں سے

بھی کسی کام کو معمولی سمجھ کر اس کے ارتکاب پر جری نہیں ہونا چاہیے۔ بُرا کام بُرا ہے خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ جس طرح قطرہ قطرہ مل کر دریا اور رائی کا ایک ایک دانہ جمع ہو کر پہاڑ بن جاتا ہے اسی طرح اگر انسان معمولی گناہوں سے شعوری طور پر بچنے کی کوشش نہ کرے تو معمولی معمولی بہت سے گناہ اکٹھا ہو کر اس کے لیے موجبِ ہلاکت بن جائیں گے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِيَّاكُمْ وَمُحَقَّرَاتِ الذُّنُوْبِ فَاِنَّهُنَّ يَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتّٰى يُهْلِكْنَهُ (مسند احمد، ۱/۴۰۳-۴۰۲) معمولی گناہوں سے بچو، اس لیے کہ وہ اکٹھا ہو کر انسان کے لیے موجب ہلاکت بن سکتے ہیں۔

اسی بات کو آں حضرت ﷺ نے ایک تمثیل کے ذریعے سمجھایا ہے کہ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کچھ لوگ ایک بیابان میں ٹھہرے۔ وہاں انھیں کھانا پکانے کے لیے ایندھن کی ضرورت پڑی۔ تمام لوگ منتشر ہو گئے اور ایک ایک آدمی ایک ایک لکڑی لے آیا۔ اس طرح انھوں نے ڈھیر سا ایندھن اکٹھا کر لیا اور اس کے ذریعے کھانا تیار کر لیا۔ اسی طرح کہنے کو تو ایک بہت معمولی سا گناہ ہوتا ہے لیکن ایک ایک کر کے انسان بہت سے گناہوں میں لت پت ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ہلاکت اور خسران اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ (مسند احمد، ۱/۴۰۲، ۴۰۳، ۵/۳۳۱)

اس لئے کامیاب انسان وہ ہے جو گناہوں کو صغیرہ اور کبیرہ کے خانوں میں تقسیم کر کے صغیرہ گناہوں کے معاملے میں ڈھیل نہ اختیار کرے بلکہ گناہ کے ہر کام سے بچنے کی کوشش کرے، چاہے وہ بڑے سے بڑا گناہ ہو یا چھوٹے سے چھوٹا۔ اور نیکی کے ہر کام کی طرف لپکے، چاہے وہ بڑے سے بڑا کام ہو یا معمولی سے معمولی کام۔

جس طرح کہ اوپر ملفوظ میں اس شخص نے اللہ اکبر کہا تھا اور اللہ پاک نے مغفرت فرمائی۔ بالیقین ”رحمتِ حق بہانہ می جوید۔“ (یعنی اللہ پاک کی رحمت ”بہا“ یعنی (قیمت) طلب نہیں کرتی بلکہ اللہ پاک کی رحمت تو بہانہ تلاش کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات میں اپنے آپ کو گم کر دینا:-

جمعتہ المبارک کے خطبہ میں آپ نے خواجہ غریب نواز کے سفر بغداد شریف سے اجمیر تک جو جو واقعات پیش آئے سر سری ذکر فرمایا اور یہ ثابت کیا کہ ہر چیز کی ابتداء عشق ہے اور جب طالب عشق میں اپنے آپ کو ختم کر دیتا ہے تو مقصود کو پالیتا ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ والے جب اللہ کی صفات میں اپنے (آپ) کو گم کر دیتے ہیں تو وہ مقصود حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کو پالیتے ہیں اور جب اللہ کو پالیتے ہیں تو ان کا اٹھنا بیٹھنا بولنا سب کچھ اللہ کا بن جاتا ہے۔ (ملفوظات صوبیدار عبد الرشید مطبوعہ صفحہ نمبر ۷)

توضیح ملفوظ:-

صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بندہ اپنی اوقات کے مطابق ان صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ اہل دانش کو معلوم ہے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی صفات اپنانا پسند کرتا ہے، اسی طرح محبوب بھی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا محب اس کی صفات کو اپنائے۔ یہ بات اپنے ربّ سے محبت کرنے والے بندے کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنی اوقات کے مطابق صفاتِ باری تعالیٰ سے متصف ہو۔ اللہ تعالیٰ کریم ہے، کرم کو پسند کرتا ہے، رحیم ہے، رحم کو پسند کرتا ہے، نرم ہے، نرمی کو پسند کرتا ہے۔ جب بندے کو یہ صفات معلوم ہوں گی تو وہ کرم، رحم اور نرمی کی صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرے گا۔ یہی معاملہ ان باقی صفات کا ہے، جن سے بندوں کا متصف ہونا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔

۲ بندہ جب اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی صفتِ محبت پر ایمان لاتا ہے اور اسے علم ہوتا ہے کہ اللہ رحیم اور ودود (محبت کرنے والا) ہے تو وہ اپنے ربّ سے مانوس ہو جاتا ہے اور ان کاموں سے اس کا تقرب حاصل کرتا ہے، جن سے اللہ کی محبت و مودّت زیادہ ہوتی ہے، جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ تَعَالٰی قَالَ: مَنْ عَادٰی لِی وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَیَّ عَبْدِی بِشَیْءٍ أَحَبَّ إِلَیَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَیْهِ، وَمَا یَزَالُ عَبْدِی یَتَقَرَّبُ إِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ: کُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِی یَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِی یُبْصِرُ بِهِ، وَیَدَهُ الَّتِی یَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِی یَمْشِی بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِی لَأُعْطِیَنَّهُ وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِی لَأُعِیذَنَّهُ۔ (بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب التواضع، ۵: ۲۳۸۴، رقم: ۶۱۳۷)

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: جو میرے کسی ولی کے ساتھ عداوت و دشمنی رکھے گا میں اُس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔ میرا بندہ میری کسی ایسی محبوب چیز کے ذریعے میرا قرب حاصل نہیں کر سکتا جو میں نے اس پر فرض کی ہیں، اور بندہ ہمیشہ نوافل (کی کثرت اور فراوانی) کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس کو محبوب بنالیتا ہوں۔ پس جب اس کو محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے۔ اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے۔ اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ساتھ چلتا ہے اور اگر وہ محبوب بندہ مجھ سے سوال کرے گا تو میں اسے ضرور بالضرور مطلوبہ چیز دوں گا اور اگر مجھ سے پناہ طلب کرے گا تو ضرور بالضرور اس کو پناہ اور تحفظ مہیا کروں گا۔"

امام ابنِ حجر عسقلانی اور دیگر ائمہِ حدیث سے مروی حدیثِ مبارکہ میں یہ کلمات بھی منقول ہوئے ہیں۔ وَلِسَانَهُ الَّذِی یَتَکَلَّمُ بِهِ۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۳۴۴، ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۵۹، أبو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۱۰: ۸۲، بیہقی، کتاب الزھد الکبیر، ۲: ۲۷۰، رقم: ۶۹۸)

"اور اس کی زبان بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ کلام کرتا ہے۔"

ابو یعلی اور دیگر ائمہ حدیث سے مروی حدیثِ مبارکہ میں یہ الفاظ بھی ہیں: وَفُؤَادَهُ الَّذِی یَعْقِلُ بِهِ۔ (أبو یعلی، المسند، ۱۲: ۵۲۰، رقم: ۷۰۸۷، طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۰۶، رقم: ۷۸۳۳، بیہقی، کتاب الزہد الکبیر، ۲: ۲۷۰، رقم: ۶۹۸)

"اور اس کا دل بن جاتا ہوں جس کے ساتھ وہ فہم و شعور حاصل کرتا ہے۔"

اور بعض روایات میں یہ کلمات بھی منقول ہیں: فَبِیَ یَسْمَعُ وَ بِیَ یُبْصِرُ وَ یَبْطِشُ وَبِیَ یَمْشِي۔ (ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۱۱: ۳۴۴)

''پس وہ میرے نور سے سنتا ہے، میرے نور سے دیکھتا اور پکڑتا ہے اور میرے نور سے ہی چلتا ہے۔''

اس حدیثِ قدسی سے یہ امر عیاں ہوا کہ نوافل و مستحبات کی کثرت سے بندہ مقامِ محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے۔ وہ اللہ کے انوار و تجلیات اور فیوض و برکات سے منور ہو جاتا ہے اور وہی انوار اس بندہ محبوب کے حواس اور اعضاء بن جاتے ہیں۔ اس لئے اس بندۂ محبوب کا دیکھنا، سننا، چلنا، پکڑنا، بولنا اور سوچنا عام لوگوں سے مختلف ہو جاتا ہے۔ چونکہ یہ انوار و برکات مقامِ محبوبیت کا ثمر اور نتیجہ ہوتے ہیں۔ بندہ محبوب بعد از موت و وفات بھی محبوب و مقرب ہوتا ہے اس لئے اپنے وصال کے بعد اس کے علوم و معارف، شعور و اِدراکات، احساسات اور تدبیر و تصرف کی طاقتیں اور قوتیں عام اہلِ ایمان سے قوی تر اور مؤثر ترین ہوتی ہیں۔ جب ان کی ارواحِ مقدسہ سے توسل اور استمداد و استعانت کی جاتی ہے تو وہ بندۂ محبوب اپنے چاہنے والوں کی مدد واعانت کرتا ہے۔

امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں: و كذلك العبد إذا واظب على الطاعاتِ بلغ إلى المقام الذي يقول الله كنت لهُ سمعاً وبصرًا فإذا صار نور جلال الله سمعاً له سمع القريب والبعيد، وإذا صار ذالك النّور بصرًا له رأى القريب والبعيد وإذا صار ذلك النّور يدًا لهُ قدر على التصرّفِ في الصعب والسهل والقريب والبعيد۔ (رازی، التفسیر الکبیر، ۲۱: ۷۷)

ایسے ہی کوئی بندۂ محبوب جب طاعات پر مداومت اختیار کرے تو اس مقامِ محبوبیت پر فائز ہو جائے گا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہوں۔ پس جب اللہ تعالیٰ کا نور بندۂ محبوب و مقرب کے کان ہو جاتا ہے تو وہ قریب اور بعید سے سنتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا نور اس کی آنکھ بن جاتا ہے تو وہ بعید و

قریب کو دیکھتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا نور بندے کا ہاتھ بن جاتا ہے تو وہ مشکل اور آسان کاموں پر قریب وبعید میں تصرف پر قادر ہو جاتا ہے۔"

علامہ محمود آلوسی حنفی لکھتے ہیں: فقد یمنح العبد قرب النوافل فیکون الحق تعالیٰ بصرہُ الّذی یبصر بہٖ و سمعہُ الذی یسمع بہٖ و قد یرقی من ذالك إلی قرب الفرائض فیکون نورًا فھناك یکون الغیب لہُ شھودًا والمفقود لدینا عندہٗ موجودًا۔ (آلوسی، روح المعانی، ۱:۷ ۱۰)

کبھی بندے کو نوافل کا قرب (یعنی ان پر مرتب نور) عطا کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے سنتا ہے اور کبھی اُس سے ترقی کر کے قربِ فرائض (یعنی ان کی بدولت پہلے سب بھی اونچے درجات تک پہنچتا ہے) تو سراسر نور بن جاتا ہے۔ اِس مقام پر اُس بندۂ محبوب و مقرب کے لئے غیب، مانندِ شُہود یعنی صاف ہو جاتا ہے اور جو ہمارے لحاظ سے ناپید اور معدوم ہوتا ہے وہ اُس کے سامنے آئینۂ حال میں موجود و مشہود ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا کہ !صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴿۱۳۸﴾ (سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۳۸) ترجمہ: "تم ان سے کہو: ہم نے خود کو اللہ کے رنگ میں رنگ لیا' اور اللہ کے رنگ سے اور کس کا رنگ بہتر ہو گا؟ اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں"

مفسرین فرماتے کہ یہاں پر اللہ کے رنگ سے مراد اس کی صفات ہوں اور اللہ کے رنگ میں رنگنے سے مراد یہ ہو کہ بندہ اللہ کی صفات سے متصف ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہو جائے۔

صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہے کہ بندہ اپنی اوقات کے مطابق ان صفات سے متصف ہونے کی کوشش کرتا ہے، کیونکہ اہل دانش کو معلوم ہے کہ محبت کرنے والا اپنے محبوب کی صفات اپنانا پسند کرتا ہے اسی طرح بندہ ان لوگوں میں شامل ہونے کی کوشش کرتا ہے، جن کے بارے میں حدیث میں آتا ہے:

"إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ، فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّه، قَالَ: فَيُحِبُّه، جِبْرِيلُ، ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ، فَيَقُولُ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ، فَيُحِبُّه، أَهْلُ السَّمَاءِ، قَالَ: ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ۔"

"جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریلؑ کو بلا کر فرماتا ہے: میں فلاں بندے سے محبت کرتا ہوں، تم بھی اس سے محبت کرو۔ جبریلؑ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں، پھر جبریلؑ آسمانوں میں منادی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، تم سب بھی اس سے محبت کرو۔ آسمان کی تمام مخلوق اس سے محبت کرنے لگتی ہے۔ پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اس بندے کے بارے میں نیک نامی ڈال دی جاتی ہے۔"
(صحیح البخاری:۳۲۰۹، صحیح مسلم:۲۶۳۷، واللفظ لہ،)

اس عظیم صفت پر ایمان کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ جو بندہ اللہ کا محبوب بننا چاہتا ہے، وہ اس کے نبی ﷺ کی پیروی شروع کر دیتا ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: (قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ) (ال عمران ۳:۳۱)

"(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگے گا۔"

اللہ کی بندے سے محبت کا دارومدار بندے کی اللہ سے محبت پر ہے۔ جب بندے کے دل میں محبت کا درخت لگ جائے اور اسے اخلاص اور نبی اکرم ﷺ کی پیروی کا پانی ملنا شروع ہو جائے، تو وہ اللہ کی توفیق سے ہر وقت طرح طرح کے ثمرات دیتا رہتا ہے۔

❖ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم، احاطہ اور معیت پر ایمان لے آتا ہے، تو اس پر ذاتِ باری تعالیٰ کا خوف طاری ہو جاتا ہے۔ جب وہ صفتِ سمع پر ایمان لاتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ساری باتیں سنتا ہے، چنانچہ وہ صرف اچھی بات اپنی زبان سے ادا کرتا ہے۔ جب وہ صفتِ بصر، رؤیت، نظر اور عین پر ایمان لاتا ہے تو جان لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے، چنانچہ وہ صرف

اچھے کام ہی کرتا ہے۔

جس بندے کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کی باتیں سن رہا ہے اور اس کے کاموں کو دیکھ رہا ہے، جو کچھ وہ کہتا ہے یا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے، آپ کے خیال میں کیا ضروری نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو وہاں نہ پائے، جہاں سے اس نے اسے منع کیا ہے اور وہاں سے وہ بندہ غائب نہ ہو، جہاں جانے کا اس نے اسے حکم دیا ہے؟

جب اس بندے کو یہ معلوم ہو جاتا ہے اور وہ اس بات پر ایمان لے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ محبت بھی کرتا ہے اور راضی بھی ہوتا ہے، تو وہ ایسے اعمال سرانجام دیتا ہے، جن کو اس کا معبود و محبوب پسند کرتا ہے اور جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔

جب یہی بندہ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ غضب، کراہیت، ناراضی، لعنت پر ایمان لاتا ہے، تو وہ ایسے اعمال کرتا ہے، جو اس کے ربّ کو غصہ نہیں دلاتے اور جن کو وہ ناپسند نہیں کرتا، تاکہ اس کا ربّ ناراض ہو کر اس پر لعنت کر کے اسے اپنی رحمت سے دُور نہ کر دے۔

جب بندہ اللہ تعالیٰ کی خوشی، بشاشت اور ہنسنے (جیسا اس کی شان کو لائق ہے) کی صفت پر ایمان لاتا ہے، تو وہ اس ربّ سے مانوس ہو جاتا ہے، جو بندوں سے خوش بھی ہوتا ہے اور ان پر ہنستا بھی ہے۔

❖ جب بندے کو اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت، رافت، رجوع، لطف، معافی، مغفرت، پردہ پوشی اور قبولیتِ دعا کا علم ہوتا ہے اور وہ ان صفات پر ایمان لاتا ہے، تو جب بھی وہ کسی گناہ کا ارتکاب کر بیٹھتا ہے، اپنے لیے اللہ سے رحمت، مغفرت اور قبولیتِ توبہ کی دُعا کرتا ہے، نیز اللہ کے ہاں اپنے مؤمن بندوں کے لیے پردہ پوشی اور لطف و کرم کی جو عنایت ہے، بندہ اس کا طمع کرتا ہے۔ جب بھی اس سے کوئی گناہ ہوتا ہے، یہ چیزیں اسے اللہ کی طرف رجوع اور توبہ پر آمادہ کرتی ہیں اور یوں کبھی ناامیدی اس کے دل تک رسائی حاصل نہیں کر

پاتی۔

- جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفتِ صبر و حلم پر ایمان رکھتا ہے، وہ کیسے مایوس ہو سکتا ہے؟ وہ شخص اللہ کی رحمت سے ناامید کیسے ہو گا، جو جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کرم، جود اور عطاء کی صفات سے متصف ہے؟
- جو شخص یہ جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ قہر، غلبے، بادشاہت اور نگرانی کی صفات سے متصف ہے، اسے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، وہ زمین میں دھنسانے اور آخرت سے پہلے دنیا میں عذاب دینے پر قادر ہے، وہ اپنے بندوں پر مکمل غلبہ اور کنٹرول رکھتا ہے اور وہ قدیم بادشاہت اور سلطنت والا ہے۔
- صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ہمہ وقت اپنے ربّ سے مانگنے میں مشغول رہتا ہے۔ جب گناہ کر بیٹھے، تو اس کی صفتِ رحمت، رجوع، معافی اور مغفرت کے وسیلے سے رحمت، معافی اور مغفرت کی دُعا کرتا ہے۔ اگر اسے کسی ظالم و جابر دشمن سے ڈر محسوس ہو، تو اپنے ہاتھوں کو آسمانوں کی طرف بلند کرتے ہوئے قوت، غلبے، سلطان، قہر اور جبروت کی صفاتِ باری تعالیٰ کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہے کہ اے قوت و سلطنت اور قہر و غلبے والی ذات! مجھے اس دشمن کے مقابلے میں کافی ہو جا۔

اگر وہ ایمان رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کفالت کرنے والا، حفاظت کرنے والا، کافی ہونے والا اور کارساز ہے، تو وہ کہتا ہے: ہمیں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ وہ واحد، احد اور بے نیاز پر توکل کرتا ہے۔ اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ عزت، شدت، انتقام، قوت اور طاقت والی ذات اسے دشمنوں سے بچالے گی۔

جب اس پر تنگدستی آ جائے، تو وہ غنائ، کرم، جود اور عطاء والی صفات کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا ہے۔ جب اسے کوئی بیماری لاحق ہوتی ہے، تو وہ

اللہ کو پکارتا ہے، کیونکہ اللہ طبیب، شفا دینے والا اور کافی ہو جانے والا ہے۔ اگر وہ اولاد سے محروم ہو، تو وہ اللہ سے نیک اولاد کی دُعا کرتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ ہی عطا فرمانے والا ہے۔ یوں صفاتِ باری تعالیٰ کا علم رکھنے اور ان پر ایمان لانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتا رہتا ہے۔

❖ جب بندہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عظمت، جلال، قوت اور غلبے پر غور و فکر کرتا ہے، تو اپنے آپ کو حقیر سمجھنے اور جاننے لگتا ہے۔ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ تکبر کی صفت اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، تو وہ کبھی کسی پر تکبر نہیں کرتا، نہ ہی اللہ تعالیٰ کے لیے خاص صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

جب اسے علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ غناء، بادشاہت اور عطاء کی صفات سے متصف ہے، تو سمجھ لیتا ہے کہ وہ اپنے اس غنی آقا اور مالک الملک کا محتاج ہے جو جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے محروم کر دیتا ہے۔

❖ جب بندے کو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قوت، عزت اور غلبے کی صفات سے متصف ہے اور ان پر ایمان بھی لے آتا ہے، تو یہ بات بھی بخوبی جان لیتا ہے کہ اس کی قوت و عزت اللہ کی دی ہوئی ہے، چنانچہ وہ کسی کافر کے سامنے ذلیل و خوار نہیں ہوتا۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اللہ کا فرمانبردار رہے گا، تو اللہ تعالیٰ بھی اس کا حامی و مددگار ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے امر پر کسی کو غلبہ نہیں۔

❖ اللہ کی صفات پر ایمان لانے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ حاکمیت، الوہیت، شریعت سازی اور تحلیل و تحریم میں دخل دینے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ اللہ کی وحی کے مطابق فیصلے کرتا ہے اور اپنے فیصلے وحی کی طرف ہی لے کر جاتا ہے، وہ اللہ کی حلال کردہ چیز کو حرام نہیں کہتا، نہ اللہ کی حرام کردہ کو حلال کہتا ہے۔

❖ جب کوئی بندہ یہ تسلیم کر لیتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی شان کو لائق ہے، وہ صفتِ کید، مکر، استہزاء اور خداع سے متصف ہے، تو اسے معلوم ہو جاتا ہے

کہ کوئی اللہ تعالیٰ کے خلاف مکر و تدبیر نہیں کر سکتا۔ اللہ ہی بہترین خفیہ تدبیر کرنے والا ہے۔ کوئی اللہ تعالیٰ سے استہزاء نہیں کر سکتا، نہ اسے دھوکا دے سکتا ہے، کیونکہ جیسے اللہ کی شان کو لائق ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے استہزاء کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ بندے سے ناراض ہو جاتا ہے اور اسے سزا دیتا ہے۔ گویا ان صفات پر ایمان بندے کو اللہ کے غصے اور ناراضی والے کاموں میں ملوث ہونے سے بچاتا ہے۔

!بندہ کوشش کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے اور اس کے ذکر کو ترک نہ کرے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صفتِ نسیان (فراموشی) اور ترک (بے یار و مددگار چھوڑنے) سے متصف ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کو فراموش کرنے، یعنی بے یار و مددگار چھوڑنے پر قادر ہے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: (نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ؕ) (التوبۃ۹:۶۷)

”انہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ نے انہیں فراموش کر (بے یار و مددگار چھوڑ) دیا۔“

اس طرح بندہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو یاد رکھتا ہے۔

جو بندہ یہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سلامتی، امن اور صدق کی صفت سے متصف ہے، وہ اپنے اندر اطمینان اور امن پسندی محسوس کرتا ہے۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سلامتی والا ہے اور سلامتی کو پسند کرتا ہے، تو وہ مؤمنوں کے درمیان سلامتی پھیلاتا ہے اور یہی وہ مؤمن ہوتا ہے جس کے ظلم سے مخلوق محفوظ و مامون رہتی ہے۔ جب بندے کا اعتقاد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ صدق کی صفت سے متصف ہے اور اس نے نیک اعمال کرنے کی صورت میں ایسے باغات کا وعدہ دیا ہے، جن کے نیچے سے نہریں بہتی ہیں، تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کا سچا ہے، وہ کبھی وعدہ خلافی نہیں کرے گا۔

یہ عقیدہ بندے کو اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ مطیع و فرمانبردار بنا دیتا ہے، اس مزدور اور محنت کش کی طرح جو اپنے آقا اور کام لینے والے پر مکمل بھروسا رکھتا ہو کہ وہ اسے اس کا پورا حق بھی دے گا اور زائد انعام بھی دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خبریہ، جیسے چہرہ، دو ہاتھ، انگلیاں، پورے، دو قدم، پنڈلی وغیرہ، بندوں کے لیے سخت امتحان سے کم نہیں۔ جو شخص ان صفات کو اس طرح تسلیم کر لیتا ہے، جس طرح یہ اللہ کو لائق ہیں اور اس سلسلے میں کسی تمثیل، تحریف اور تکییف سے کام نہیں لیتا، صفتِ علم، حیات، قدرت اور ان صفات میں (تسلیم کرنے کے حوالے سے) کوئی فرق نہیں کرتا، وہ عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو گیا۔ اس کے برعکس جس شخص نے اپنی عقلِ سقیم کو نقلِ صحیح پر مقدم کر لیا، ان صفات کی تاویل کرنے لگا، ان کو مجاز قرار دیا اور ان (کو تسلیم کرنے) میں تحریف و تعطیل سے کام لیا، وہ واضح خسارے میں مبتلا ہو گیا۔ اس نے ایک صفت کے ساتھ اور معاملہ کیا، جبکہ دوسری کے ساتھ اور۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے، اس شخص نے اس میں اللہ کی تکذیب کر دی اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے، اس میں آپ ﷺ کو بھی جھٹلا دیا۔

اگر ان صفاتِ خبریہ پر ایمان لانے کا صرف یہ فائدہ ہوتا کہ بندہ ان کو تسلیم کر کے موحّدین میں شمار ہو جاتا، تو یہ بھی کافی تھا اور اگر ان صفات پر ایمان کا فائدہ صرف یہی ہوتا کہ ان کے ذریعے اللہ ورسول کی تصدیق کرنے والے مؤمن اور اللہ ورسول کے خلاف جسارت کرنے والے اور ان کے فرامین کی تحریف کرنے والے گستاخ کے درمیان فرق ہو جاتا، تو یہ ثمرہ بھی کافی تھا۔ چہ جائیکہ آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ ان صفاتِ خبریہ پر ایمان کے اور بھی بہت سے عظیم فوائد ہیں۔

ایک تو یہ کہ جب آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا اس کی شان کے لائق چہرہ ہے اور قیامت کے دن اس پر نظر ڈالنا اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہو گی، جس کا وعدہ اللہ نے اپنے نیک بندوں سے کیا ہے، تو آپ اللہ تعالیٰ سے اس کے معزز چہرے کی طرف دیکھنے کا سوال کریں گے اور اللہ یہ نعمت آپ کو دے دیں گے۔

جب آپ کا یہ ایمان ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کا ایسا بھرا ہوا ہاتھ ہے، جس کی عطا میں کبھی کمی نہیں آتی اور ساری بھلائی اس کے ہاتھوں میں ہے، تو آپ اللہ سے اس کے ہاتھوں

کی عطا کا سوال کریں گے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ آپ کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے، تو آپ اس سے اپنے دل کی دین پر استقامت کی دُعا کریں گے۔

❖ صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو نقائص سے منزہ ومبرا قرار دیتا ہے اور کمال والی صفات کے ساتھ اسے متصف کرتا ہے۔ جس کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ قدوس اور سبوح اللہ کی صفات ہیں، وہ اللہ کو ہر عیب و نقص سے پاک قرار دے گا اور وہ یقین کرلے گا کہ: (لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ) (الشوریٰ ۴۲:۱۱) ''اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔''

جو شخص اللہ تعالیٰ کی صفتِ حیات وبقاء کے بارے میں جان لے گا، اسے معلوم ہو جائے گا کہ وہ ایسے معبود کی عبادت کرتا ہے، جو کبھی نہیں مرے گا اور اسے نہ نیند آتی ہے، نہ اونگھ۔ یہ عقیدہ اس کے دل میں اپنے ربّ کے لیے محبت و تعظیم اور تکریم پیدا کر دے گا۔

❖ اللہ تعالیٰ کی صفتِ عُلُوّ، فوقیت، استواء علی العرش، نزول، قرب اور دُنُوّ پر ایمان لانے کی وجہ سے بندے کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات میں حلول کرنے سے پاک ہے، وہ ہر چیز سے بلند ہے، ہر چیز پر مطلع ہے، اپنی مخلوق سے جدا ہے، اپنے عرش پر مستوی ہے اور اپنے علم کے اعتبار سے اپنے بندے کے قریب ہے، جب بندے کو اپنے رب سے کوئی حاجت ہوتی ہے تو وہ اس کو اپنے قریب پاتا ہے، اس سے دُعا والتجا کرتا ہے، اللہ اس کی دُعا قبول فرماتا ہے، رات کے آخری تہائی حصے میں اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف، جیسے اس کی شان کو لائق ہے، نزول کرتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے، تو میں اس کی پکار کو قبول کروں۔

یہ اعتقاد بندے میں ان اوقات کی تلاش کا طمع پیدا کر دیتا ہے، جن میں بندہ اپنے ربّ سے خلوت میں ملاقات کر سکے۔ اللہ سبحانہ اپنی بلندی کے باوجود (علم کے لحاظ سے) قریب ہے اور اپنے قرب کے باوجود (ذات کے اعتبار سے) دُور ہے۔

❖ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام پر ایمان اور قرآنِ کریم کو کلام اللہ تسلیم کرنے کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ جب قرآنِ کریم کی تلاوت کرتا ہے، تو محسوس کرتا ہے کہ وہ اللہ کا کلام پڑھ رہا ہے۔ جب وہ یہ آیت پڑھتا ہے کہ: یَآ اَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ) (الانفطار ۸۲:۶)

"اے انسان! تجھے تیرے کریم رب کے متعلق کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا ہے؟"

تو وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے آپ سے ہم کلام محسوس کرتا ہے، اس کا دل خوف سے ہوا ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ صفتِ کلام پر ایمان لانے کے بعد یہ صحیح حدیث پڑھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس سے اس طرح کلام فرمائے گا کہ درمیان میں کوئی ترجمان نہیں ہوگا، تو وہ دنیا میں اللہ کی نافرمانی سے گریز کرتا ہے اور اس سوال وجواب اور حساب وکتاب کی تیاری کرنے لگتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ہر صفت پر ایمان لانے کے ایسے ہی عظیم فوائد وثمرات ہیں۔ اہل سنت پر اللہ تعالیٰ کا کتنا بڑا احسان ہے کہ وہ اس کی ہر صفت پر اسی طرح ایمان لے آئے، جس طرح وہ اس کی شان کے لائق ہے!

☜ جب گناہ عام ہوں گے تو حکمران ظالم ہونگے:-

مسجد شریف میں بیٹھے ہوئے حسن علوی نے عرض کیا کہ حضور قرآن پاک میں آیا ہے (جس کا مفہوم یہ ہے) کہ "جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا (وغیرہ) تو ان کو اللہ تعالیٰ زمین پر حکومت دے گا" وہ لوگ کدھر ہیں؟ تو آپ جناب نے فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ گناہ وغیرہ کئی قسم کے عام ہو جائیں تو تم پر ایسا حاکم مقرر کر دوں گا، جو ظالم ہو گا۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۳۷)

توضیح ملفوظ:-

ارشاد باری تعالیٰ ہے: "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَیْدِی

النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِيْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۴۱﴾" (الروم:۴۱)

ترجمہ: "خشکی اور تری میں لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی (اعمال) کے سبب خرابی پھیل رہی ہے؛ تاکہ اللہ تعالیٰ اُن کے بعض اعمال کا مزہ انہیں چکھادے؛ تاکہ وہ باز آجائیں۔"

ایک اور جگہ ارشاد ہے: "وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴿۳۰﴾" (الشوریٰ:۳۰)

ترجمہ: "اور تم کو جو کچھ مصیبت پہنچتی ہے تو وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے کاموں سے (پہنچتی ہے) اور بہت سارے (گناہوں) سے تو وہ (اللہ تعالیٰ) درگزر کر دیتا ہے۔"

ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ مصیبت اور فساد کا سبب خود انسان کے اپنے کیے ہوئے بُرے اعمال ہیں، اور یہ بھی بوضاحت سمجھ میں آرہا ہے کہ اگر بُرے اعمال نہ ہوں تو یہ مصائب، آفات اور فسادات وغیرہ بھی نہ ہوں گے۔ نتیجہ یہی نکلا کہ "نافرمانی سببِ پریشانی اور فرماں برداری سببِ سکون ہے۔"

حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے"وعن أبي الدرداء قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إن الله تعالى يقول: أنا الله لا إله إلا أنا مالك الملوك وملك الملوك، قلوب الملوك في يدي، وإن العباد إذا أطاعوني حولت قلوب ملوكهم عليهم بالرحمة والرأفة، وإن العباد إذا عصوني حولت قلوبهم بالسخطة والنقمة، فساموهم سوء العذاب فلا تشغلوا أنفسكم بالدعاء على الملوك، ولكن اشغلوا أنفسكم بالذكر والتضرع كي أكفيكم ملوككم." رواه أبو نعيم في "الحلية."

(مشکاۃ المصابیح، حدیث نمبر ۳۷۲۱)

ترجمہ: حضرت ابو درداء کہتے ہیں کہ رسول کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ

(حدیث قدسی میں) ارشاد فرماتا ہے کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں بادشاہوں کا مالک اور بادشاہوں کا بادشاہ ہوں، بادشاہوں کے دل میرے ہاتھ (یعنی میرے قبضہ قدرت) میں ہیں؛ لہٰذا جب میرے (اکثر) بندے میری اطاعت و فرماں برداری کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (ظالم) بادشاہوں کے دلوں کو رحمت و شفقت کی طرف پھیر دیتا ہوں اور جب میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں ان کے حق میں (عادل و نرم خو) بادشاہوں کے دلوں کو غضب ناکی اور سخت گیری کی طرف پھیر دیتا ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ (بادشاہ) ان کو سخت عقوبتوں میں مبتلا کرتے ہیں، اس لیے (ایسی صورت میں) تم اپنے آپ کو ان بادشاہوں کے لیے بدعا کرنے میں مشغول نہ کرو، بلکہ (میری بارگاہ میں تضرع وزاری کر کے اپنے آپ کو (میرے) ذکر میں مشغول کرو، تاکہ میں تمہارے ان بادشاہوں کے شر سے تمہیں بچاؤں۔" اس روایت کو ابو نعیم نے اپنی کتاب حلیۃ الاولیاء میں نقل کیا ہے۔"

اور حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ سے منقول ہے: "أعمالکم عمالکم، و کما تکونوا یولی علیکم۔" یعنی تمہارے حکمران تمہارے اعمال کا عکس ہیں۔ اگر تمہارے اعمال درست ہوں گے تو تمہارے حکم راں بھی درست ہوں گے، اگر تمہارے اعمال خراب ہوں گے تو تمہارے حکام بھی خراب ہوں گے۔

اور منصور ابن الاسود رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے امام اعمش رحمہ سے اس آیت ﴿وَ كَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا﴾ کے بارے میں کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے صحابہ رضوان اللہ علیہم سے اس بارے میں سنا کہ: جب لوگ خراب ہو جائیں گے تو ان پر بدترین حکمران مسلط ہو جائیں گے۔"

اور امام بیہقی نے حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہر زمانہ کا بادشاہ اس زمانہ والوں کے دلوں کے حالات کے مطابق بھیجتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ رعایا کے ساتھ حکم رانوں کے رویہ کا تعلق باطنی طور پر لوگوں کے اعمال و کردار سے ہوتا ہے کہ اگر رعایا کے لوگ اللہ کی اطاعت و فرمان برداری کرتے

ہیں اور ان کے اعمال و معاملات بالعموم راست بازی و نیک کرداری کے پابند ہوتے ہیں تو ان کا ظالم حکم ران بھی ان کے حق میں عادل نرم خو اور شفیق بن جاتا ہے اور اگر رعایا کے لوگ اللہ کی سرکشی وطغیانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور ان کے اعمال و معاملات عام طور پر بد کرداری کے سانچے میں ڈھل جاتے ہیں تو پھر ان کا عادل و نرم خو حکمران بھی ان کے حق میں غضب ناک اور سخت گیر ہو جاتا ہے؛ لہٰذا حکمران کے ظلم و ستم اور اس کی سخت گیری و بے انصافی پر اس کو برا بھلا کہنے اور اس کے لیے بد عا کرنے کی بجائے اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، ایسے حالات میں اپنی بداعمالیوں پر ندامت کے ساتھ توبہ استغفار کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے دربار میں عاجزی وزاری کے ساتھ التجاو فریاد کی جائے اور اپنے اعمال و اپنے معاملات کو مکمل طور پر اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے تابع کر دیا جائے تاکہ رحمتِ الٰہی متوجہ ہو اور ظالم حکمران کے دل کو عدل و انصاف اور نرمی و شفقت کی طرف پھیر دے۔

☜ کبر، حسد، عجب، طول آمال سے بچنا:-

حضور (حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) مرشد پاک نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب سے کوئی روایت بیان کرتے ہوئے فرمایا! کہ کبر، حسد، عجب، طول آمال سے بچو۔ فرمایا! کبر تو یہ ہے کہ اپنے آپ کو بڑا اور دوسروں کو کم سمجھے۔ حسد (حاسد) تو ہر کسی کے ساتھ حسد کرتا ہے۔ عجب یہ ہے کہ عبادات وغیرہ میں اپنے آپ کو سب سے بہتر سمجھے کہ میں بہت عبادت گزار اور پرہیز گار ہوں۔ اور طول آمال یہ ہے کہ لمبی امیدیں باندھے کہ ابھی عمر بہت ہے ابھی گناہ کر لوں کل توبہ کر لوں گا۔ فرمایا! کہ ان سے بچنا بہت ضروری ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۷۹)

توضیح ملفوظ:-

ملفوظ میں ذکر کردہ چیزیں امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب منہاج العابدین اور احیاء علوم الدین میں ذکر کیں ہیں ملاحظہ فرمائیں!

فساد قلب کا باعث یہ چار چیزیں ہیں: (۱) دنیا کی امیدیں (۲) عبادات میں جلد بازی (۳) حسد (۴) تکبر اس کے مقابلے میں اصلاح کرنے والی یہ چار چیزیں ہیں: (۱) امیدیں کم کرنا (۲) معاملات میں تحمل و آہستگی (۳) حقوق کے ساتھ خیر خواہی (۴) خشوع اور تواضع سے پیش آنا۔ یہ ہیں وہ آٹھ چیزیں جن کے ساتھ قلب کی اصلاح یا خرابی وابستہ ہے اور انہیں پر صلاح و فساد کا دارو مدار ہے۔ اس لیے اسباب فساد سے بچو۔ اور مفید قلب باتوں کو اختیار کرو۔ تا کہ آخرت کی مشقت سے محفوظ رہو۔ اور اپنے مقصود کو حاصل کر سکو۔ (منہاج العابدین، صفحہ نمبر ۱۵۱)

طول امل:

حضرت امام غزالی پھر طول امل کے بارے فرماتے ہیں کہ! "طول امل سے مراد لمبی امیدیں نیکی و طاعت کی راہ میں رکاوٹ ہیں نیز ہر فتنے اور شر کا باعث ہیں۔ لمبی امیدوں میں مبتلا ہو جانا ایک لا علاج مرض ہے جو لوگوں کو اور بہت سی مختلف امراض میں مبتلا کرتا ہے۔ اے عزیز جب تو ایسی امیدوں میں مبتلا ہو جائے گا تو اس سے چار چیزوں میں اضافہ ہو گا ایک ترک طاعت میں زیادتی اور اس کی ادائیگی میں سستی میں اضافہ ہو گا۔ اور عبادت و نیکی بجالانے کے وقت تم اپنے دل میں کہو گے ابھی تھوڑی دیر بعد کر لوں گا۔ ابھی کافی وقت ہے۔ عبادت کا موقع فوت نہیں ہونے دوں گا۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل سچ فرمایا ہے: "من خاف الوعید قرب علیہ البعید و من طال املہ ساء عملہ۔ "جو اللہ تعالیٰ کی وعید سے ڈرتا ہے وہ دور کو بھی نزدیک خیال کرتا ہے۔ اور جو لمبی امیدوں میں مبتلا ہو جاتا ہے وہ بد اعمالی کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت یحیی بن معلو رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: "الأمل قاطع عن کل خیر والطمع مانع من کل حق والصبر صائر الی کل خیر والنفس داعیۃ إلی کل شر۔" کہ دنیا کی امیدیں انسان کو ہر نیک کام سے کاٹ دیتی ہیں، اور طمع ولالچ ہر حق سے انسان کو روک دیتا ہے اور صبر ہر بھلائی کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نفس امارہ ہر شر

اور برائی کی طرف بلاتا ہے۔

دوسری چیز جس سے طول امل میں زیادتی ہوتی ہے، ترک توبہ ہے۔ طول امل کی وجہ سے انسان توبہ کرنے سے ٹال مٹول شروع کر دیتا ہے اور دل میں کہتا ہے ابھی توبہ کرلوں گا ابھی کافی وقت ہے۔ میں ابھی جوان ہوں۔ میں ابھی کم عمر ہوں۔ توبہ ہر وقت میرے اختیار میں ہے جب چاہوں گا کرلوں گا۔ اس طرح کے بیہودہ خیالات میں پڑ جاتا ہے اور اصلاح احوال سے پہلی ہی موت اچانک آکر اچک لیتی ہے۔ اور وہ خسر الدنیاوالآخرہ ہوجاتا ہے۔" (منہاج العابدین، صفحہ نمبر ۱۵۲)

تیسری چیز مال جمع کرنے کی حرص ہے جو طول امل سے اور بڑھ جاتی ہے۔ اس حرص کے نشہ میں انسان آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور اشتغال دنیا میں ڈوب جاتا ہے۔ اور حرص میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

چوتھی چیز قساوت قلب اور غفلت آخرت ہے جس میں طول امل سے اضافہ ہوتا ہے۔ کیونکہ جب انسان کے دل میں عیش و عشرت کی لمبی امیدیں بس جاتی ہیں تو موت بھول جاتی ہے۔ قبر یاد نہیں رہتی۔ اصلاح ہوتی ہے۔ واللہ تعالی ولی التوفیق بفضلہ وبرحمتہ۔

دوسری آفت حسد:-

بے شک حسد نیکیوں کو تباہ کرتا ہے اور گناہوں پر راغب کرتا ہے۔ یہ بہت برا مرض ہے

اے عزیز! جان لے کہ حسد سے پانچ خرابیاں ابھرتی ہیں۔ (ا) طاعات میں خرابی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا!" الحسد یاکل الحسنات کما تأکل النار الحطب" حسد نیکیوں کو اس طرح برباد کرتا ہے جس طرح آگ سوکھی لکڑیوں کو جلادیتی ہے

حسد سے دوسری چیز جو پیدا ہوتی ہے وہ گناہ اور برائیاں ہیں۔ حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں: حاسد کی تین نشانیاں ہیں۔ جب سامنے آتا ہے تو چاپلوسی کرتا ہے، پشت

پیچھے غیبت کرتا ہے۔اور جب دوسرے پر مصیبت آتی ہے توخوش ہوتا ہے۔میں کہتاہوں حسد کی برائی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں حاسد کے شر سے پناہ میں رہنے کا حکم دیاہے۔جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایاہے۔''وَمِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ'' اور حاسد کے شر سے پناہ میں رکھ جب وہ حسد کرنے پر اتر آئے۔اللہ تعالیٰ نے حسد کے شر کو شیطان اور ساحر کے ساتھ ملا کر بیان کیا اور فرمایا کہ ان سب سے پناہ مانگو۔تو غور کر لو کہ حسد کتنا بڑا فتنہ اور اس کا شر کتنا بڑا ہے۔

کبر کا بیان:-

کبر ایک ایسی آفت ہے جو نیکی کا نام ونشان ہی مٹا دیتی ہے۔کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول نہیں سنا؟''أَبَىٰ وَاسۡتَكۡبَرَ وَكَانَ مِنَ الۡكَافِرِينَ''(ابلیس نے)انکار اور تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

اعمال اور فروعات دینیہ کو نقصان دینے والی تمام آفات اتنی مضر اور خراب نہیں جتنا کبر ہے۔ کیونکہ یہ تو اصل بنیاد (دین) اور اعتقاد میں خلل انداز ہوتا ہے۔ اور جب یہ مرض کبر بڑھ جاتا ہے تو اس کا علاج مشکل ہو جاتا ہے۔اور پھر اس سے اور ہزاروں طرح کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔چار خرابیاں تو ضرور پیدا ہوتی ہیں۔ایک حق سے محروم ہو جانا دل کا اللہ تعالیٰ کی آیات معرفت سے اندھا ہو جانا اور احکام خداوندی کے فہم کے متعلق ذہن کا کندہ ہو جانا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔''سَأَصۡرِفُ عَنۡ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الۡأَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَقِّ''میں عنقریب اپنی آیات کے فہم سے ان لوگوں کو پھیر دوں گا جو ناحق تکبر کرتے ہیں۔ (منہاج العابدین صفحہ نمبر ۱۵۵،۱۵۶،۱۵۷)

پھر اسی کتاب میں عجلت یعنی جلد بازی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں!

عجلت دراصل دل میں ایک موجودہ قائم معنی کا نام ہے جو انسان کو بے سوچے اور بلا غور وفکر کام کرنے پر آمادہ کرتا ہے،اور عمل میں جلد بازی کا باعث بنتاہے۔اور اس عجلت کے مقابل وصف اناۃ (ٹھہراؤ) ہے۔یعنی تحمل وبردباری سے کام کرنا۔اور اناۃ دل

میں موجود ایک ایسے معنی کا نام ہے جو بندے کے کاموں میں احتیاط غور و فکر اور تحمل و بردباری پیدا کرتا ہے۔ اور توقف کی ضد اور مقابل وصف متوقف ہے یعنی بے سوچے سمجھے کام شروع کر دیا۔

میرے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے توقف واناۃ میں یہ فرق بتایا ہے کہ کام شروع کرنے سے قبل اس کے متعلق غور و فکر اور سوچ و بچار کرنے کو توقف کہتے ہیں اور کام شروع کر کے اس میں آہنگی اختیار کرنے کو تاکہ کام بہتر طریقہ سے انجام کو پہنچے اناۃ کہتے ہیں۔

پھر اناۃ اور تحمل پیدا ہونے کا یہ طریقہ ہے کہ انسان جلد بازی کی آفات اور نقصانات و خرابیوں کو خیال میں حاضر کرے۔ اور متوقف یعنی بے سوچے کام کرنے اور جلد بازی کرنے سے جو ندامت و ملامت ہو گی اسے ذہن میں لائے۔ اس طرح کرنے سے ضرور ان شاء اللہ بندے میں توقف و تحمل کی صفت پیدا ہو گی۔ نیز متوقف و عجلت سے بھی نجات حاصل ہو گی واللہ تعالیٰ ولی العصمۃ۔

عُجب:

حضرت امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ احیاء علوم الدین میں "عجب" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ!

عجب ایسے وصف میں ہوتا ہے جو یقینی طور پر کمال ہو، جو شخص علم، عمل یا مال میں اپنے نفس کے لئے کسی کمال کا معترف ہے، اس کی تین حالتیں ہیں ایک یہ کہ وہ اس کمال کے زوال سے خائف ہے اور ڈرتا ہے۔ کہ کہیں میرا (یہ) کمال نقص نہ بن جائے یا سلب نہ ہو جائے، ایسا شخص معجب نہیں ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ وہ اس بات پر خوش ہے کہ اللہ نے اسے کمال کی نعمت سے نوازا ہے، اس لئے خوشی نہیں کہ وہ کمال اس کی طرف منسوب ہے۔ ایسا شخص بھی معجب نہیں ہے، تیسری حالت یہ ہے کہ نہ اسے زوال کا خوف ہے اور نہ اسے اللہ کی نعمت ہونے کی حیثیت سے اس کمال و سربلندی پر خوشی بلکہ وہ

سمجھتا ہے کہ یہ کمال میری طرف منسوب ہے میرا وصف ہے، میں ہی اس کا خالق ہوں یہ حالت عجب ہے ایسی حالت میں اگر یہ خیال آئے کہ یہ نعمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے وہ جب چاہے اسے چھین سکتا ہے تو عجب ختم ہو جائے گا۔

اس تفصیل سے عجب کی یہ تعریف معلوم ہوتی ہے کہ نعمت کو بڑا جاننا اس پر مطمئن ہونا اور منعم حقیقی کی طرف اس کی نسبت نہ کرنا عجب ہے (احیاء علوم الدین جلد سوم صفحہ نمبر ۵۶۴)۔

-:اچھائی جہاں سے بھی ملے اس کو لے لیں-:

آپ (حضرت رابع خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ! اچھائی (اچھا کام، اچھی بات، فعل و قول) جہاں سے بھی ملے اس کو لے لیں اور برائی سے بچیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۹)

توضیح ملفوظ-:

سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا! "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "الْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ أَحَقُّ بِهَا ۔" (سنن ترمذی حدیث نمبر: ۲۶۸۷، سنن ابن ماجہ حدیث نمبر ۴۱۶۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں کہیں بھی اسے پائے وہ اسے حاصل کر لینے کا زیادہ حق رکھتا ہے۔"

اس حدیث مبارک میں دراصل نبی کریم ﷺ نے انسانی معاشروں کے ایک دوسرے سے استفادے میں حائل ایک بہت بڑی نفسیاتی رکاوٹ کو دور فرمایا ہے۔ عموماً ہوتا یہ ہے کہ اگر اچھی بات اپنے کسی حریف اور مد مقابل کی طرف سے سامنے آئے تو اسے قبول کرنے میں انسان کی انا رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اور وہ یہ سوچتا ہے کہ میں اس کی بات لے کر ایک طرح سے اس کے زیر احسان ہو جاؤں گا اور اس کی چیز استعمال کرنے

والا بن جاؤں گا۔ یہ تصور اس کے دل میں اس کے استعمال کے بارے میں خاص قسم کی ہچکچاہٹ پیدا کرتا ہے۔ اگر میرے پاس اپنی گھڑی نہیں ہے اور کوئی دوسرا شخص کہہ دیتا ہے کہ میری گھڑی تم باندھ لو اور اپنے استعمال میں لے آؤ تو فطری بات ہے کہ مجھے اپنی کمتری کا ایک خاص قسم کا احساس ہو گا کہ میں فلاں کی چیز استعمال کر رہا ہوں، لیکن اگر مجھے یہ بتا دیا جائے کہ یہ چیز ہے ہی تمہاری، یا اس پر تمہارا بھی اتنا ہی حق بنتا ہے جتنا دوسرے کا تو ظاہر ہے کہ میری یہ خاص قسم کی ہچکچاہٹ ختم ہو جائے گی۔

حضور اقدس ﷺ نے اس حدیث مبارک میں اسی دکھتی ہوئی رگ پر ہاتھ رکھ کر مسئلے کو جڑ سے پکڑا ہے۔ حضور اقدس ﷺ مومن کو یہ نہیں بتا رہے کہ دانائی کی بات کسی سے اگر ملتی ہے تو وہ ہے تو اسی کی مگر تم اسے لے لو، بلکہ آپ یہ فرما رہے ہیں کہ وہ تمہاری ہے، اس لیے اس کے لینے میں تمہیں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ دانائی کی کوئی بھی بات ہو انسان زیادہ سے زیادہ اسے دریافت کرتا ہے اس کا خالق نہیں ہوتا، اسے پیدا کرنے والے کی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے خاص فرد یا خاص قوم کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے پیدا کیا ہے، اس لیے اسے دریافت کرنے والے کو اس دریافت کا کریڈٹ اور صلہ تو ضرور ملنا چاہیے، لیکن اگر یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ دانائی ہے ہی اس دریافت کرنے والی کی، کوئی اور اگر اس سے فائدہ اٹھائے گا تو دوسرے کی چیز سے مستفید ہو کر اس کے مقابلے میں کم تر ہو جائے گا تو یہ غلط فہمی ہو گی۔ اس لیے کہ خالق کائنات نے یہ چیز جن کے لیے بنائی ہے، ان میں صرف اس کو دریافت کرنے والا ہی نہیں، استعمال کرنے والا بھی شامل ہے۔

اور دوسری یہ کہ یہ جہاں سے ملے، یعنی اس کیلئے یہ قید نہیں کہ آپ نے اپنی کھوئی ہوئی حکمت کس سے اور کہاں سے واپس حاصل کرنی ہے۔ اس میں مذہب، علاقہ، رنگ و نسل اور قوم کی کوئی پابندی نہیں۔ آپ کا میدان کل عالم ہے، ساری دنیا ہے۔

حکمت (علم) کیا ہے؟ یہ دانائی اور بھلائی ہے۔ یہ سراسر خیر کا نام ہے۔ اگر اس میں بھلائی اور خیر نہیں تو یہ علم نہیں، جہالت اور گمراہی ہے۔ اگر بندہ علم میں پوشیدہ خیر

اور بھلائی سے محروم ہو جائے تو وہ ابو الحکم نہیں رہتا بلکہ ابو جہل بن جاتا ہے۔ علم اگر خیر، بھلائی اور آسانی نہیں دیتا تو وہ علم نہیں جہالت ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ شریعت کے عام نصوص اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ! کوئی مفید جملہ، یا کام کی بات جو اسلام کے خلاف نہ ہو، وہ کبھی کبھی نااہل کے منہ سے بھی نکل جاتی ہے، اور یوں اس کے منہ سے ایک اہل تک پہنچتی ہے، تو مومن کیلئے مناسب نہیں کہ اس کام کی بات کو محض اس لئے رد کر دے کہ یہ ایک ناکارہ کی زبان سے نکلی ہے، بلکہ ہونا یہ چاہیئے کہ قیمتی اور مفید بات کو قبول کیا جائے، یہ دیکھے بغیر کہ اس کا قائل کون ہے۔

-:عالم دین کو ایک خوبصورت نصیحت:-

حافظ اختر حفیظ صاحب کشمیری جب اپنا مدرسہ کھولنے کی اجازت لے کر جانے لگے تو ان کو نماز کی (پابندی کی) نصیحت اور داڑھی بڑھانے اور عمامہ سر پر رکھنے کا فرمایا! کہ یہ سنت ہے اور کتاب بہار شریعت (مصنف علامہ امجد علی صاحب کے) پڑھنے کا فرمایا! کہ اس میں سب مسائل ہیں اور کتاب "وجیز الصراط" کا فرمایا! کہ درویش علاقہ ہری پور میں مولانا فیض عالم ہزاروی صاحب (کی تصنیف ہے) یہ بہت بڑا علمی گھرانہ ہے۔ جس میں نماز جنازہ، حیلہ اسقاط، عقائد وغیرہ کے مسائل ہیں اس کے مطالعہ کا فرمایا۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۶)

بچوں سے مار نہیں پیار سے پیش آنا:-

گڑھی شریف میں کسی نے اپنے بچے کے لئے دعا کے واسطے عرض کیا کہ بچّہ حفظ سے بھاگتا ہے تو حضور (شیخ طریقت) نے پوچھا کون سے پارہ میں ہے؟ اس نے بتایا گیارہویں پارہ میں ہے، تو (آپ) نے فرمایا! کہ عموماً بچّے اس وقت جبکہ منزل بھی اور نیا سبق بھی یاد کرنا پڑتا ہے تو حفظ سے بھاگتے ہیں، فرمایا کہ بچوں کو مارنا نہیں چاہیے کہ وہ مار پیٹ سے ڈھیٹ بن جاتے ہیں، پیار سے سمجھانا چاہیے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۰)

توضیح ملفوظ:-

شریعتِ مطہرہ نے تربیتِ اولاد کے حوالہ سے ترتیب یہ مقرر کی ہے کہ جب بچہ میں سمجھ بوجھ پیدا ہو جائے (یعنی جب وہ خود کھانے پینے لگے، استنجا کر سکے) تو اسے عادی بنانے کے لیے اچھی باتوں کا حکم دیا جائے، اور بری باتوں سے روکا جائے، یہ ابتدائی درجہ ہے، جس کے لیے بچے کی عمر سات سال ہونا ضروری نہیں، بس سمجھ بوجھ پیدا ہو جانا کافی ہے، مزید سمجھ آجانے کے بعد بھی اگر وہ کوتاہی کرے تو اسے ڈرایا جائے، یہ قریب سات سال کی عمر ہے، پھر بھی کوتاہی کرتا ہے تو اسے اس کے اس عمل پر ملامت کی جائے، عار دلائی جائے، یہ سات سال اور دس سال کی درمیانی عمر ہے، اگرچہ اس عمر میں بھی بعض فقہاء کرام نے ہلکی مار کی اجازت بھی دی ہے، تاہم دس سال کی عمر مکمل ہونے سے قبل مارنے سے اجتناب کرنا چاہیے، لہٰذا دس سال کی عمر ہو جانے کے بعد بھی اگر وہ کوتاہی کرتا ہے تو اس پر اسے ہاتھ سے زیادہ سے زیادہ تین تھپڑ، اتنی قوت سے لگائے جاسکتے ہیں کہ جس مار کو وہ برداشت کر سکتا ہو، البتہ مارنے والے کے لیے اپنی پوری قوت سے بچے کو مارنا، یا تین تھپڑ سے زائد تھپڑ مارنا شرعاً جائز نہیں، اور یہی حکم معلم کے لیے ہے، نیز معلم کو مارنے کی اجازت بچہ کے والد، یا ولی کی اجازت سے مشروط ہے، لہٰذا اگر بچہ کے والد نے مارنے کی اجازت نہ دی ہو تو اس صورت میں بچہ کو مارنے کی معلم کو اجازت نہیں ہوگی، اسی طرح سے والد کی اجازت کے باوجود چھڑی سے پٹائی کرنے کی معلم کو شرعاً اجازت نہیں

واضح رہے کہ بچوں کی تعلیم وتربیت میں نرمی اور محبت کا انداز اختیار کرنا چاہیے، بے جا مار پیٹ سے بچے ڈھیٹ ہو جاتے ہیں، پھر ان پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا، اور زیادہ مارنا تعلیم وتربیت کے لیے مفید بھی نہیں، بلکہ نقصان دہ ہے، ایک تو یہ کہ اس سے بچہ کے اعضاء کمزور ہو جاتے ہیں، دوسرا یہ کہ ڈر کے مارے سارا پڑھا لکھا بھول جاتے ہیں، تیسرا یہ کہ جب پٹتے پٹتے عادی ہو جاتے ہیں تو بے حیا بن جاتے ہیں، پھر مار سے ان پر کچھ اثر بھی نہیں ہوتا، اور اس کے مقابلے میں نرمی اور محبت اور بسا اوقات حوصلہ افزائی کے لیے

انعام دینے اور محبت کا طریقہ زیادہ سود مند ہے، اور زیادہ مارنا تعلیم و تربیت کے لیے مفید طریقہ نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تربیت نرمی اور محبت سے فرمائی ہے، اپنے خدام سے بھی رسول اللہ ﷺ کبھی سختی سے پیش نہیں آئے۔ اس لیے حتی الامکان نرمی اور شفقت کے ساتھ بچوں کی تربیت کرنی چاہیے۔ اور اگر ضرورت کے وقت سزا دینے کی بھی ضرورت ہو تو تدریجاً سزا دے مثلاً (۱) ملامت کرنا (۲) ڈانٹنا، (۳) کان کھینچنا، (۴) ہاتھ سے مارنا وغیرہ۔

نیز مدرسہ میں بچوں کو سبق، سبقی، منزل یاد نہ ہونے پر یا مدرسہ کی چھٹی کرنے پر درج ذیل سزائیں دی جاسکتی ہے:

(۱) ان کی کچھ وقت کے لیے چھٹی بند کر دی جائے، اس کا بچوں پر کافی اثر ہوتا ہے۔ (۲) کھڑا کر دیا جائے۔ (۳) اٹھک بیٹھک (اٹھنا بیٹھنا) کرایا جائے۔ یہ آخری دو سزاؤں میں جسمانی اور اخلاقی دونوں اصلاحیں ہو جاتی ہیں، یعنی ورزش بھی ہو جاتی ہے، تنبیہ بھی ہو جاتی ہے، لیکن اس میں بھی اس کی رعایت کی جائے کہ برداشت سے زیادہ نہ ہو۔

☜ درود شریف پڑھنا فرض / واجب:-

(راقم ملفوظات عبدالوہاب چشتی صاحب لکھتے ہیں کہ) آپ جناب (حضور زبدۃ المشائخ) نے فرمایا کہ سرکار دو عالم ﷺ پر زندگی میں ایک بار درود بھیجنا فرض ہے اور جب نام پاک سنے تو ہر دفعہ واجب، اور عام پڑھنا سنت ہے درود کی آیت (اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝۵۶) پڑھی (فرمایا کہ اس میں ہمیشگی ہے (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۶)

توضیح ملفوظ:-

اللہ کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا! اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝۵۶ (الاحزاب:۵۶)

جمہور علماء کے نزدیک درود شریف کا کم سے کم عمر میں ایک مرتبہ پڑھنا فرض ہے، بعض علماء نے اس پر اجماع بھی نقل کیا ہے، چنانچہ، فتح القدیر میں ہے کہ !

وقد اختلف أهل العلم فی الصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم هل هی واجبة أم مستحبة؟ بعد اتفاقهم علی أن الصلاة علیه فرض فی العمر مرة۔ (فتح القدیر، ج۴، ص۴۲۷)

کہ سب (علماء) کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عمر میں ایک مرتبہ آپ ﷺ پر درود پڑھنا فرض ہے۔

اور علامہ ابو عبداللہ القرطبی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر، تفسیر القرطبی میں سورۃ احزاب آیت نمبر ۵٦ کے تحت لکھتے ہیں کہ !"اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے نبی حضرت محمد ﷺ پر درود پڑھیں دوسرے انبیاء کے بارے میں ایسا حکم نہیں مقصد آپ ﷺ کی شرافت کو ظاہر کرنا تھا۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں زندگی میں ایک دفعہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ اور ہر لمحہ ایسے واجبات میں سے ہے جو سنن موکدہ کی طرح واجب ہو۔ جس کے ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں اور اس سے غافل نہیں ہوتا مگر وہی شخص جس میں کوئی خیر نہ ہو۔" (تفسیر قرطبی زیر آیت "ان اللہ وملائکتہ یصلون")

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی تفسیر، تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ ! "والآیة تدل علی وجوب الصلاة والسّلام فی الجملة ولو فی العمر مرة وبه قال ابو حنیفة ومالك رحمهما الله واختاره الطحاوی قال ابن الهمام موجب الأمر القاطع الافتراض فی العمر مرة لانه لا یقتضی التکرار۔

آیت دلالت کر رہی ہے کہ صلوٰۃ وسلام بھیجنا مسلمانوں پر واجب ہے خواہ عمر میں ایک ہی بار ہو۔ امام ابو حنیفہ اور امام مالک کا یہی قول ہے طحاوی نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ابن ہمام نے کہا: امر کا مقتضٰی قطعی عمر بھر میں ایک بار (تعمیل) ہے کیونکہ امر تکرار کو نہیں چاہتا اور ہم اسی کے قائل ہیں۔ (تفسیر مظہری، زیر تحت سورۃ احزاب آیت نمبر ۵٦)

معارف القرآن میں مولانا ادریس کاندھلوی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ

"اس آیت میں جو صلاۃ وسلام کا حکم دیا گیا ہے وہ فرضیت کے لئے ہے اس لئے کہ عمر بھر میں ایک مرتبہ درود بھیجنا تو فرض ہے جیسا کہ کلمہ توحید عمر بھر میں ایک بار کہنا فرض ہے اور جس مجلس میں آنحضرت ﷺ کا ذکر مبارک ہو تو وہاں ایک بار واجب اور اس سے زیادہ مستحب ہے۔

فائدہ: اُمّت کی طرف سے جو صلاۃ وسلام پڑھا جاتا ہے وہ حضور پر نور ﷺ کے احسان کی مکافات نہیں بلکہ ایک فقیرانہ ہدیہ ہے جو شاہِ رسالت کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔" (معارف القرآن کاندھلوی)

نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کا ذکر مبارک کرتے یا سنتے وقت آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود شریف پڑھنا واجب ہے اور اگر ایک ہی مجلس میں بار بار نبی کریم علیہ السلام کا ذکر ہو، تو صرف ایک بار درود شریف پڑھنا واجب ہے، البتہ ایسی صورت میں بھی ہر بار درود شریف پڑھنا مستحب ہے۔ رہا وجوب؟ تو اُس کے لئے خاص اسمِ گرامی (محمد ﷺ) کا ذکر کرنا یا سننا ہی ضروری نہیں، بلکہ آپ کے صفاتی نام، یونہی کوئی بھی ایسا لفظ، جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ذکر پر دلالت کرنے والا ہو، اسے بولتے یا سنتے وقت درود پاک پڑھنا واجب ہے۔

جامع ترمذی میں حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث پاک ہے: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغم أنف رجل ذکرت عندہ فلم یصل علی" ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کی ناک خاک آلود ہو، جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر دُرود نہ بھیجے۔ (جامع ترمذی، ج ۰۲، ص ۱۹۳، مطبوعہ ملتان)

شرح زرقانی علی مواہب لدنیہ میں ہے: "ظاھرہ ذکر بالاسم الظاھر او الضمیر" ترجمہ: ظاہرِ کلام یہی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کا ذکر ظاہری اسماء کے ساتھ کیا جائے یا ضمیر کے ساتھ (بہر حال درود شریف پڑھنا واجب ہو گا)۔

(شرح زرقانی، ج ۹، ص ۱۶۷، دار الکتب العلمیہ، بیروت)

حضرت علامہ سید محمد ابن عابدین شامی علیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ان

الوجوب یتداخل فی المجلس، فیکتفی بمرۃ للحرج کما فی السجود الا انہ یندب تکرار الصلاۃ فی المجلس الواحد"ترجمہ: ایک ہی مجلس میں وجوب متداخل ہو جائے گا، لہٰذا سجدہ تلاوت کی طرح حرج کی بنا پر ایک بار ہی درود شریف پڑھنا (ادائیگی وجوب کے لئے) کافی ہو گا، مگر مستحب یہی ہے کہ ایک مجلس میں بھی بار بار درود شریف پڑھا جائے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، ج۲، ص۲۷۸، مطبوعہ کوئٹہ)

حضرت علامہ سید احمد طحطاوی حنفی مصری علیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "سواء ذکر باسمہ الظاھر او بضمیر"ترجمہ: برابر ہے کہ نبی کریم کا ذکر آپ علیہ السلام کے اسمِ ظاہری کے ساتھ کیا جائے یا اسم ضمیر کے ساتھ۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدرالمختار، ج۱، ص۲۲۸، مطبوعہ کوئٹہ)

صدرالشریعہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ہر جلسہ ذکر میں درود شریف پڑھنا واجب، خواہ خود نام اقدس لے یا دوسرے سے سنے اور اگر ایک مجلس میں سو بار ذکر آئے تو ہر بار درود شریف پڑھنا چاہیے۔"

(بہارشریعت، جلد۱، صفحہ ۵۳۳، مکتبۃ المدینہ، کراچی)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی علیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "یہ نہ خیال کریں کہ مجلس میں ذکرِ رسول اللہ ﷺ کا مطلب صرف آپ کا نام لینا ہی ہے۔ آپ کے نام مبارک کے ذکر میں آنحضور کے تمام اوصاف واحوال شامل ہیں، گو آپ کا اسمِ گرامی پوری تصریح سے نہ بھی لیا جائے۔"

(مدارج النبوت مترجم، جلد۱، صفحہ ۵۵۵، مکتبہ اسلامیہ، لاھور)

علامہ عبدالعلی فرنگی محلی علیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "جب آپ ﷺ کا نام نامی یا صفاتی نام یا کوئی لفظ جو آپ پر دال ہو، لیا جائے یا سنا جائے تو درود واجب ہو جاتا ہے۔"

(ارکانِ اسلام، ص۲۴۱، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور)

☜ استاد کی مار باپ کی محبت سے بہتر ہے:-

(راقم ملفوظات عبدالوہاب چشتی اعظمی صاحب لکھتے ہیں کہ) الحمد للہ چونکہ

آجکل درس (حفظ کلاس) پڑھانے کی خدمت مجھے نصیب ہو رہی ہے تو دو دن پہلے ایک طالب علم لڑکے "ندیم" حویلیاں، ایبٹ آباد والے کو کسی بد اخلاقی پر میں نے سزا دی تھی تو کل وہ چھپ کر بھاگ گیا تھا، اور آج اس کے کوئی سرپرست ساتھ لے آئے۔ حضور (زبدۃ المشائخ) نے کتب خانہ کے سامنے ندیم (طالب علم) کو بلایا اور فرمایا! کہ کیوں بھاگ گئے تھے، یہ غلط بات ہے، پھر فرمایا! کہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک بادشاہ وقت نے اپنے بچے کو پڑھانے کے واسطے بھیجا، تو اس بادشاہ نے تختی پر سونے کے حروف سے لکھ دیا "جور استاد بہ زمہر پدر" کہ استاد کی مار باپ کی محبت سے بہتر ہے، پھر فرمایا کہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۸۷)

توضیح ملفوظ:-

بچوں کو پڑھانا اور اسلامی تعلیمات کے مطابق ان کی تربیت کرنا نہایت اہم اور نیک کام ہے، شریعتِ مطہرہ نے جہاں ہر نیک کام کی ترغیب دی وہاں اس کے لیے کچھ شرائط، حدود و قیود بھی مقرر کیے ہیں، اگر نیک کام میں شرعی اصول وضوابط کی رعایت نہ کی جائے تو وہ نیک کام بھی ثواب کے بجائے وبال کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت میں نرمی و سختی دونوں پہلوؤں میں اعتدال کا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے، غصہ میں بے قابو ہو کر حد سے زیادہ مارنا اور یا مارنے کو بالکل غلط سمجھنا دونوں باتیں غلط ہیں، جس طرح نرمی اور محبت سے بچوں کی تعلیم و تربیت کرنا بہتر ہے اسی طرح ناگزیر وجوہات کی بنا پر تنبیہ کی غرض سے بچوں کو سزا دینا بھی جائز ہے، ایک زمانہ تھا جب والدین اور اساتذہ کی ڈانٹ ڈپٹ کو باعث عار نہیں سمجھا جاتا تھا اور اساتذہ کو قوم کا مستقبل سنوارنے کے لئے کھلی آزادی میسر تھی۔ شدت پسندی نے معاشرے میں اس حد تک بگاڑ پیدا کیا کہ دیہاتی سکولوں اور مسجد مدرسوں سے بہیمانہ تشدد کی خبریں عام ہونے لگیں اور اس شدت پسندی کا مقابلہ "صرف پیار" کی شدت پسندی کے ساتھ کیا جانے لگا۔ یہ "مار نہیں پیار" کا نعرہ ایسے ہی ہے جس طرح ڈاکٹرز کو پابند کر دیا جائے کہ

آج کے بعد مریضوں کا صرف میٹھی گولیوں اور کیپسولز سے علاج ہو گا اور کسی ڈاکٹر کو یہ اجازت نہیں ہو گی کہ وہ کسی مریض کو آپریشن تھیٹر میں لے جا کر اس کی سرجری کر سکے کہ اس سے مریض کی بہتری کا امکان تو موجود ہے لیکن اس کو وقتی طور پر تکلیف کا سامنا کرنا پڑے گا بلکہ سرجری تو مریض پہ ظلم و ستم ہے ہی، معاشرے کو سرجن جیسی تکلیف پہنچانے والی ''لعنت'' سے بھی چھٹکارا حاصل کر لینا چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ نے تمام امور میں اعتدال کو پسند فرماتے ہوئے **خیر الامور اوسطھا** کی تلقین کی۔ دانشمندوں نے بے جا لاڈ پیار اور بلا جواز سرزنش کو خیر سے خالی قرار دیا ہے کہ جہاں بے جا لاڈ پیار بگاڑ پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے تو وہیں ہر وقت کا غصہ و دبدبہ وقار میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔ آج سے محض دو تین عشرے قبل ہماری تعلیم و تربیت جن اساتذہ کے ہاتھوں ہوئی، وہ بے تحاشا شفقت و محبت کے ساتھ ساتھ ڈانٹ ڈپٹ اور مناسب سی کھچائی کو اپنا فرض اولین سمجھتے تھے اور ہم جیسے شاگرد اگر گھر میں اس گوشمالی کا ذکر کرتے تو الٹا گھر والوں کا غصہ الگ سے برداشت کرنا پڑتا کہ ضرور تمہارا ہی قصور ہو گا اور یوں تعلیم کے ساتھ تربیت کا پہلو نمایاں رہتا۔ شیخ سعدی شیرازی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''گلستان سعدی'' کے باب ہفتم، میں جو کہ ''تاثیر تربیت'' کے عنوان پر مشتمل ہے، میں ایک بادشاہ کی حکایت لکھی ہے جس نے اپنے ولی عہد کو ایک ایسے استاد کے پاس تعلیم و تربیت کیلئے بھیجا جو مار پیٹ کرتا تھا۔ بادشاہ نے استاد کو بلا کر پوچھا کہ تم شہزادے پر رعایا کے بچوں سے زیادہ سختی کیوں روا رکھتے ہو؟ استاد نے جواباً کہا کہ عمدہ اخلاق اور اچھی تعلیم و تربیت سب کے لئے بہت ضروری ہے لیکن عوام کی بجائے شاہ زادوں کو اس لئے بھی اس تربیت کی زیادہ ضرورت ہے کہ کل کلاں کو جب یہ تخت و تاج سنبھالیں گے تو رعایا ان کی پیروی کرے گی سو بادشاہوں کو ناپسندیدہ امور سے احتراز کرنا چاہیے کہ قریہ قریہ بدنام نہ ہو جائیں۔ جس نے بچپن میں ادب نہ سیکھا تو بڑے ہو کر اس میں بھلائی نہ ہو گی کہ گیلی لکڑی کو تو بآسانی موڑا جا سکتا ہے لیکن خشک لکڑی کو موڑنے کے لئے آگ کی تپش درکار ہوتی ہے۔ جو شاگرد استاد کی ڈانٹ نہیں سہتا تو پھر وہ زمانے کے ظلم کا شکار ہو جاتا ہے۔ بادشاہ استاد کی یہ باتیں سن کر خوش ہوا اور اس کے

مقام و مرتبے میں اضافہ کیا۔ سعدی نے اسی باب میں ایک اور معلم کی داستان لکھی ہے جو سخت گیر تھا۔ اس کی سختیوں کی وجہ سے لوگوں نے اسے نکال باہر کیا اور اس کی جگہ ایک فرشتہ سیرت استاد مقرر کیا گیا جو بہت نرم مزاج تھا۔ نئے استاد کی بیجا نرمی اور لاڈ پیار نے بچوں میں بگاڑ پیدا کر دیا اور وہ ہر وقت آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے۔ اس صورت حال سے تنگ آ کر اہل علاقہ دوبارہ منت سماجت کر کے پہلے والے استاد کو واپس لے آئے تاکہ جنوں بھوتوں کا روپ دھار چکنے والے یہ بگڑے بچے دوبارہ راہ راست پر آ جائیں۔ سعدی یہاں شوخ مزاجی سے لکھتے ہیں کہ میں نے اس ظالم استاد کی آمد کا سن کر لاحول پڑھی تو ایک دانا بوڑھے نے میری بات سن کر کہا کہ ایک بادشاہ نے شہزادے کو پڑھنے کے لئے مکتب بھیجا اور لکھنے کے لئے اسے چاندی کی تختی لے کر دی اور اس تختی پہ آب زر سے لکھا کہ "جور استاد بہ ز مہر پدر" یعنی استاد کی سختی باپ کی محبت سے بہتر ہے کہ یہ اس کی تربیت کیلئے از حد ضروری ہے۔

(گلستان سعدی باب ہفتم صفحہ نمبر ۲۱۵،۲۱۶)

-: ہر وقت استغفار کی کثرت کرنی چاہئے :-

آپ علیہ الرحمہ سے کسی نے استغفار کی کثرت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارے حضرت ثالث خواجہ محمد اکرم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ہر وقت استغفار کی کثرت کیا کرتے تھے حتی کہ چلتے ہوئے بھی استغفار پڑھتے رہتے اور بہتر استغفار "أستغفر الله ربي من كل ذنب و أتوب اليه" ہے ورنہ استغفار کے اور بھی الفاظ ہیں پھر آپ نے استغفار کے متعلق واقعہ ارشاد فرمایا کہ حضرت امامِ حسن رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ کے پاس تشریف لے گئے تو آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ سے حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ کے ایک ملازم نے کہا کہ میں مالدار آدمی ہوں مگر میرے ہاں کوئی اولاد نہیں، مجھے کوئی ایسی چیز بتائیے جس سے اللہ عَزَّوَجَلَّ مجھے اولاد دے۔ آپ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنۡہُ نے فرمایا: استغفار پڑھا کرو۔ اس نے استغفار کی یہاں تک کثرت کی کہ روزانہ سات سو مرتبہ استغفار پڑھنے

لگا، اس کی برکت سے اس شخص کے ہاں دس بیٹے ہوئے، جب یہ بات حضرت امیر معاویہ رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اس شخص سے فرمایا کہ تو نے حضرتِ امام حسن رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ سے یہ کیوں نہ دریافت کیا کہ یہ عمل حضور نے کہاں سے فرمایا۔ دوسری مرتبہ جب اس شخص کو حضرتِ امام حسن رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو اس نے یہ دریافت کیا۔ حضرتِ امام حسن رَضِیَ اللہ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ تو نے حضرت ہود عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا قول نہیں سنا جو اُنہوں نے فرمایا: "وَ یَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ" اور حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کا یہ ارشاد نہیں سنا: یُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِیْنَ۔ (مدارک، ہود، تحت الآیۃ: ۵۲، ص ۵۰۲) قرآن پاک میں سورۃ نوح میں اللہ تعالٰی نے اس آیت (اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا) میں استغفار کے بارے میں فرمایا! کہ میں تمھیں آسمانوں اور زمینوں کی نعمتیں دوں گا، (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۳)

توضیح ملفوظ:-

اور ایک شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ کو خشک سالی کی شکایت کی تو حسن بصری رحمہ اللہ نے انہیں کہا: "اللہ سے استغفار کرو" دوسرے شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ کو تنگ دستی کی شکایت کی تو حسن بصری رحمہ اللہ نے انہیں کہا: "اللہ سے استغفار کرو" تیسرے شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ سے اولاد کیلئے دعا کی درخواست کی تو حسن بصری رحمہ اللہ نے انہیں کہا: "اللہ سے استغفار کرو" چوتھے شخص نے حسن بصری رحمہ اللہ کو اپنے باغ کے خشک ہو جانے کی شکایت کی تو حسن بصری رحمہ اللہ نے انہیں بھی کہا: "اللہ سے استغفار کرو" تو ہم نے اُن سے سب کو یکساں جواب دینے کے بارے میں استفسار کیا!؟ تو حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا: "میں نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی، کیونکہ اللہ تعالٰی سورۃ نوح میں فرماتے ہیں: "فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّکُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا ﴿۱۰﴾ یُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْکُمْ مِّدْرَارًا ﴿۱۱﴾ وَّیُمْدِدْکُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِیْنَ وَیَجْعَلْ لَّکُمْ جَنّٰتٍ وَّیَجْعَلْ لَّکُمْ اَنْھٰرًا ﴿۱۲﴾" ترجمہ: چنانچہ میں [نوح] نے ان سے کہا: تم اپنے

پروردگار سے مغفرت مانگو، بیشک وہ بخشنے والا ہے۔ وہ تم پر موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا۔ اور تمہاری مال و اولاد کے ذریعے مدد کریگا، اور تمہارے لیے باغات و نہریں بنادے گا۔“ (سورہ نوح، آیت نمبر ۱۰،۱۱،۱۲)(تفسیر قرطبی:۱۸،۳۰۱-۳۰۳)

آپس میں محبت اور بھائیوں کی طرح رہو:-

(آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مریدین، متعلقین اور طلبہ سے) فرمایا کہ تم آپس میں محبت سے رہو، کوئی پٹھان ہے کوئی کشمیری ہے جو کوئی بھی ہے کیونکہ فرمان رب کریم ہے ”إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ“ (سورۃ الحجرات الآیۃ:۱۰)، کہ مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔

اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے کہ مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے ایک عمارت کی طرح ہے جس کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو مضبوط کرتی ہے۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۵۹،۶۰)

توضیح ملفوظ:-

درگاہ عالیہ چشتیہ فاضلیہ گڑھی شریف کے مریدین و متعلقین یوں تو پورے پاکستان میں موجود ہیں لیکن خاص کر کشمیر، خیبر پختون خواہ کے پشاور، لکی مروت اور ہزارہ ڈویژن میں، پنجاب میں لاہور، میانوالی، بھکر میں کافی تعداد میں عوام الناس درگاہ عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف سے منسلک ہیں، اور اکثر گڑھی شریف آنا جانا ہوتا ہے، اس وجہ سے حضور زبدۃ المشائخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتفاق واتحاد کا درس دیا، کیونکہ دین اسلام ہمیں یہی سکھاتا ہے قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر اسلامی اُخوت و بھائی چارے کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، چنانچہ ارشادِ باری ہے: ”وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا“ (پ۴، الِ عمران:۱۰۳)

اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر اور آپس میں پھٹ نہ جانا (فرقوں میں نہ بٹ جانا)

ایک اور جگہ پر ارشاد فرمایا کہ !إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ۔ (پ۲۶، الحجرات ۱۰)

مسلمان مسلمان بھائی ہیں۔

یہ رشتہ تمام دنیوی رشتوں سے مضبوط تر ہے۔ اُخوت و بھائی چارے کی اہمیت کا مزید اندازہ ان احادیثِ کریمہ سے لگائیے: عَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا

(صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۸۵)

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لیے ایک عمارت کے مانند ہے، جس کی ایک (اینٹ) دوسری (اینٹ) کو مضبوط کرتی ہے۔"

دوسری حدیث مبارکہ ہے عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى

(صحیح مسلم حدیث نمبر ۲۵۸۶)

زکریا نے ہمیں شعبی سے حدیث بیان کی، انہوں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، کہا: رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: "مسلمانوں کی ایک دوسرے سے محبت، ایک دوسرے کے ساتھ رحم دلی اور ایک دوسرے کی طرف التفات و تعاون کی مثال ایک جسم کی طرح ہے، جب اس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی سارا جسم بیداری اور بخار کے ذریعے سے (سب اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر) اس کا ساتھ دیتا ہے۔"

تیسری حدیث مبارکہ میں ہے کہ! أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَخْبَرَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(صحیح بخاری حدیث نمبر ۲۴۴۲)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
”مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، لہٰذا نہ وہ اس پر ظلم کرے اور نہ اسے ظلم کے حوالے ہی کرے۔ اور جو شخص اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے میں مصروف ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت پوری فرمائے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کی مصیبت کو دور کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور کرے گا، نیز جو شخص کسی مسلمان کا عیب چھپائے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی پردہ پوشی کرے گا۔“

معلوم ہوا! مسلمانوں میں باہمی اُخوت وبھائی چارہ شرعاً مطلوب ہے۔ اللہ کریم مسلمانوں کو اُخوت وبھائی چارے کی اہمیت سمجھنے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین بجاہِ خاتم النبیین ﷺ

☜ -:امام مالک رحمہ اللہ اور بارگاہ نبوی ﷺ کا ادب-:

آپ (شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ، مسجد نبوی میں پڑھا رہے تھے اور اس محفل میں اس وقت کے عباسی خلیفہ بھی موجود تھے۔ عباسی خلیفہ اونچے اونچے بولنے لگے تو (حضرت امام) مالک نے فوراً درس چھوڑا اور خلیفہ کے پاس جا کر کہا ”اتق اللہ“ خلیفہ اللہ سے ڈرو، اللہ تو حکم دیتا ہے کہ نبی کے قریب اونچی آواز سے نہ بولو اور آپ شور کر رہے ہیں، حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اتنے جذبات سے بات کی کہ خلیفہ کانپ گیا اور پسینہ پسینہ ہو گیا۔ (ملفوظات، از صوبیدار عبد الرشید، صفحہ نمبر ۲۲)

توضیح ملفوظ-:

شفاء شریف میں قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ اس پورے واقعہ کو یوں لکھتے ہیں کہ خلیفہ ابو جعفر منصور نے حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسجدِ نبوی شریف میں مناظرہ کیا، دورانِ مناظرہ ابو جعفر کی آواز کچھ بلند ہوئی تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فرمایا: اے امیرُ المؤمنین! اس مسجد میں اپنی آواز اونچی نہ کرو، کیونکہ اللہ

پاک نے ایک جماعت کو ادب سکھاتے ہوئے ارشاد فرمایا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ

(پ۲۶، الحجرات:۲)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں نبی کی آواز پر اُونچی نہ کرو

دوسری جماعت کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (پ۲۶، الحجرات:۳)

بیشک جو لوگ اللہ کے رسول کے پاس اپنی آوازیں نیچی رکھتے ہیں

اور ایک قوم کی مذمّت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ (پ۲۶، الحجرات:۴)

بیشک جو لوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں

پھر حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: رسولِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عزّت اب بھی اسی طرح ہے، جس طرح آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی ظاہری زندگی میں تھی۔ یہ سُن کر ابو جعفر خاموش ہو گیا، پھر پوچھا: اے ابو عبد اللہ! میں قبلے کی طرف منہ کر کے دعا مانگوں یا، رَسُولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف متوجہ ہو کر؟ فرمایا: تم کیوں حضورِ انور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے منہ پھیرتے ہو؟ حالانکہ حضورِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم تمہارے اور تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام کے قیامت کے دن اللہ پاک کی بارگاہ میں وسیلہ ہیں بلکہ تم نبیِّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی کی طرف متوجہ ہو کر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے شفاعت مانگو، پھر اللہ کریم آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ (شفاء، القسم الثانی، الباب الثالث، فصل واعلم انّ حرمۃ النبی۔۔۔ الخ، الجزء الثانی، ص ۴۱)

حضرت امام مالِک رحمہ اللہ تعالیٰ ایک ایسے عاشقِ رسول تھے، جو اپنی ذات کے لئے تو سب کچھ برداشت کر لیا کرتے تھے، لیکن اگر کسی شخص کو رسولِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کی مسجد شریف میں آواز بلند کر کے بے ادبی کرتا پاتے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کی غیرتِ ایمانی کو جوش آجاتا، آپ رحمہ اللہ تعالیٰ اُس کی اس غیر مناسب حرکت پر خاموش نہ رہ پاتے اور اسی وَقْت اسے نیکی کی دعوت دیتے ہوئے بارگاہِ رسالت کے آداب یاد

دلاتے کہ یہ وہ مقدّس مقام ہے، جس کے آداب ہمارے پیارے ربِّ کریم نے اپنے پاکیزہ کلام قرآنِ کریم میں بیان فرمائے ہیں۔ اس واقعے میں جہاں حضرت امام مالک رَحْمَۃُ اللّٰہ عَلَیْہ کے عشقِ رسول کا پتا چلتا ہے، وہیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نیکی کی دعوت کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، مگر افسوس! اب نیکی کی دعوت کا جذبہ کم ہوتا جارہا ہے۔ ہم کیسے مسلمان ہیں کہ ہمارے اپنے گھر، پڑوس، گلی، محلے یا علاقے میں بُرائیاں ہورہی ہوتی ہیں، مگر ہم روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود بس اپنی اصلاح میں ہی مشغول رہتے ہیں اور انہیں نیکی کی دعوت نہیں دیتے،، نیکی کی دعوت دیتے وقت حکمتِ عملی سے اور اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

☜ -: منطق علوم کی خادم ہے -:

مولانا غلام یاسین شاہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ”منطق علوم کی خادم ہے۔“ پھر فرمایا کہ بالکل سچ فرمایا ہے کہ منطق علوم کی خادم ہے اس کے بغیر علم مکمل نہیں۔ اور تصوف کیلئے تو بہت ہی اس کی ضرورت ہے اس کے بغیر علم تصوف مکمل نہیں ہوتا۔ لیکن ہم نے اس کو اب پڑھنا چھوڑ دیا ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۷۵)

توضیح ملفوظ -:

منطق ایسا قانونی آلہ ہے جس کی رعایت کرنا ذہن کو فکری غلطی سے بچاتا ہے،

یوں تو ہر انسان کی فطرت ہے کہ وہ ہر بات کو دلیل کے آئینے سے دیکھتا ہے، معاملہ کے ہر پہلو کو مختلف پیرایوں سے ذہن میں ترکیب دیتا ہے، پھر ایک راہ متعین کرلیتا ہے، یہی منطق ہے، لیکن اس کا باقاعدہ اظہار سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے معجزانہ طریقے سے کر کے اپنے مخالفین کو ساکت و عاجز کیا، اس کے بعد حکیم افلاطون (المتوفی ۴۲۱ھ ق م) نے منطق کو وضع کیا، لیکن یہ تدوین نامکمل تھی، اس کے بعد حکیم ارسطاطالیس (ارسطو) (المتوفی ۴۲۲ق م) نے اسکندر رومی کے حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ

السلام سے ۳۳۲سال قبل منطق کو کامل طور پر یونانی زبان میں مدون کیا اور ''معلم اول'' کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۱۹۸ھ میں مامون الرشید کے زمانے میں یونانی فلسفہ عربی زبان میں منتقل کیا گیا تو منصور بن زح سامانی نے حکیم ابو نصر محمد بن طرقان فارابی کو دوبارہ تدوینِ منطق کا حکم دیا، اسی لئے فارابی کو ''معلم ثانی'' کہا جاتا ہے۔ مگر ان کی تحریریں کچھ منتشر تھیں، اس وجہ سے سلطان مسعود نے شیخ ابو علی حسین بن عبد اللہ بن سینا المعروف بو علی سینا (المتوفی ۴۲۷ھ) کو منطق کی تدوین کا حکم دیا، انہوں نے منطق کو انتہائی بسط و تفصیل کے ساتھ تیسری دفعہ مدون کیا اور فارابی کی تصانیف سے استفادہ کر کے اٹھارہ جلدوں میں ''الشفاء'' جیسی عظیم المرتبت کتاب لکھی اور ''معلم ثالث'' اور شیخ المنطق جیسے القابات سے ملقب ہوئے۔

مسلمانوں کو تقریباً پہلی دو صدیوں تک یونانی علومِ منطق و فلسفہ کا کوئی علم نہ تھا، لیکن تیسری صدی ہجری میں جب اسلام کے حلقہ بگوشوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور عجم بھی جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے تو یونانی فلاسفہ مشرک اور بت پرست عقلی راہ سے اسلام پر حملہ آور ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر اعتراضات کرنے لگے۔ اہل حق اس فتنہ کی سر کوبی کے لئے چاق و چوبند ہو گئے، تاکہ انہیں ترکی بہ ترکی جواب دیا جائے اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اس فن کی اصطلاحات اور طریقۂ استدلال سے شناسائی حاصل کی جائے۔ اس وقت سے اُسے سیکھنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، چنانچہ امام غزالیؒ نے اس فن کو کام میں لایا اور اصولِ فقہ کی کتاب ''المستصفی'' میں منطق کے اصول داخل کئے، پھر آخر عمر میں ان پر تصوف کا غلبہ ہوا تو انہوں نے منطق پر رد کر کے ''تہافۃ الفلاسفۃ'' لکھی اور ایک صدی تک فلسفہ و منطق کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کر کے اس علم کو نیم جان کر دیا، پھر ابن رُشد نے امام غزالیؒ کے رد میں ''تہافۃ التہافۃ'' لکھی اور علم منطق کو پھر سے حیات بخشی۔

متقدمین کے نزدیک علم منطق آلہ اور ذریعہ کی حیثیت رکھتا تھا، مقصود بالذات نہ تھا، بلکہ علومِ نقلیہ کے حصول کے لئے ذریعہ تھا۔

احادیثِ مبارکہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ کوئی بھی علم خواہ کسی بھی زبان و قوم سے تعلق رکھتا ہو، اُس کا سیکھنا مباح، بلکہ بعض اوقات ضروری اور واجب ہو جاتا ہے، چنانچہ شارح ”میزان المنطق“ فرماتے ہیں: ”عقلی طور پر یہ بات ثابت اور مسلم ہے کہ آیات قرآنیہ اور آثارِ نبویہ سے استدلال کر کے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت حاصل کرنا واجب ہے، اب مذکورہ طریقے سے اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کی معرفت کا حصول علم منطق پر موقوف ہے، لہٰذا ”مقدم الواجب واجب“ کے قاعدے سے علم منطق کا سیکھنا سکھانا واجب ہے۔“

امام غزالیؒ احیاء العلوم میں فرماتے ہیں کہ: ”علم منطق میں دلائل و براہین اور تعریفات و حدود کے شرائط و علل سے بحث ہوتی ہے اور ان چیزوں کی معرفت واجب الکفایۃ ہے، لہٰذا علم منطق کا سیکھنا بھی واجب علی الکفایہ ہو گا اور جن کتب میں اس کی ممانعت ہے، اس سے مراد وہ منطق ہے جس میں معتزلہ و فلاسفہ و دیگر فِرَق ضالہ کے بے فائدہ شبہات و فضولیات ہیں۔“

شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں کہ: ”علم منطق کی مثال تلوار و بندوق کی ہے، اگر ان کے خریدنے کا مقصد قتل ناحق، رہزنی و غارت گری، مجادلہ و مکابرہ اور دین اسلام کے مقرر کردہ اصول و ضوابط کا رد و ابطال ہو تو سیکھنا ناجائز ہے، ورنہ جائز، بلکہ ضروری ہے۔“

اگر علم دین کے ساتھ منطق اس غرض سے پڑھا جائے کہ اس سے فہم و استدلال میں سہولت ہوتی ہے تو یہ صرف و نحو کی طرح جائز ہے اور اگر ابطالِ شرع کا کام لیا جائے تو پھر ناجائز اور تلبیسِ ابلیس شقی ہے۔ علامہ عبد العزیز پرہارویؒ شرح عقائد کی شرح ”نبراس“ میں لکھتے ہیں کہ:

”علماء حضرات نے علم منطق کے متعلق جو لکھا اور اس کی تعلیم سے روکا، وہ چار قسم کے لوگوں کے لئے ہے: ایک: وہ حضرات جو متعصب فی الدین ہونے کے ساتھ ساتھ حق کی اطاعت نہیں کرتے، جب اس قسم کے لوگ علم منطق و کلام سیکھیں گے تو ان کے تعصب میں اور بھی اضافہ ہو گا۔ دوسرے: وہ حضرات جن کی قوت عاقلہ تیز نہیں ہے اور

منطق کے حقائق تک ان کو رسائی نہیں ہو سکتی، اس قسم کے لوگ جب علم منطق سیکھیں گے تو ایمان خطرے میں ہو گا۔ تیسرے: وہ حضرات جو فلاسفہ و مناطقہ کے دقائق اور غیر ضروری باتوں میں اس طرح گھس جاتے ہیں کہ عقائد اسلامیہ اور محتاج الیہ اشیاء کو چھوڑ دیتے ہیں۔ چوتھے: وہ حضرات جو عند التعارض منطق کو کتاب و سنت پر ترجیح دیتے ہیں۔"

بہر حال آج بھی اگر اس کے قواعد وضوابط کی رعایت و پابندی کی جائے تو انسان غلطی سے محفوظ رہ سکتا ہے، لیکن اگر کوئی اس کو صحیح عقیدے کے خلاف استعمال کرے تو یہ خود اس کا قصور ہو گا، نہ کہ فن کا۔

علم منطق سے علوم شرعیہ میں عمقِ نظر اور دقتِ فکر پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کو استعداد کے لئے پڑھا جائے تو خدائی نعمت ہے اور اس سے دینیات سمجھنے میں معاونت ملتی ہے، لطیف فرق اس سے سمجھ میں آتے ہیں۔ علوم نقلیہ غذائیں اور علوم عقلیہ دوائیں ہیں، اول الذکر مقاصد میں سے ہیں اور ثانی الذکر ضروریات میں سے ہیں اور ضروریات کو ضروریات کی حد تک استعمال کیا جاتا ہے، اس میں غلو ممنوع ہے۔

ابو نصر فارابیؒ نے علم منطق کو رئیس العلوم کہا ہے، کیونکہ صحت و سقم، قوت و ضعف میں منطق جملہ علوم پر حاکم ہے۔ بو علی سیناؒ نے اس کو "خادم العلوم" کہا ہے اور مزید لکھا ہے کہ علم منطق جملہ علوم کے ادراک و تحصیل میں معین و مددگار ہے، جو اس کو نہیں جانتا وہی اس کو چھوڑتا ہے اور اس کی منفعت کا انکار کرتا ہے۔

امام غزالیؒ کا قول ہے: "من لم يعرف المنطق فلا ثقة له في العلوم أصلا۔" یعنی جو منطق نہیں جانتا، اُسے علوم میں پختگی بالکل نہیں ہوتی۔

شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں: "اس کی حیثیت آلے کی ہے اور آلہ ہمیشہ اس چیز کا تابع ہوتا ہے جس کا اسے آلہ بنایا جائے۔"

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ: "مگر منطق کہ خادم ہمہ علوم است، خواندنِ آں البتہ مفید است۔" ترجمہ: مگر منطق جو تمام علوم کے لئے خادم ہے، اس کا پڑھنا یقیناً مفید ہے۔

جلال الدین رومیؒ فرماتے ہیں کہ: ”منطق اور حکمت تھوڑا بہت سیکھ لینا مباح ہے۔“

منطق کے فوائد پر نظر ڈالتے ہوئے علامہ طحطاویؒ فرماتے ہیں کہ: ”یہ اعم العلوم ہے، کیونکہ اس کے ذریعے جاہل، عالم، دیہاتی شہری سب کے اندر قوت گویائی پیدا ہوتی ہے۔“

ان تمام دلائل وشواہد وبراہین سے معلوم ہوا کہ علم منطق کا حصول ضروری ہے۔ علم منطق اگرچہ علوم مقصودہ میں سے نہیں، لیکن مفید ہے اور علوم آلیہ میں سے ہے۔ یہ مبتدیوں کے لئے تربیت ہے اور کاملین کے لئے تکمیل فکر ہے۔ اس کے ذریعے تعقل، ذہنی ورزش اور تشحیذ اذہان ہوتی ہے۔ عقلیت پسند ملحدین اور فلاسفہ کا رد اسی کے ذریعے ممکن ہے۔ ذہنی نظم، فکری کاوش اور سلف کے علمی ذخیرے سے استفادہ اسی کے ذریعے ممکن ہے۔ ملحدین، مستشرقین اور عقل پرستوں کے اسلام پر نظریاتی حملوں کا جواب اور ان کے دلائل کی کاٹ اور ان کے قائم کردہ شبہات کے قلعوں کو ریت کی دیوار ثابت کرنے کے لئے ”وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ،“ پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اس فن کو اپنے سینے سے لگا کر اس کو اپنا حق دلانا ہوگا۔

☜ چھوٹے چھوٹے اعمال لیکن اجر زیادہ:-

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ (کچھ) چھوٹے چھوٹے اعمال ہیں لیکن ان پر عمل پیرا ہونے میں اجر زیادہ ہے ان میں سے ایک یہ کہ مسجد میں دائیں پاؤں سے داخل ہوں اور بائیں پاؤں سے نکلیں، اور قبلہ شریف کی طرف نہ تھوکیں فرمایا کہ اسی طرح (اور بھی) چھوٹی (چھوٹی) باتیں (شریعت مطہرہ) میں ہیں یہ ہیں تو (چھوٹی) لیکن انکا اجر بہت زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ بھی خوش اور راضی ہوتا ہے۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۱۳۸)

توضیح ملفوظ:-

مسجد میں داخل ہونے کے بارے میں صحابیِ رسول حضرت انس رضی اللہ

عنہ فرماتے ہیں کہ:"من السنة إذا دخلت المسجد أن تبدأ برجلك اليمنىٰ وإذا خرجت أن تبدأ برجلك اليسرىٰ" (اخرجہ الحاکم ج ا ص ۲۱۸ ط، دائرۃ المعارف العثمانیۃ)

ترجمہ: سنت طریقہ یہ ہے کہ جب مسجد میں داخل ہوں تو دائیں پاؤں سے شروع کریں اور جب نکلیں تو بائیں پاؤں سے شروع کریں۔

اور قبلہ کی طرف نہ تھوکیں مسجد کے آداب کے علاوہ قبلے کے احترام میں یہ چیز انتہائی اہم ہے کہ اس کی سمت میں نہ تھوکا جائے، سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے راوی کا خیال ہے کہ وہ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مَنْ تَفَلَ تُجَاهَ الْقِبْلَةِ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَفْلُهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ، وَمَنْ أَكَلَ مِنْ هَذِهِ الْبَقْلَةِ الْخَبِيثَةِ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا۔" ثَلَاثًا۔"جس شخص نے قبلہ رخ تھوک دیا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا تھوک اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی پر) ہو گا اور جو شخص یہ ناپسندیدہ سبزی (لہسن یا پیاز) کھائے تو وہ ہماری مسجد کے قریب نہ پھٹکے" آپ نے یہ بات تین دفعہ ارشاد فرمائی۔

(سنن ابو داؤد حدیث نمبر ۳۸۲۴)

بغیر کسی صحیح عذر کے جان بوجھ کر قبلہ شریف کی طرف ٹانگیں پھیلانا، تھوکنا اور پیشاب کرنا شرعاً ممنوع و مکروہ افعال ہیں کہ اس طرح کرنے میں قبلہ شریف کی بے ادبی ہے۔ ان افعال میں ٹانگیں پھیلانے کا حکم مکروہ ہے، جبکہ تھوکنے کی ممانعت زیادہ شدید ہے اور اسے حدیث مبارک میں اللہ تعالیٰ و رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ کو ایذا دینا قرار دیا ہے۔

اللہ کریم نے ایسی چیزوں کی تعظیم کے بارے میں فرمایا"ان الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ""بیشک صفا اور مروہ شعائر اللہ میں سے ہیں۔"

اور ایک اور جگہ پر ہے"وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ"اور جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کی پرہیز گاری سے ہے۔

وہ تمام ارکان، مقامات اور اشیاء جن کا تعلق دین کے کسی نہ کسی گوشہ سے ہے

اور انسان کو اللہ کی یاد دلاتی ہیں اور دین کی عظمت و حشمت کا مظہر ہیں اور سید الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبت رکھنے والی ہر جگہ، اور ہر چیز اللہ کے نشانوں میں سے ہے وہ سب کی سب شعائر اللہ ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم بذات خود تقویٰ و پرہیز گاری کی علامت ہے۔

درود سلسلہ چشتیہ:-

درود شریف کے بارے میں ایک دفعہ فرمایا کہ درود "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔" بڑا جامع بھی ہے اور آسان بھی کیوں کہ اس میں درود بھی ہے اور سلام بھی اور برکت بھی اور ہمارے سلسلہ چشتیہ میں بھی درود شریف یہی ہے لیکن ہمارے سلسلہ چشتیہ کے مجدد حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی فرماتے ہیں کہ اس میں اگر "سیدنا" کا اضافہ کیا جائے تو یہ زیادہ افضل ہے یعنی "اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سیدنا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِ سیدنا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔" (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۶۷)

کون سا درود پاک پڑھیں؟

ایک موقع پر نصر اللہ خان (خادم حضرت صاحب) نے عرض کی کہ حضور وہ ایک شخص (جنان خان تتر خیل لکی مروت) اشارہ سے بتاتے ہوئے عرض کیا کہ وہ صرف درود ابراہیمی پڑھتا ہے اور کوئی درود نہیں پڑھتا، اس آدمی کو بلا کر پوچھا کہ کون سا درود پڑھتے ہو تو وہ درود ابراہیمی سنانے لگا تو آپ نے اسے سمجھایا کہ پہلے تو تم یہ درود شریف غلط پڑھ رہے ہو پھر آپ اسے سکھانے لگے، پھر آپ نے فرمایا کہ میری بات کا اصل مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾" یہ آیت تلاوت کی کہ اس آیت کریمہ میں مؤمنین کو درود کے ساتھ ساتھ سلام کا بھی حکم دیا ہے جبکہ درود ابراہیمی میں درود تو ہے مگر سلام نہیں ہے آپ نے فرمایا کہ بے شک درود ابراہیمی سب سے افضل درود ہے کیونکہ نماز میں جو عبادت ہے وہ سب سے افضل ہے لیکن اس میں نماز کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے آیت کریمہ کی رو سے اس حکم کی تعمیل نہیں ہوتی آیت میں صیغہ "يُصَلُّوْنَ"

لایا گیا ہے جو ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے ہمارے نبی پر ہمیشہ ہمیشہ درود بھیجتے ہیں اور صلوا علیہ امر کا صیغہ ہے اور وسلموا بھی امر کا صیغہ ہے اور پیچھے تسلیما پر تاکید خاص ہے، فرمایا کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اور درود ہیں ہی نہیں حالانکہ حضور پاک ﷺ نے بہت سے درود تعلیم فرمائے ہیں، پھر حضور (خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) نے اس غلام (عبد الوہاب) سے فرمایا کہ اس آدمی کا درود شریف ٹھیک کروادیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۶۴)

حصول رزق کے لئے کوشش:-

حضور سیدی مد ظلہ نے حضرت شیخ سعدی کا واقعہ بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا! کہ ایک شخص جنگل میں سے گزرا تو ایک لومڑی کو بغیر ہاتھ پاؤں کے دیکھا۔ تو سوچا اس کو روزی کیسے ملتی ہو گی؟ پھر دیکھا کہ ایک شیر نے شکار کر کے کھا کر بچا کچا وہیں چھوڑ دیا۔ لومڑی نے وہ کھا کر اس کے بعد گھسیٹ کر پانی پینے گئی۔ جب دیکھا تو سوچا روزی بغیر مشقت کے ملتی ہے۔ تو مسجد میں عبادت کرنے بیٹھ گیا۔ تیسرے دن جب کچھ نہ ملا تو گلہ شکوہ کیا کہ لومڑی کو ویسے ہی بغیر ہاتھ پاؤں اور بغیر محنت کے رزق دی۔ اور میں جو کہ تیری عبادت کے لئے بیٹھا پھر بھی نہ دیا۔ تو غیب سے آواز آئی کہ لومڑی نہ بن بلکہ شیر بن اور دوسری لومڑیوں کو کھلا۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۸)

توضیح ملفوظ:-

گلستان سعدی میں حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اس حکایت میں بیان کرتے ہیں کہ رزق پہنچانے کا انتظام اللہ کی طرف سے ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ بندہ اچھا بھلا ہو اور وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے کہ اللہ نے جب رزق دینے کا وعدہ کیا ہے تو بیٹھے بٹھائے رزق پہنچائے گا بلکہ اس کے لئے اسے جستجو کرنا ضروری ہے۔ محنت کرنے کے بعد ہی پھل کھانا مزہ دیتا ہے۔ وہ لوگ جو محتاج ہیں اور محنت نہیں کر سکتے ان کا انتظام قدرت کی جانب سے ایسا ہوتا ہے کہ انسان سوچ بھی نہیں سکتا، لیکن یہ سب ایک نظام کے تحت ہوتا

ہے اور یہ ہر ایک کی خواہش کے تابع نہیں ہے۔

دنیا دارالاسباب ہے، اور انسان اسباب اختیار کرنے کا مکلّف ہے، لہٰذا دنیا میں رزق کے حصول کے لیے جائز اسباب اختیار کرنے کا حکم ہے، اسی وجہ سے حدیث مبارکہ میں حلال رزق کے حاصل کرنے کو فرائض کے بعد فرض کہا گیا ہے مشکاۃ المصابیح میں ہے: ”عن عبد اللہ بن مسعود قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”طلب کسب الحلال فريضة بعد الفريضة۔“ رواہ البيهقي في شعب الإيمان۔“

(۲/۸۴۷، کتاب البیوع، باب الکسب وطلب الحلال، ط: المکتب الاسلامی)

اور رزق کے حصول کے اسباب اور تدبیر اختیار کرنے کے بعد جو کچھ رزق ملے گا وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے ہی سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تمام چیزیں مقدر کر دی ہیں ان کے اسباب بھی مقدر کر دیئے ہیں لیکن جس حد تک اسباب انسان کے اختیار میں رکھے ہیں ان اسباب کا اختیار کرنا انسان پر واجب ہے، اسباب تلاش کرنا اور انھیں اختیار کرنا انسان کے اختیار کی چیز ہے، لہٰذا انھیں اپنانا اُن کے لیے کوشش کرنا بھی لازمی ہے۔

☜ مثنوی مولانا روم اور گلستان سعدی:-

آپ نے فرمایا کہ مثنوی مولانا روم رحمہ اللہ تعالیٰ اور گلستان سعدی ہر کسی کو پڑھانی (پڑھنی) چاہیے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۶)

توضیح ملفوظ:-

اسلامی ادب اور تاریخ میں ایسی کتابیں شاذ و نادر ہی پڑھنے کو ملیں گی، جن کی اثر پذیری اور وقعت واہمیت کئی صدیوں سے قائم ہے۔

صاحب مثنوی مولانا جلال الدّین رومی اپنے زمانے کے بڑے عالمِ دین، فقیہ و مدرّس اور اعلیٰ پائے کے خطیب تھے۔ انھوں نے کئی تشنگانِ علم کی پیاس بجھانے کے لیے

درس کا اہتمام کیا اور تعلیم دی۔ کہتے ہیں اس دور کے سلاطین اور امراء بھی ان کے پاس حاضری دینے کو سعادت سمجھتے تھے اور مولانا رومی عوام کے محبوب عالم اور مدرس تھے۔

مولانا رومی کا درس و تدریس کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک روز زندگی نے پلٹا کھایا اور وہ مولانا جلال الدّین، مولائے رومؒ بن گئے۔ روایت ہے کہ ایک روز ایک مجذوب سے اُن کی ملاقات ہوئی، جس نے ان کے ظاہری علم اور مرتبے پر اپنی روحانی طاقت اور چشمِ باطن سے وہ اثر کیا کہ ہمیشہ کے لیے ان کے اسیر ہو گئے۔ وہ شمس تبریزؒ تھے جن سے ملنے کے بعد مولانا روم کی زندگی کا وہ باب شروع ہوا جس نے ان کو دائمی شہرت بخشی۔ عشق و مستی کی شمس تبریز کی صحبت اور ان کے زیرِ سایہ تربیت کے نئے سلسلے نے مولانا کو معرفت کی جو منازل طے کروائیں، اس کے بعد وہ سراپا سوز و ساز بن گئے۔ اس حوالے کئی واقعات اور روایات پیش کی جاتی ہیں جن میں مرشد کی نگاہِ عرفان اور عشق و مستی کے ساتھ فیض پانے کا ذکر ہے اور یہ ایک تفصیلی باب ہے۔

مولانا جلال الدّین رومی کی مثنوی ایسی ہی ایک کتاب ہے جو دل کے اندر سوز و گداز اور تڑپ پیدا کر دیتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ علما اور صوفیا بھی دنیا و آخرت کے نفع و نقصان کو سمجھانے اور ظاہر و باطن کو سنوارنے کے لیے اس سے مدد لیتے رہے ہیں۔ مولانا رومیؒ نے ہر قسم کے سود و زیاں، نفع و نقصان، معاشرت سے لے کر زندگی اور موت تک لوگوں کو سکھانے اور تلقین کرنے کے لیے نہایت خوب صورت انداز میں حکایات کا سہارا لیا۔ اس مثنوی کا پُراثر پیرایہ بھی قابلِ ذکر ہے اور اس میں بیان کردہ واقعات آج بھی اصلاحِ نفس کی ترغیب دینے کے لیے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس لئے شیخ طریقت حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے پڑھنے اور پڑھانے کی تلقین کی ہے۔

اسی طرح ایک بہت ہی خوبصورت اور حسن اخلاق کی حکایتوں سے آراستہ کتاب گلستان کے بارے میں تلقین کی کیونکہ شیخ سعدی کی حکایتوں میں زندگی کی حقیقتیں پنہاں ہیں۔ شیخ سعدی کی حکایتوں کو پڑھ کر بے اختیار دل جھوم اٹھتا ہے، گلستان سادہ اخلاقی

حکایتوں پر مبنی نثر کی وہ بہترین تصنیف ہے جس کے معنوں میں ایک جہان پوشیدہ ہے۔

گلستان کی حکایتیں انسانوں کے دلوں کو چھولیتی ہیں عوام اور معاشرے کی بات کرتی ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ شیخ سعدی نے اس میں نہایت دل نشین اور نرم انداز میں اخلاقیات کا درس دیا ہے جو دلوں کو بوجھل نہیں بلکہ نصیحتوں سے آراستہ کرتا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں کئی سو برسوں سے گلستان پڑھی اور پڑھائی جارہی ہے۔

☜ ہم کسی کو بھولتے نہیں:۔

لکی مروت میں حضور کی صاحبزادی محترمہ کے مکان میں ہم چند لوگ حضور کی خدمت میں حاضر تھے۔ جبکہ آپ جناب کی طبیعت شریف ناساز تھی۔ اس وقت ہم لوگ گھروں کو واپس لوٹنے والے تھے تو جھنگ خیل کے بہرام چاچا نے یہ بات کی کہ حضور ہم غریبوں کو بھلا نہ دینا۔ اس پر آپ جناب نے فرمایا! کہ حضرت ثانی خواجہ عبد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کشمیر کے کسی علاقے میں جانے کے لیے سفر پر تھے کہ ایک اجنبی پٹھان بھی آپ کے راستے میں ہمسفر ہو گیا راستے میں ایک مقام پر کسی وجہ سے راستہ بند تھا اور پولیس والوں نے پابندی لگا رکھی تھی انہوں نے حضرت ثانی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آپ کو اجازت ہے آپ جاسکتے ہیں۔ لیکن کوئی دوسرا آپ کے ساتھ نہیں جاسکتا۔ اس پر حضرت صاحب نے فرمایا! کہ یہ میرے ساتھ ہے جب تک اس کی اجازت نہ ہوگی میں نہیں جاؤں گا۔ یہ بیان کر کے آپ جناب نے فرمایا! ہم لوگ کسی کو نہیں چھوڑتے کوئی اگر ہمیں نہ چھوڑے تو۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۰،۴۱)

توضیح ملفوظ:۔

آپ جناب نے اس ملفوظ میں فرمایا ہے کہ ہم کسی کو نہیں چھوڑتے (دوستی ترک نہیں کرتے)، مطلب یہ ہے کہ جب تک محب کا محبوب سے رابطہ و محبت رہے تو محبوب بھی اسے مایوس نہیں کرے گا بلکہ ہر جگہ یہ کہے گا کہ یہ میرا ہے یہ میرا ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس سے معلوم ہوا کہ صالحین و کاملین سے محبت و الفت کا رشتہ

بر قرار رکھیں اور کبھی بھی رابطہ نہ توڑیں، تاکہ اس دنیا میں بھی بزم صالحین سے مستفید ہوں اور آخرت میں بھی کیونکہ سرکار دوعالم نور مجسم ﷺ نے فرمایا: "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" یعنی انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبّت کرے۔

(مسلم، کتاب البر، الخ، باب المرء مع من احب، ص۱۰۸۸، حدیث:۶۷۱۸)

اور اللہ کی خاطر ایک دوسرے سے پیار و محبت کے بارے میں مزید احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

امام مسلم رحمہ اللہ (المتوفی: ۲۶۱ھ) اپنی سند سے نقل فرماتے ہیں: "عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إن الله يقول يوم القيامة: "أين المتحابون بجلالي، اليوم أظلهم في ظلي يوم لا ظل إلا ظلي."

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میرے جلال کی بنا پر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے کہاں ہیں؟ آج میں انھیں اپنے سائے میں رکھوں گا، جب کہ آج کے دن میرے سایے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

(صحیح مسلم، باب فی فضل الحب فی اللہ، (۴/۱۹۸۸) برقم (۲۵۶۶)، ط/ دار إحياء التراث العربي بيروت)

معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میری محبت ان کے لیے واجب ہو گئی جو میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں باہم مل بیٹھتے ہیں میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں اور ایک دوسرے پر خرچ کرتے ہیں۔" (مسند احمد: ۲۲۰۳۰، صحیح ابن حبان: ۵۷۵)

ابو ہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ "ایک آدمی کسی دوسری بستی میں اپنے کسی [مسلمان] بھائی کی زیارت کے لئے گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ بٹھادیا اس نے پوچھا "تم کہاں جارہے ہو؟" اس آدمی نے کہا: کہ میں اس "بستی میں اپنے ایک [مسلمان] بھائی سے ملنے جارہا ہوں" فرشتے نے پوچھا "کیا اس کا تم کوئی پر احسان

ہے جس کا بدلہ چکانے تم جارہے ہو؟" اس نے کہا اس کے علاوہ اور کوئی وجہ نہیں میں صرف اس لیے جارہا ہوں کہ میں اس سے اللہ کے لئے محبت کرتا ہوں۔" فرشتے نے کہا "میں فرشتہ ہوں اور {میں اللہ کی طرف سے تمہیں یہ بتانے آیا ہوں کہ} اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرتا ہے جیسا تم صرف اللہ کے لئے اس سے محبت کرتے ہو۔" (صحیح مسلم:۲۵۶۷)

سیدنا انس بن مالک ؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس سے گزرا، جبکہ آپ ﷺ کے پاس چند لوگ بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے گزرنے والے آدمی کے بارے میں کہا میں اللہ کے لیے اس سے محبت کرتا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا "کیا تو نے اس کو بتلایا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اس کو جا کر بتلاؤ۔" وہ اس کی طرف گیا اور اس کو بتلایا۔ اس نے کہا وہ ذات تجھ سے محبت کرے جس کے لیے تو مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پھر وہ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور اس کی کہی ہوئی بات آپ ﷺ کو بتلائی۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "تو اسی کے ساتھ ہو گا۔ جس کے ساتھ تو نے محبت کی ہے، اور تو نے جس ثواب کی امید کی ہے وہ تجھے ملے گا۔"

(مصنف عبد الرزاق:۲۰۳۱۹، شعب الایمان البیہقی:۹۰۱۱، ترمذی:۲۳۸۶)

حضرت سیدنا ابو درداؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ "جب دو آدمی ایک دوسرے سے اللہ تعالیٰ کے لیے غائبانہ طور پر محبت کرتے ہیں تو ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب وہ ہے جو اپنے بھائی سے دوسرے کی بہ نسبت زیادہ محبت کرنے والا ہو گا۔" (المعجم الطبرانی الاوسط:۱۳۴\۵۲۷۵)

☜ نماز فجر کے بعد کلمہ شریف کا ذکر اور معمولات مشائخ:-

کلمہ طیبہ شریف جو کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ کے بزرگ صبح کی نماز کے بعد بالجہر مخصوص تعداد میں پڑھتے ہیں اس بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا! کہ ہمارے بزرگوں نے کلمہ شریف کا ذکر نمار فجر کے بعد مختلف تعداد میں کیا ہے اور

ہمارے سلسلہ چشتیہ کے مجدد حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی علیہ الرحمۃ ایک ہزار بار نماز فجر کے بعد کلمہ شریف کا ورد کرتے تھے۔ اور موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے آپ نے فرمایا! کہ میں لوگوں کا خیال کرتے ہوئے ۱۰۰ بار ورد کرتا ہوں (حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمت اللہ تعالیٰ علیہ آپ بھی ۱۰۰ مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھتے تھے

(دلیل العارفین مجلس ہشتم)،(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۴)

توضیح ملفوظ نماز کے بعد ذکر بالجہر:-

ذکر آہستہ کیا جائے یا درمیانے درجے کی بلند آواز سے، یہ جائز بلکہ افضل ہے۔ اسلام کا ہر حکم معتدل ہوتا ہے۔ کھانا پینا جائز، بلکہ ضروری ہے لیکن اعتدال کے ساتھ۔ حد سے زیادہ جائز نہیں۔ نماز، روزہ، انفاق فی سبیل اللہ، حج جہاد، خوشی و غمی کا اظہار، تمام احکام میں اعتدال و توسط کی راہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ افراط و تفریط نہ عبادات میں جائز ہے اور نہ معاملات میں۔ اگر نماز باجماعت ہو رہی ہو یا پاس مریض لیٹا ہو یا کوئی آرام کر رہا ہو یا کوئی مصروف مطالعہ ہو تو اس کے پاس چیخ چیخ کر ذکر کرنے کو کون جائز قرار دے گا؟ اگر نماز باجماعت ہو چکی ہے اور مذکورہ عوارض بھی موجود نہیں اور لوگ اجتماعی طور پر درمیانی آواز سے ذکر بالجہر کریں تو یہ عین منشاء قرآن و حدیث ہے۔ اسی پر صحابہ کرام کا عمل رہا اور اسی کا ان کو حکم تھا۔ اس کی صراحت فقہائے کرام نے فرمائی اور یہی آج تک اہل سنت کا معمول رہا ہے۔

ذکر بالجہر کا ثبوت قرآن کی روشنی میں: فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا۔ (البقرہ، ۲:۲۰۰)

ترجمہ: اللہ کا خوب ذکر کیا کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کا (بڑے شوق سے) ذکر کرتے ہو یا اس سے بھی زیادہ شدت شوق سے (اللہ کا) ذکر کیا کرو۔

دراصل کفار مکہ حج سے فراغت کے بعد مجالس میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کرتے تھے اس کو اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا اور اس کی جگہ اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا۔ وہ اپنے آباؤ اجداد کا بلند آواز سے تذکرہ کرتے تھے، اس کو چھوڑ کر ان اجتماعات

میں ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا۔ پس یہ ذکر بالجہر کا حکم ہے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّن مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللهِ أَن يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا۔ (البقرہ،۲:۱۱۴)

ترجمہ: اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا جو اللہ کی مسجدوں میں اس کے نام کا ذکر کئے جانے سے روک دے اور انہیں ویران کرنے کی کوشش کرے۔

اس آیت مبارکہ میں اس شخص کو سب سے بڑا ظالم گردانا گیا ہے جو مسجد میں اللہ کا ذکر کرنے والوں کو ذکر سے روکتا ہے اور مساجد کو ویران کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں بھی پوشیدہ طور پر ذکر بالجہر ہی مراد ہے کیونکہ اگر لوگ دل میں ذکر کریں تو ان کو کون روک سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ بلند آواز سے ہی ذکر کیا جاتا ہے جسے سن کر ظالم لوگ منع کرتے ہیں اور مساجد کو ویران کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ۔ (الانفال،۸:۲)

ترجمہ: ایمان والے (تو) صرف وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے (تو) ان کے دل (اس کی عظمت و جلال کے تصور سے) لرز جاتے ہیں۔

اہل علم و عقل جانتے ہیں کہ اس آیت کریمہ سے بھی ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے کہ جب کسی کے سامنے ذکر کیا جائے اور اس ذکر کا اثر اسی صورت قبول کر سکتا ہے جب ذکر بالجہر ہو، کیونکہ خفی ذکر تو وہ سن نہیں سکتا اور جو ذکر سنا جاتا ہے وہ ذکر بالجہر ہی ہے۔

(احادیث سے ذکر بالجہر کا ثبوت)

پہلی حدیث: ”عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: أكثروا ذكر الله تعالیٰ حتی یقولوا مجنون۔“

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔

(ابن حبان، الصحیح، ۳:۹۹، رقم:۸۱۷)

اللہ کا ذکر کثرت سے کرنے پر لوگ تبھی دیوانہ کہیں گے جب لوگ سنیں گے اور سن اسی وقت سکتے ہیں جب ذکر بالجہر ہو گا۔

دوسری حدیث: ”عن ابن عباس رضی اللہ عنہ: قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم أذکروا اللہ ذکرا یقول المنافقون إنکم تراؤون۔ ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں۔“

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۲:۱۶۹، رقم: ۱۲۷۸۶)

اس حدیث پاک میں بھی واضح طور پر ذکر بالجہر ہی کی بات کی گئی ہے کہ جس پر منافق ریاکار کہیں۔

تیسری حدیث: ”عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما أن رجلا کان یرفع صوتہ بالذکر فقال رجل لو أن ھذا أخفض من صوتہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فإنہ آواہ قال فمات فرأی رجل نورًا فی قبرہ فأتاہ فاذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فیہ وھو یقول ھلموا الی صاحبکم فاذا ھو الرجل الذی کان یرفع صوتہ بالذکر۔“

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا، ایک آدمی نے کہا: اگر یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا (تو بہتر ہوتا) حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا وہ مست ہے راوی کہتا ہے کہ وہ شخص انتقال کر گیا پس ایک شخص اس کی قبر میں روشنی دیکھ کر اس کے قریب آیا رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم وہاں (پہلے سے) موجود تھے اور آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا اپنے اس ساتھی کی طرف آؤ جو بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا۔ (الحاکم، المستدرک، ۱:۵۲۲، رقم: ۱۳۶۱)

یعنی بلند آواز سے ذکر کرنا حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے زمانے میں مروج تھا۔

نماز کے بعد ذکر بالجہر کرنا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل بھی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم رحمہ اللہ علیہ نے اپنی صحیحین میں باب الذکر بعد الصلاۃ (نماز کے بعد ذکر کرنے

کا بیان) پر ابواب قائم کیے ہیں، اور یہ ثابت کیا ہے کہ نماز کے بعد ذکر کرنا نہ صرف جائز، (بلکہ) مستحب اور مسنون ہے۔

چوتھی حدیث: ”عَنْ أَبِي مَعْبَدٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّ ابْنَ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما أَخْبَرَهُ أَنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ ﷺ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذَلِكَ إِذَا سَمِعْتُهُ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔“ (أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الصلاۃ، باب: الذکر بعد الصلوۃ، ۱/ ۲۸۸، الرقم: ۸۰۵، ومسلم فی الصحیح، کتاب: المساجد ومواضع الصلاۃ، باب: الذکر بعد الصلاۃ، ۱/ ۴۱۰، الرقم: ۵۸۳، وعبد الرزاق فی المصنف، ۲/ ۲۴۵، الرقم: ۳۲۲۵، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۱/ ۳۶۷، الرقم: ۳۴۷۸)

”ابو معبد مولیٰ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں بتایا کہ عہدِ نبوی میں فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد بلند آواز سے ذکر (یعنی ذکر بالجہر) کرنا رائج تھا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ میں لوگوں کے (نماز سے) فارغ ہونے کو اسی سے جان لیتا جب میں اس (بلند آواز سے ذکر کرنے) کو سنتا۔“ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: كُنْتُ أَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ النَّبِيِّ ﷺ بِالتَّكْبِيرِ. رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ وَالشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ۔ (أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الصلاۃ، باب: الذکر بعد الصلوۃ، ۱/ ۲۸۸، الرقم: ۸۰۶، والشافعی فی المسند، ۱/ ۴۴، وأحمد بن حنبل فی المسند، ۱/ ۲۲۲، الرقم: ۱۹۳۳، وابن حبان فی الصحیح، ۵/ ۶۱۰، الرقم: ۲۲۳۲، والبیهقی فی السنن الکبری، ۲/ ۱۸۴، الرقم: ۲۸۳۷)۔

”حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں حضور نبی اکرم ﷺ کی نماز کے ختم ہو جانے کو تکبیر (یعنی بلند آواز سے اللہ أکبر کا ذکر کرنے) سے جان لیا کرتا۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ ”إن ذکر اللسان مع حضور القلب أفضل من القلب وحدہ۔“ (النووی فی شرحہ علی صحیح مسلم، ۱۷/ ۱۶)

”امام نووی فرماتے ہیں کہ حضور قلب کے ساتھ زبان سے ذکر کرنا ذکر بالقلب

سے افضل ہے۔"

پانچویں حدیث: حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"كَانَ ابْنُ الزُّبَيْرِ رضی اللہ عنہ يَقُوْلُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلَاةٍ حِيْنَ يُسَلِّمُ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔"
وَقَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يُهَلِّلُ بِهِنَّ دُبُرَ كُلِّ صَلَاةٍ۔

(مسلم، الصحیح، کتاب المساجد، باب استحباب الذکر بعد الصلاۃ وبیان صفتہ، ۱: ۴۱۵، رقم: ۵۹۴)
(أبو داود، السنن، کتاب الوتر، باب مایقول الرجل إذا سلم، ۲: ۸۲، رقم: ۱۵۰۶، ۱۵۰۷)
(نسائی، السنن، کتاب السہو، باب عدد التہلیل والذکر بعد التسلیم، ۳: ۷۰، رقم: ۱۳۴۰)

"حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ ہر نماز میں سلام پھیرنے کے بعد کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہی ہے، اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غالب آنے والا اور قوت رکھنے والا نہیں اور ہم سوائے اس کے کسی کی عبادت نہیں کرتے اس کے لئے تمام نعمتیں ہیں اور اسی کے لیے فضل اور تمام اچھی تعریفیں ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کا دین خالص ہے اگرچہ کافروں کو یہ ناگوار گزرے۔" (اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ ہر نماز کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔)

چھٹی حدیث: امام شافعی "المسند (۱: ۴۴، ۴۵)" میں اپنی سند سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلَاتِهِ يَقُوْلُ بِصَوْتِهِ الْأَعْلٰى: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ، لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ وَلَهُ الثَّنَاءُ

الْحَسَنُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ۔"

"حضور نبی اکرم ﷺ جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے پڑھتے: اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لئے بادشاہی ہے، اور اسی کے لئے تمام تعریفیں ہیں اور وہ ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غالب آنے والا اور قوت رکھنے والا نہیں اور ہم سوائے اس کے کسی کی عبادت نہیں کرتے اس کے لئے تمام نعمتیں ہیں اور اسی کے لیے فضل اور تمام اچھی تعریفیں ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کا دین خالص ہے اگرچہ کافروں کو یہ ناگوار گزرے۔"

اس حدیث مبارکہ کے تحت ذکر بالجہر کے جواز میں علامہ طحطاوی فرماتے ہیں:

"فرض نمازوں کے بعد ذکر بالجہر کرنا جائز ہے۔" (طحطاوی، مراقی الفلاح:۱۷۴)

علاوہ ازیں اجتماعی طور پر ذکر بالجہر کرنا بھی حدیث مبارکہ سے ثابت ہے۔

ساتویں حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضى الله عنه قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: يَقُولُ اللّٰهُ تَعَالَى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَاءٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَاءٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي، أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً۔" مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ (أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب: التوحيد، باب: قول الله تعالى: ويحذركم الله نفسه، ۶/ ۲۶۹۴، الرقم: ۶۹۷۰، ومسلم في الصحيح، كتاب: الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب: الحث على ذكر الله تعالى، ۴/ ۲۰۶۱، الرقم: ۲۶۷۵، والترمذي في السنن، كتاب: الزهد، باب: في حسن الظن بالله عز وجل، ۵/ ۵۸۱، الرقم: ۳۶۰۳)۔

"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا خیال رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ

اپنے دل میں میرا ذکر (یعنی ذکر خفی) کرے تو میں بھی (اپنے شایانِ شان) خفیہ اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر (یعنی ذکر جلی) کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے نزدیک آئے تو میں دو بازوں کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

ذکر جلی کے صوفیانہ عمل کی وضاحت میں شیخ محدث دہلوی رقم طراز ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اونچی آواز میں ذکر کرنا جائز ہے۔ اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ خود قادر مطلق کا اعلان ہے کہ:۔ "خدا کا ذکر اسی طرح کرو جس طرح تم اپنے آباؤاجداد کا ذکر کیا کرتے تھے" (اشعۃ المعات، جلد ۲، صفحہ ۲۷۸)۔

یہ اس قرآنی آیت کی ایک صوفیانہ توضیح ہے کہ: "پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہو"۔ (سورہ النساء آیت ۱۰۳) نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک روایت ہے کہ: "جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نماز کے آخر میں سلام پھرتے تو بلند آواز میں کلمہ شہادت کے الفاظ اس طرح کہتے تھے "لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ" (مشکوٰۃ، صفحہ ۸۸)

صوفیاء کرام کلمہ شہادت کے اس حصے کو وحدت الوجود کے خوبصورت نظریے کے ایک ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ اس حدیث کی تفسیر میں شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں: "یہ حدیث اس بات کا ایک واضح ثبوت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ذکر فرمایا کرتے تھے"۔ (اشعۃ المعات، جلد ۱، صفحہ ۴۱۹)

مندرجہ بالا بحث سے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ذکر بالجہر کرنا جائز ہے۔

☜ کیا بغیر وضو درود شریف پڑھ سکتے ہیں؟

نماز عصر کے بعد درگاہ میں زیارت شریف کے سامنے برآمدہ میں معمول کے مطابق آپ تشریف فرما تھے، عرض کیا گیا کہ کیا درود پاک چلتے پھرتے پڑھ سکتے ہیں؟۔ تو

فرمایا! کہ چلتے پھرتے پڑھ سکتے ہیں لیکن جگہ کی پاکی کا خیال رکھیں۔ میں نے عرض کیا بغیر وضو درود پاک پڑھنا کیسا ہے؟ تو فرمایا! کہ بوجہ مجبوری! بغیر وضو کے پڑھ سکتے ہیں لیکن ادب کا تقاضا یہ ہے کہ باوضو بارگاہِ خیر الأنام پر درود بھیجا جائے۔

(تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۲۸،۲۹)

توضیح ملفوظ:-

نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت ظاہری اور باطنی ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ تقاضائے محبت وعقیدت بھی ہے اور علامت ایمان بھی۔ اس لئے بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں درود و سلام پیش کرتے ہوئے آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ درود و سلام پڑھنے سے قبل ظاہری صفائی کا اہتمام کرنا کیونکہ ہر عبادت کے لئے طہارت وپاکیزگی شرط ہے۔ اس لئے درود و سلام پڑھتے وقت جسم ولباس کا صاف ستھرا ہونا ضروری ہے۔

جس جگہ درود و سلام پڑھا جارہا ہو اس کا پاک صاف ہونا ضروری ہے اور ایسی جگہ پر درود و سلام پڑھنے سے گریز کیا جائے جہاں پر ظاہری اور باطنی غلاظت اور گندگی کا احتمال ہو۔ درود و سلام پڑھتے ہوئے خوشبو لگانا مستحب ہے حضور نبی اکرم ﷺ خوشبو بہت پسند فرماتے تھے۔ درود و سلام باوضو ہو کر پڑھنا چاہئے اگرچہ بغیر وضو کے درود و سلام پڑھنا بھی جائز ہے جیسا کہ بحر الرائق میں ہے: "و اما الاذکار فالمنقول اباحتھا مطلقاً" کی اذکار میں مطلقا اباحت منقول ہے۔

(البحر الرائق، کتاب الطھارۃ، ج ۱، ص ۳۴۷، مطبوعہ کوئٹہ)

اور منہل الواردین میں ہے: "(و) لا (سائر الاذکار و الدعوات) لکن فی الھدایۃ و غیرھا فی باب الاذان استحباب الوضوء لذکر اللہ تعالیٰ" یعنی ناپاکی کی حالت میں تمام قسم کے اذکار اور دعائیں پڑھنے میں کراہت نہیں، لیکن ہدایہ وغیرہ کے باب الاذان میں یہ مذکور ہے کہ ذکر اللہ عزوجل کے لیے وضو کرنا مستحب ہے۔

(رسائل ابن عابدین، ص ۱۱۲، مطبوعہ لاہور)۔ لیکن باوضو پڑھنا آداب میں شامل ہے۔ اس لئے

باوضوہو کر درود شریف پڑھناچاہیے۔

مؤمنوں کا آپس میں اللہ کے لئے محبت:-

حضرت خواجہ محمد فاضل شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالانہ عرس مبارک کے موقع پر شب چراغاں کے بعد چند پیر بھائی اور عقیدت حاضر خدمت تھے وہاں پر موجود کرنل الطاف صاحب نے محبت پر بات اٹھائی تو اس پر آپ نے فرمایا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ کا فرمان ہے۔(**وعن ابی ھریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: لو ان عبدین تحابا فی اللہ عزوجل واحد فی المشرق وآخر فی المغرب لجمع اللہ بینھما یوم القیامۃ۔ یقول: ھذا الذی کنت تحبہ فی۔**)

(مشکوۃ المصابیح حدیث نمبر ۵۰۲۴)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اگر دو بندے اللہ عزوجل کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں، ایک مشرق میں ہے اور ایک مغرب میں، تو روز قیامت اللہ ان دونوں کو اکٹھا کر دے گا اور فرمائے گا: یہ ہے وہ جس سے تم میری رضا کی خاطر محبت کیا کرتے تھے۔

فرمایا کہ وہ ایک دوسرے کی بخشش کا سبب ہونگے یہ بیان فرمانے کے بعد آپ نے نہایت درد آمیز لہجے میں عاجزی سے فرمایا! کہ اس دربار شریف کے مریدین یا پیر بھائی ہم سے محبت کرتے ہیں تو میں بھی امید کرتا ہوں کہ اللہ کریم کسی کے سبب سے میری مغفرت فرمادے گا، فرمایا کہ انسان تو انسان، جانور بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں، فرمایا کہ ہمارے گاؤں میں ایک سید صاحب تھے انہوں نے شاہ گل جی (حضرت پیر محمد اکرم شاہ صاحب دام ظلہ العالی موجودہ سجادہ نشین درگاہ عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف) کو بتایا کہ ان کے پاس بیل تھے ان میں سے ایک مر گیا تو دوسرے نے کھانا پینا چھوڑ دیا، فرمایا کہ جانور اور درندے بھی ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو انسان (کیوں) نہ محبت کرے فرمایا وہ دل ہی کیا جس میں محبت نہ ہو۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۸۶،۱۸۷)

توضیحِ ملفوظ:-

اللہ کریم کی رضا و خوشنودی کی خاطر آپس میں محبت کے بارے میں کثیر روایات کتب میں موجود ہیں چند ایک یہاں ذکر کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: أَيْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِي؟ اَلْيَوْمَ أُظِلُّهُمْ فِي ظِلِّي. يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلِّي. رَوَاهُ مُسْلِمٌ، وَابْنُ حِبَّانَ، وَالدَّارِمِيُّ.

(أخرجه مسلم فی الصحیح، کتاب: البر والصلة والآداب، باب: فی فضل الحب فی الله، ۴/ ۱۹۸۸، الرقم: ۲۵۶۶، وابن حبان فی الصحیح، ۲/ ۳۳۴، الرقم: ۵۷۴، والدارمی فی السنن، ۲/ ۴۰۳، الرقم: ۲۷۵۷)

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میری عظمت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے آج کہاں ہیں؟ میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں، کیونکہ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے۔“ اس حدیث کو امام مسلم، ابن حبان اور دارمی نے روایت کیا ہے

اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے دنیا میں لوگوں کے دلوں میں بھی مقبول ہوتے ہیں آپ ﷺ کا فرمان ہے عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: إِذَا أَحَبَّ اللهُ الْعَبْدَ نَادَى جِبْرِيْلَ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحْبِبْهُ، فَيُحِبُّهُ جِبْرِيْلُ، فَيُنَادِي جِبْرِيْلُ فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوْهُ، فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ، ثُمَّ يُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِي الْأَرْضِ.

مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔ (أخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ۳: ۱۱۷۵، الرقم: ۳۰۳۷، وأیضًا فی کتاب الأدب، باب المقة من الله تعالیٰ، ۵: ۲۲۴۶، الرقم: ۵۶۹۳، و مسلم فی الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب إذا أحب الله عبد احببه إلی عباده، ۴: ۲۰۳۰، الرقم: ۲۶۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبرائیل علیہ السلام کو آواز دیتا ہے

کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ تو جبرائیل علیہ السلام اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر جبرائیل علیہ السلام آسمانی مخلوق میں ندا دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے، لہٰذا تم بھی اس سے محبت کرو۔ چنانچہ آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر زمین والوں (کے دلوں) میں (بھی) اس کی مقبولیت رکھ دی جاتی ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

اور ایک اور پیاری حدیث مبارکہ، **وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أَنَّ عَبْدَيْنِ تَحَابَّا فِي اللهِ عَزَّ وَجَلَّ وَاحِدٌ فِي الْمَشْرِقِ وَآخَرُ فِي الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللهُ بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ يَقُولُ: هَذَا الَّذِي كُنْتَ تُحِبُّهُ فِيَّ۔**

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اگر دو بندے اللہ عزوجل کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں، ایک مشرق میں ہے اور ایک مغرب میں، تو روز قیامت اللہ ان دونوں کو اکٹھا کر دے گا اور فرمائے گا: یہ ہے وہ جس سے تم میری رضا کی خاطر محبت کیا کرتے تھے۔" رواہ البیھقی فی شعب الایمان۔ (مشکوۃ المصابیح، کتاب الآداب، حدیث: ۵۰۲۴)

☜ حضرات امامین حسنین کریمین علیہم الرضوان حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہہ:-

حضرات امامین حسنین کریمین علیہم الرضوان کے بارے میں (حضور زبدۃ المشائخ علیہ الرحمہ نے) فرمایا! کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کے مشابہ تھے۔ حضرت امام حسن کے جسم مبارک کے اوپر کا حصہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نیچے کا حصہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک کے اوپر کا حصہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور نیچے کا حصہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہت رکھتا تھا۔ فرمایا! حضرات امامین حسنین کریمین علیہم

الرضوان دونوں حضور پاک ﷺ کے جسم مبارک کے ٹکڑے ہیں اور حضرت حسنین کریمین علیھم الرضوان کے وسیلہ کے متعلق فرمایا۔ (کہ ان حضرات کے وسیلہ سے دعا کر سکتے ہیں)۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر۹۶،۹۷)

توضیح ملفوظ:-

حضرات حسنین کریمین رضی اللہ عنھم شکل وصورت میں حضورِ اقدس سے بہت مشابہ تھے۔ اربابِ سیر و تاریخ نے لکھا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا بدن مبارک ناف سے لے کر اوپر تک حضورِ اقدس ﷺ کے بدن مبارک کے مشابہ تھا اور ناف سے لے کر نیچے تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بدن کے مشابہ تھا۔ اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا بدن مبارک ناف سے لے کر نیچے تک حضورِ اقدس ﷺ کے بدن کے مشابہ تھا۔ اور ناف سے لے کر اوپر تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بدن مبارک کے مشابہ تھا۔

فرمان رسول کریم ﷺ ہے!"عن علی رضی الله عنه قال : الحسن أشبه برسول الله ﷺ ما بين الصدر إلى الراس، والحسين أشبه بالنبی ﷺ ما كان أسفل من ذلك۔"

"حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حسن سینہ سے سر تک رسول اللہ ﷺ کی کامل شبیہ تھے اور حسین سینہ سے نیچے تک حضور ﷺ کی کامل شبیہ تھے۔" (ترمذی، الجامع الصحیح، ۵: ۶۶۰، ابواب المناقب، رقم: ۳۷۷۹، احمد بن حنبل، المسند، ۱: ۹۹، رقم: ۷۷۴)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ!"عن علی رضی الله عنه، قال : من سره أن ينظر الى أشبه الناس برسول الله ﷺ ما بين عنقه الى وجهه فلينظر إلى الحسن بن علی، ومن سره أن ينظر إلى أشبه الناس برسول الله ﷺ ما بين عنقه الى كعبه خلقا ولونا فلينظر إلى الحسين بن علی۔"

"حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں: جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ

وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے چہرے تک حضور نبی اکرم ﷺ کی سب سے کامل شبیہ ہو تو وہ حسن بن علی کو دیکھ لے اور جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ وہ لوگوں میں ایسی ہستی کو دیکھے جو گردن سے ٹخنے تک رنگت اور صورت دونوں میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سب سے کامل شبیہ ہو تو وہ حسین بن علی کو دیکھ لے۔“

(طبرانی، المعجم الکبیر، ۳:۹۵، رقم:۲۷۶۸، ۲۷۵۹)

”عن انس رضی الله عنه قال: کان الحسن و الحسین أشبههم برسول الله ﷺ۔“

”حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن و حسین علیہما السلام دونوں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سب سے زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ سے حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کے وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے۔ توسل کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں:

۱) **توسل بالاعمال:** یعنی اپنے کسی نیک عمل کے وسیلے سے یوں دعا کرنا کہ اے اللہ! فلاں عمل کی برکت سے میری فلاں حاجت پوری فرما۔ یہ صورت بالاتفاق و بلا اختلاف جائز ہے اور اس کی دلیل وہ مشہور اور صحیح حدیث ہے جس میں تین افراد ایک غار میں پھنس گئے تھے اور تینوں نے اپنے نیک عمل کے وسیلے سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس مصیبت سے انہیں نجات عطا فرمائی۔ (بخاری ۱/۴۹۳ قدیمی)

۲) **توسل بالذوات:** یعنی اللہ سے کسی نبی علیہ السلام، صحابی رضی اللہ عنہ یا کسی ولی سے اپنے تعلق کا واسطہ دے کر دعا کرنا۔ یہ صورت بھی جمہور اہلِ سنت والجماعت کے نزدیک جائز ہے، چنانچہ قرآن کریم کی آیت سے ثابت ہے کہ بنو قریظہ اور بنو نضیر کے یہود نبی کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کے وسیلے سے فتح و نصرت کی دعا کیا کرتے تھے۔ (البقرۃ:۸۹) خود نبی کریم ﷺ فقراء مہاجرین کے توسل سے دعا فرماتے تھے۔ (مشکاۃ: ۲/۴۴۷ قدیمی)

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ قحط سالی کے سال حضرت عباس رضی اللہ عنہ (جو

اس وقت حیات تھے) کے وسیلے سے دعا فرماتے تھے۔ (نیل الاوطار: ۴/ ۸ طبع مصر)

بہر حال انبیاء، اولیاء یا نیک اعمال کے توسل سے دعا کرنا جائز بلکہ اجابتِ دعا میں مؤثر ہے، دعا میں توسل کا ثبوت متعدد احادیث سے ہے۔

-: ایک سبق آموز نصیحت :-

آپ جناب (حضور زبدۃ المشائخ علیہ الرحمہ) نے طالب علموں کو (مثنوی و معنوی مولانا روم میں سے) ایک (سبق آموز) کہانی سنائی کہ ایک شخص نے چڑیا پکڑنے کے لئے جال بچھایا۔ اتفاق سے ایک چڑیا اس میں پھنس گئی اور شکاری نے اسے پکڑ لیا۔ جب اسے ذبح کرنے لگا تو چڑیا نے اس سے کہا۔ ”اے انسان! اگر تم مجھے آزاد کر دو تو میں تمہیں تین باتیں بتاؤں گی جو ساری زندگی تمھارے کام آئیں گی۔ لیکن پہلی بات تب بتاؤں گی جب تم مجھے ہتھیلی پر بٹھاؤ گے، دوسری بات اڑ کر جب دیوار پر جا بیٹھوں گی تب بتاؤں گی، اور تیسری بات ہوا میں اڑتے ہوئے بتاؤں گی، اس شخص کے دل میں تجسس پیدا ہوا کہ نہ جانے چڑیا کیا فائدہ مند نصیحتیں کرے۔ اس نے چڑیا کی بات مانتے ہوئے اس سے کہا۔ ”تم مجھے پہلی نصیحت کرو پھر میں تمھیں چھوڑ دونگا۔“ چنانچہ چڑیا نے کہا۔ ”میری پہلی نصیحت یہ ہے کہ جو بات عقل کے خلاف ہو اس پر یقین مت کرنا۔“

یہ سن کر اس آدمی نے چڑیا کو چھوڑ دیا اور وہ سامنے دیوار پر جا بیٹھی۔ پھر بولی۔ ”میری دوسری نصیحت یہ ہے کہ گزری ہوئی بات پر واویلا نہ کرنا۔“

اور پھر جب ہوا میں اڑنے لگی تو کہنے لگی۔ ”اے بھلے مانس! تم نے مجھے چھوڑ کر بہت بڑی غلطی کی کیونکہ میرے پیٹ میں ڈھائی پاؤ بھر کا (انتہائی نایاب پتھر) لعل ہے۔ اگر تم مجھے ذبح کرتے اور میرے پیٹ سے اس لعل کو نکال لیتے تو اس کے فروخت کرنے سے تمہیں اس قدر دولت حاصل ہوتی کہ تمہاری آنے والی کئی نسلوں کے لئے کافی ہوتی۔ اور تم بہت بڑے رئیس ہو جاتے۔“ اس شخص نے جو یہ بات سنی تو لگا افسوس کرنے اور پچھتایا کہ اس چڑیا کو چھوڑ کر اپنی زندگی کی بہت بڑی غلطی کی۔ چڑیا نے اسے اس طرح سوچ

میں پڑے دیکھا تو اڑ کر درخت کی شاخ پر جا بیٹھی اور بولی۔ "اے بھلے مانس! ابھی میں نے تمہیں پہلی نصیحت کی جسے تم بھول گئے کہ جو بات عقل کے خلاف ہو اس پر یقین نہ کرنا۔ لیکن تم نے میری اس بات کا اعتبار کر لیا کہ میں چھٹانک بھر وزن رکھنے والی چڑیا اپنے پیٹ میں ڈھائی پاؤ وزن کا لعل رکھتی ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے؟ میں نے تمہیں دوسری نصیحت یہ کی تھی کہ جو بات ہو جائے اس کا غم نہ کرنا۔ مگر تم نے دوسری نصیحت کا بھی کوئی اثر نہ لیا اور غم وافسوس میں مبتلا ہو گئے کہ خواہ مخواہ مجھے جانے دیا۔ تمہیں کوئی بھی نصیحت کرنا بالکل بیکار ہے۔ تم نے میری پہلی دو نصیحتوں پر کب عمل کیا جو تیسری پر کرو گے۔" یہ کہتے ہوئے چڑیا پُھر سے اڑی اور ہوا میں پرواز کر گئی۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۹۸،۹۹)

توضیح ملفوظ:-

اس ملفوظ سے دو نصیحتیں ہمیں معلوم ہوئیں!

(۱) "جو بات عقل کے خلاف ہو اس پر یقین نہ کرنا۔"

(۲) "گزری ہوئی بات پر واویلا نہ کرنا"

وہ لوگ خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں کوئی نصیحت کرنے والا ہو۔ ہم اکثر خود کو عقلِ کل سمجھتے ہوئے اپنے مخلص ساتھیوں اور بزرگوں کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرتے اور اس میں نقصان ہمارا ہی ہوتا ہے۔

یہ نصیحتیں صرف کہنے کی باتیں نہیں ہوتیں کہ کسی نے کہہ لیا ہم نے سن لیا بلکہ دانائی اور دوسروں کے تجربات سے حاصل ہونے والے انمول اثاثے ہیں جو یقیناً ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتے ہیں اگر ہم ان نصیحتوں پر عمل بھی کریں۔

:- حضرت فضیل بن عیاض اور توبہ -:

حضور مرشد پاک نے فرمایا کہ میں نے اکثر بزرگوں کے احوال میں یہ پڑھا ہے کہ ان کی اول زندگی گناہوں میں ڈوبی ہوئی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسا کرم فرمایا! کہ جس کی حد نہیں۔ پھر فرمایا! کہ جب اللہ تعالیٰ کرم فرمانے پر آئے تو اتنا کرم فرماتا ہے کہ

سوچ (بھی) نہیں سکتے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ تعالیٰ ہمارے سلسلہ چشتیہ کے ایک بہت بڑے ولی اللہ ہیں اور اوائل میں ڈاکوؤں کے سردار تھے۔ ایک دفعہ شہر سے کوئی قافلہ جانے لگا تو لوگوں نے قافلہ کے نگران یا محافظ سے کہا کہ آپ اسلحہ وغیرہ لے کر تیار ہو جائیں کہ اس راستہ میں فضیل ابن عیاض ایک مشہور ڈاکو اور ان کا گروہ ہے۔ اس محافظ نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ وہ بہت سخت ہے۔ میں ایک خوش الحان قاری اپنے ساتھ لیتا ہوں۔ تو جب وہ روانہ ہوئے اور اس جگہ پہنچے جہاں سب ڈاکو اور حضرت فضیل بن عیاض تھے تو محافظ نے قاری سے کہا کہ بلند آواز کے ساتھ خوش الحانی سے تلاوت شروع کرو۔ قاری صاحب جب اس آیت پر پہنچے کہ "اَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ۔" (سورۃ الحدید آیت نمبر ۱۶)

کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں۔"

تو حضرت فضیل ابن عیاض پر اس قدر اثر ہوا کہ فوراً توبہ کی اور ڈاکوؤں سے کہا کہ میں یہ کام چھوڑتا ہوں۔ پھر آپ جناب نے فرمایا، کہ جب اللہ تعالیٰ کرم پر آئے تو اس کی کوئی حد نہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۱)

توضیح ملفوظ:-

تبع تابعین میں جن بزرگوں کا زہد واتقاء ضرب المثل تھا، ان میں فضیل بن عیاض بھی تھے، علم وفضل کے لحاظ سے بھی معاصرین میں یہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے؛ مگر دلوں میں ان کی فضیلت اور عظمت وجلالت ان کے زہد واتقاء ہی کی وجہ سے تھی، ان کی زندگی توبۂ وانابت الی اللہ کی صحیح تصویر تھی۔ خواجہ فضیل ابن عیاض سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ ہیں نام فضیل ابن عیاض کنیت ابو علی اور ابو الفیض ہے آپ کے وطن کے بارے میں اختلاف ہے بعض کے خیال میں آپ کا تعلق کوفہ سے تھا کچھ لوگوں کا کہنا ہے آپ کا وطن خراسان تھا اور کچھ لوگ آپ کے سمرقند اور بخارا میں متولد ہونے کے

قائل ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ آپ کی پیدائش سمرقند میں ہوئی مگر خراسان میں ظاہری علوم حاصل کرنے کی غرض سے اپنا بیشتر وقت گزارا۔ تفسیر اور حدیث کے علوم میں امام کے مقام تک پہنچے۔ بعض تذکروں میں لکھا ہے کہ جوانی میں آپ نے راہ زنی اختیار کی ہوئی تھی اور بہت سے ڈاکو ہر وقت آپ کے پاس جمع رہتے لیکن کسی واقعہ سے متاثر ہوئے اور رہزنی سے تائب ہو گئے۔ آپ خواجہ عبدالواحد بن زید کے خلفاء میں فضیل بن عیاض کو بطور صوفی خوب شہرت ملی۔ اور امام اعظم کے شاگرد تھے۔ خواجہ ابراہیم ادہم، خواجہ بشر حافی، خواجہ سفیان ثوری اور خواجہ داؤد طائی آپ کے معاصر تھے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ کے توبہ کا مکمل واقعہ سیر الاقطاب اور تذکرۃ الاولیاء میں یوں لکھا ہوا ہے!

ابتداء ایام میں حضرت خواجہ فضیل بن عیاض راہزنی اور لوٹ مار کرتے تھے۔ اور لٹیروں کے سردار تھے۔ تمام ڈاکو جو کچھ بھی لوٹ مار سے حاصل کرتے۔ ان کے پاس لاکر رکھ دیتے اور اپنا حصہ ان کے ہاتھ سے لیتے۔ آپ کا ایک طریقہ یہ تھا کہ لوٹ مار سے جو کچھ مال ملتا اس پر اس کے مالک کا نام لکھ دیتے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ سوداگروں کے ایک قافلے کا پیچھا کر رہے تھے۔ اس قافلہ میں ایک شخص قرآن شریف کی یہ آیت بلند آواز سے پڑھ رہا تھا" اَلَمۡ یَاۡنِ لِلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡ تَخۡشَعَ قُلُوۡبُہُمۡ لِذِکۡرِ اللّٰہِ۔" (سورۃ الحدید آیت نمبر ۱۶)

"کیا ایمان والوں کے لیے اس بات کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ کی نصیحت اور جو دین حق نازل ہوا ہے اس کے سامنے جھک جائیں۔"

یہ آیت شریفہ تیر کی طرح آپ کے دل پر لگی۔ ایک نعرہ مارا اور صحرا کی راہ لی۔ اپنے گناہوں سے تائب ہو کر آپ صحرا کی خاک چھان رہے تھے کہ اتفاق سے ایک قافلے کا گزر آپ کے پاس سے ہوا۔ قافلے والے آپس میں گفتگو کر رہے تھے کہ فضیل ڈاکو اسی راستے میں ہے ہم لوگوں کو اس سے ہوشیار رہنا چاہیے۔ حضرت خواجہ نے جب یہ سنا تو فرمایا تم لوگ خوش ہو کہ فضیل نے توبہ کر لی اور اب وہ تم لوگوں سے اسی طرح بھاگتا ہے۔ جس طرح تم لوگ اس سے بھاگتے ہو تائب ہونے کے بعد حضرت خواجہ نے جن جن لوگوں کا

مال لوٹا تھا ان لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر مال واپس کیا ان سے معافی طلب کی اور ان کو خوش کیا یہاں تک کہ ان کے تمام ستم رسیدہ لوگ ان سے خوش ہو گئے۔ اور کوئی ان کا دشمن اور مخالف نہیں رہا۔ سوائے ایک یہودی کے جو کہتا تھا کہ میرا بہت سا سونا آپ نے لوٹا تھا۔ وہ سب واپس کریں۔ حضرت خواجہ نے قسم کھائی کہ اس کی تشفی کرنی چاہیئے۔ تو اس نے کہا میں نے قسم کھائی ہے۔ کہ جب تک آپ میرا سونا مجھ کو واپس نہ کریں گے میں آپ سے راضی نہ ہوں گا۔ جب حضرت خواجہ نے اسے بہت عاجزی سے سمجھایا تو اس نے کہا اچھا جایئے میرے گھر کے طاق پر اشرفی کی ایک تھیلی بھری رکھی ہے۔ اس کو اپنے ہاتھ سے لا کر مجھے دیجئے۔ تا کہ میری قسم پوری ہو۔ آپ نے ویسا ہی کیا۔ اس نے ہاتھ میں لے کر جب تھیلی کھولی تو اس میں سے اشرفیاں نکلیں۔ یہودی نے حضرت خواجہ سے کہا کہ آپ اپنے مذہب کے بارے میں مجھے واقف کرایئے پھر میں آپ سے خوش ہوں گا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ کس بات پر تم مسلمان ہو رہے ہو۔ یہودی نے کہا کہ اس تھیلی کو ریت سے بھر کر میں نے رکھا تھا۔ اور میں آپ کی آزمائش کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ توریت میں میں نے پڑھا تھا۔ کہ دین محمدی کے مطابق جس کی توبہ قبول ہو جاتی ہے وہ اگر مٹی کو ہاتھ میں لے گا تو سونا ہو جائے گا۔ اسی کو میں آزمارہا تھا کہ آپ کی توبہ قبول ہوئی یا نہیں۔ آپ کو میں نے سچا پایا اور میں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہونا چاہتا ہوں، اور پھر وہ مسلمان ہو گیا۔

(سیر الاقطاب، صفحہ نمبر ۴۵،۴۶)(تذکرۃ الاولیاء، صفحہ نمبر ۵۶)

☜ رب مؤمن کے دل میں رہتا ہے:-

(آپ علیہ الرحمہ سے مؤمن کے دل میں سما جانے اور رب ٹوٹے ہوئے دل میں رہنے کے بارے میں سوال کیا گیا) تو آپ نے فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ میں آسمان و زمین میں کہیں بھی نہیں سماتا اگر سماتا ہوں تو مؤمن کے دل میں فرمایا کہ مومن کے دل میں تو خدا رہتا ہے، حدیث پاک ہے کہ ''قلب المؤمن عرش اللہ'' کہ مؤمن کا دل اللہ کا عرش ہے، فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا رب میں تجھے کہاں تلاش کروں تو مجھے کہاں ملے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے پتہ نہیں کہ میں

دکھی دلوں میں رہتا ہوں تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ! مجھ سے بھی زیادہ دکھی دل کسی کا ہوگا، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پھر تیرے دل میں رہتا ہوں، پھر فرمایا کہ دل تو وہ ہے جو شکستہ ہو جس میں درد ہو (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۸۷)

توضیح ملفوظ:-

اللہ تعالیٰ مؤمن کے دل میں سماجاتا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم کی یاد و محبت غالب آکر مؤمن کے دل میں گھر کر لیتی ہے یعنی سماجاتی ہے، حدیث قدسی میں ہے کہ "لَا یَسَعُنِی أَرْضِی، وَلَا سَمَائِی، وَلَکِنْ یَسَعُنِی قَلْبُ عَبْدِی الْمُؤْمِنِ

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح، جلد اول، کتاب الایمان صفحہ نمبر ۱۲۰)

"میں نہ زمین میں سماتا ہوں نہ آسمان میں لیکن بندہ مومن کے دل میں سماجاتا ہوں"

اور اسی کے ساتھ مرقات میں اسی صفحہ پر یہ بھی مذکور ہے کہ "قلب المؤمن عرش اللہ" کہ مؤمن کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اور حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ سے عرض کی کہ "عن عمران القصیر قال: "قال موسی بن عمران: أي رب، أین أبغیك؟ قال: ابغني عند المنکسرة قلوبهم، إني أدنو منهم کل یوم باعًا، ولولا ذلك لانهدموا۔"

(أخرجه الإمام أحمد في الزهد (ص:٦٤) برقم (٣٩١)، ط۔ دار الکتب العلمیة، بیروت، الطبعة الأولی: ۱۴۲۰ھ=۱۹۹۹م)

حضرت عمران القصیر رحمہ اللہ کے مطابق حضرت موسی علیہ السلام نے عرض کی کہ اے پروردگار! میں تجھے کہاں تلاش کروں؟ فرمایا ٹوٹے ہوئے دل والوں کے پاس رہا کرو کیوں کہ میں روزانہ ہاتھ بھر ان کے قریب ہوتا ہوں، اگر ایسا نہ کروں تو وہ ختم ہو جائیں۔

ہر ممکن کوشش کریں کہ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ سے کسی کا دل نہ ٹوٹے۔ میرے رب کریم کی عادت یہ ہے کہ وہ ٹوٹے ہوئے دل کی صدا فوراً سنتا ہے اور غم

زدہ انسان کی دعا قبول فرمالیتا ہے۔ جونہی کسی ٹوٹے ہوئے دل سے آہ نکلتی ہے سیدھی عرش تک جا پہنچتی ہے۔ اس لئے رب سے جو کچھ مانگو دل کے درد سے مانگو، رو رو کر مانگو، تڑپ تڑپ کر مانگو۔ دن کے اجالے میں مانگو۔ رات کے اندھیرے میں مانگو۔ کریم رب کسی کو مایوس نہیں کرتا۔

بیعت کیا ہے؟

۲۹ دسمبر ۱۹۹۷ء کی بات ہے حضور اعلیٰ حضرت خواجہ محمد فاضل شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے کے عرس مبارک کے موقع پر نماز عصر کے بعد لوگوں کو بیعت کرتے ہوئے فرمایا! کہ بزرگوں نے دست بیعت کرتے وقت مختلف چیزیں پڑھوائی ہیں، کسی نے کلمہ شہادت اور کسی نے استغفار اور کسی نے کچھ اور اذکار، اصل میں بیعت سے مراد مرشد کے ہاتھوں توبہ کرنے کا نام ہے اور میں کلمہ شہادت پڑھواتا ہوں کہ یہی گواہی توحید و رسالت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم مسلمانوں کی بنیاد ہے اور صدق دل سے کلمہ پڑھنے سے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ”جس بندے نے اخلاص کے ساتھ ”لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللہ“ کہا تو آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ عرش تک پہنچ جاتا ہے جبکہ کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔“

(سنن الترمذی ج۵، ص ۳۴۰، حدیث ۳۶۰۱)(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۴)

توضیح ملفوظ: بیعت اور اس کی ضرورت:-

تصوف کی راہ میں بیعت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے بغیر کامل فائدے کا حصول ناممکن ہے۔ اور یہ قرآن حکیم و احادیث مبارکہ سے بھی ثابت ہے جس طرح قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ ”ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله“ ترجمہ: تحقیق وہ لوگ جو آپ کی (رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی) بیعت کرتے ہیں در حقیقت وہ خدا تبارک و تعالیٰ کی بیعت کرتے ہیں۔

بیعت کی معنیٰ:

بیعت کی لغوی معنیٰ حوالے کرنا، سپرد کرنا، فروخت کرنا کی جاتی ہے۔ تصوف میں مرید کا اپنے شیخ کامل کے ہاتھ پر اپنے نفس کو سپرد کرنے اور فروخت کرنے کا نام بیعت ہے۔ یعنی اپنے تمام تر ارادوں و اختیارات اور خواہشات نفسانی کو ختم کرکے خود کو شیخ کامل کے حوالے کردے اور راہ سلوک میں اس کی رضا و منشا کے خلاف کوئی بھی قدم نہ اٹھائے۔ اور اگر اس کے بعض احکام مرید کو صحیح معلوم نہ ہوں تو اس کو اپنے عقل کا قصور سمجھے اور ان افعال و اقوال کو افعال خضر علیہ السلام کے مثل سمجھے۔ گویا کہ اپنے شیخ کے ہاتھوں میں 'مردہ بدست زندہ' بن کر رہے۔ اس کو ہی بیعت سالکین کہا جاتا ہے اور یہی مقصود مشائخ مرشدین ہے اور یہی وہ راستہ ہے جو خدائے عزوجل تک آسانی سے رسائی حاصل کرواتا ہے۔ یہی بیعت آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے لی۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے اس بات پر بیعت کی کہ ہر آسانی و دشواری، ہر خوشی و ناگواری میں حکم سن کے قبول کریں گے اور اس کی اطاعت کاملہ کریں گے، اور صاحب حکم کے کسی حکم میں چوں چرا نہیں کریں گے۔

ولی کامل کی تعریف ہی یہی ہے کہ جو کامل طریقے سے اتباع رسول اللہ ﷺ پر کاربند ہو۔ تو اس کا کوئی بھی حکم شریعت رسول اللہ ﷺ کے خلاف نہیں ہوگا۔ اسی طرح شیخ کامل کی اطاعت اسکا حکم ماننا بھی لازمی ہے

بیعت کا حکم:-

ائمہ دین اور مشائخ طریق کا اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا بیعت فرض ہے یا واجب ہے یا سنت ہے یا مستحب۔

جو افراد بیعت کو فرض کا درجہ دیتے ہیں وہ اپنے مؤقف کے لیے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ کو دلیل بتاتے ہیں "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ

الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴿۳۵﴾ "ترجمہ: اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور خدا تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح حاصل کرو۔ دوسری آیت میں ہے "وَّاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ" ترجمہ: اور اس شخص کے راستے کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کرتا ہو۔

چونکہ مذکورہ دونوں آیات میں امر کا صیغہ لایا گیا ہے اس لیے بیعت کو فرض سمجھا گیا اور اس کے ساتھ جب بیعت علم الاحسان کا (جو عبادات کا مغز ہے) دروازہ ہے تو اس کی فرضیت میں کیا شبہ ہے۔

بعض مفسرین کرام جو وجوب بیعت کے قائل ہیں انہیں دو مذکورہ آیات کی تفسیر کرتے لکھتے ہیں کہ صیغہ امر وجوب کی تعریف میں آتا ہے اور اگر بیعت فرض ہوتی تو اس کا انکار کرنے والا کافر ہوتا حالانکہ علماء کا اتفاق ہے کہ بیعت سے انکار کرنے والا کافر نہیں ہے۔ اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ صیغہ امر سے مراد استحباب ہے، دلیل کے طور پر کہتے ہیں کہ اگر بیعت فرض یا واجب ہوتی تو اس کے ترک کرنے والے کے لیے شارع علیہ السلام کے طرف سے کوئی وعید ہوتی اور اس کو ترک کرنے والا فاسق ہو جاتا مگر شریعت میں ایسا کوئی امر نہیں ہے اور طریقت شریعت کی ہی تابع ہے۔

بیعت کا سنت ہونا:-

احادیث مشہورہ میں منقول ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین آنحضرت ﷺ کے دست اقدس پر بیعت کرتے تھے۔ اکثر ارکان اسلام پر استقامت کے لیے، کبھی معرکوں میں ثابت قدم رہنے کے لیے، کبھی ہجرت کے لیے تو کبھی جہاد کے لیے آنحضرت ﷺ حضرات صحابہ سے بیعت لیا کرتے تھے جیسے بیعت رضوان۔ اور قرآن کریم میں ان بیعتوں کا تذکرہ موجود ہے۔

سورہ فتح میں ارشاد ہے "اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ۭ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰي نَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ

اللّٰہَ فَسَیُؤۡتِیۡہِ اَجۡرًا عَظِیۡمًا﴿۱۰﴾ ”ترجمہ: جو لوگ آپ ﷺ کی بیعت کر رہے ہیں وہ در حقیقت اللہ عزوجل کی بیعت کر رہے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے، پھر جو شخص بیعت کو توڑے گا تو بیعت توڑنے کا وبال اسی پر ہو گا اور جو شخص اس عہد کو پورا کرے گا جس کا بیعت کے وقت خدا سے وعدہ کیا تھا تو عنقریب خدا عزوجل اس کو بڑا اجر عظیم عطا فرمائے گا۔“

ایک اور آیت میں ارشاد ہے ”لَقَدۡ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ یُبَایِعُوۡنَکَ تَحۡتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ فَاَنۡزَلَ السَّکِیۡنَۃَ عَلَیۡہِمۡ وَ اَثَابَہُمۡ فَتۡحًا قَرِیۡبًا ﴿۱۸﴾ “ترجمہ: بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ مؤمنین سے راضی ہوا جب یہ لوگ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے اور جو کچھ ان کے قلوب میں تھا وہ اللہ کو معلوم تھا سو اللہ نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور قریبی فتح عطا فرمائی۔

قرآن کریم میں ایک اور جگہ پر بیعت کا تذکرہ ان الفاظ مبارک سے آتا ہے

”یٰۤاَیُّہَا النَّبِیُّ اِذَا جَآءَکَ الۡمُؤۡمِنٰتُ یُبَایِعۡنَکَ عَلٰۤی اَنۡ لَّا یُشۡرِکۡنَ بِاللّٰہِ شَیۡئًا وَّ لَا یَسۡرِقۡنَ وَ لَا یَزۡنِیۡنَ وَ لَا یَقۡتُلۡنَ اَوۡلَادَہُنَّ وَ لَا یَاۡتِیۡنَ بِبُہۡتَانٍ یَّفۡتَرِیۡنَہٗ بَیۡنَ اَیۡدِیۡہِنَّ وَ اَرۡجُلِہِنَّ وَ لَا یَعۡصِیۡنَکَ فِیۡ مَعۡرُوۡفٍ فَبَایِعۡہُنَّ وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُنَّ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲﴾ (سورہ الممتحنۃ آیت ۱۲)

ترجمہ: اے نبی (ﷺ) جب آپ کے پاس مؤمن عورتیں بیعت کرنے کے لیے آئیں اور اس بات کا عہد کریں کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ کسی کو بھی نہ شریک کریں گی اور نہ چوری کریں گی اور نہ ہی زنا کریں گی اور نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی اور کوئی ایسا بہتان نہ لگائیں گی جو انہوں نے خود گھڑا ہو اور آپ (ﷺ) کے کسی امر معروف میں نافرمانی نہ کریں گی، تو پھر ان سے بیعت لے لیں اور اللہ عزوجل کی بارگاہ میں ان کے لیے مغفرت طلب فرمائیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

ان تمام تر آیات و دلائل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ بیعت سنت ہے اور نہ

صرف مردوں کے لیے بلکہ عورتوں کے بھی۔ اور آنحضرت ﷺ کے بعد خلفائے کرام راشدین وائمہ ہادین مشائخ عطام نے اس سنت کو جاری ورائج رکھا اور خواتین کو باپردہ بیعت سے نوازتے رہے تو بھی ثابت ہوتا ہے کہ بیعت سنت ہے اور اس کی تاکید بھی ہے۔

بیعت کا فائدہ

صاحب عوارف المعارف لکھتے ہیں کہ شیخ کے زیر حکم ہونا اللہ اور اس کے رسول کے زیر حکم ہونا ہے اور اس کی سنت کو وہی زندہ کرتا ہے جس نے اپنے جسم وروح کو شیخ کے حوالے کر دیا اور اپنے ارادے سے نکل آیا اور اپنا اختیار چھوڑ کر شیخ میں فنا ہو گیا۔ غرضیکہ بیعت فلاح باطنی کے لیے ہے جس سے مقصود ہوتا ہے کہ اپنے اندر کو رذائل چیزوں سے پاک کر کے اسے روشن کیا جائے اور اپنے دل سے شرک خفی نکالا جائے۔ تو جب کوئی بھی نیت صحیحہ واخلاص کے ساتھ اپنے شیخ کامل کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہے اور اس کی صحبت میں رہ کر تمام آداب کو بجالاتا ہے تو شیخ کامل کی باطنی نظر سے روحانی فیوض وبرکات اس مرید کے قلب باطن میں سرایت کر جاتے ہیں اور مرید کا باطن روشن ومنور ہو جاتا ہے۔ اس روحانی وباطنی انوار وتجلیات کا حصول شیخ کامل کی محبت وصحبت پر ہی منحصر ہے۔ یہ تب ہی ممکن ہے جب مرید شیخ کامل کی خدمت وصحبت میں حاضری کے وقت اپنے قلب وروح کو تمام تر توجہ کے ساتھ پیر کی طرف مرکوز رکھے تاکہ شیخ کامل کی پاکیزہ فطرت ووظائف باطنی کے تناسب سے مرید کے اندر بھی روحانی ربط وضبط بڑھتا رہے اور وہ عروج حاصل کرتا ہوا خدا کا قرب حاصل کرلے۔ مگر سالک ہمیشہ یہ یاد رکھے کہ ان تمام منازل روحانی کا دارومدار شیخ کامل کی بیعت وصحبت پر ہی ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب تزکیہ نفس کو فرضِ عین کہتے تھے اور تزکیہ کے حصول کے لئے مربی (شیخ) کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں لکھتے ہیں کہ:

”تزکیہ فعلِ متعدی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہ ایسا فعل نہیں جو صرف اپنے فاعل پر تمام ہو جیسا کہ فعلِ لازم کا خاصہ ہے، بلکہ ایک مُزَکّی اور مُرَبّی کی ضرورت ہے

جو تزکیہ اور تربیت کرے، پس اپنی اصلاح کوئی انسان خود نہیں کر سکتا، کسی مُصلِح کی اشد ضرورت ہے اور چوں کہ فرض کا مقدمہ فرض ہوتا ہے، اس لیے مُصلِح تلاش کرنا اور اس کی صحبت حاصل کرنا بھی فرض ہوا۔" (اصلاحِ اخلاق، ص:٦، ط: خانقاہ امدادیہ اشرفیہ)

اور اسی طرح مولانا ظفر احمد عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

"تمام علماء وفقہاء کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ رذائل سے بچنا اور فضائل کو حاصل کرنا ہر عاقل، بالغ پر فرض ہے، یہی فریضہ ہے جس کو اصلاحِ نفس یا تزکیہ نفس اور تزکیہ اخلاق یا تہذیبِ اخلاق کہا جاتا ہے، اور یہی تصوف کا حاصل و مقصود ہے۔

جس طرح ہر مرد وعورت پر اپنے اپنے حالات ومشاغل کی حد تک اُن کے فقہی مسائل جاننا فرض ہے اور پورے فقہ کے مسائل میں بصیرت ومہارت پیدا کرنا اور مفتی بننا سب پر فرض نہیں بلکہ فرضِ کفایہ ہے، اسی طرح جو اَخلاقِ حمیدہ کسی میں موجود نہیں، انہیں حاصل کرنا اور جو رَذائل اس کے نفس میں چھپے ہوئے ہیں اُن سے بچنا، تصوف کے جتنے علم پر موقوف ہے، اس علم کا حاصل کرنا فرضِ عین ہے اور پورے علمِ تصوف میں بصیرت ومہارت پیدا کرنا کہ دوسروں کی تربیت بھی کر سکے، یہ فرضِ کفایہ ہے۔

جس طرح قرآن وسنت سے فقہی مسائل واحکام نکالنا اور حسبِ حال شرعی حکم معلوم کرنا ہر ایک کے بس کا کام نہیں، بلکہ راہ نمائی کے لیے استاذ یا فقیہہ اور مفتی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اسی طرح باطنی اخلاق کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالنا ایک نازک اور قدرے مشکل کام ہے، جس میں بسا اوقات مجاہَدوں، ریاضتوں اور طرح طرح کے نفسیاتی علاجوں کی ضرورت پیش آتی ہے، اور کسی ماہر کی رہنمائی کے بغیر چارہ کار نہیں ہوتا، اس نفسیاتی علاج اور رہنمائی کا فریضہ شیخ ومرشد انجام دیتا ہے۔ اسی لیے ہر عاقل وبالغ مرد وعورت کو اپنے تزکیہ اخلاق کے لیے ایسے شیخ ومرشد کا انتخاب کرنا پڑتا ہے جو قرآن وسنت کا متبع ہو، اور باطنی اخلاق کی تربیت کسی مستند شیخ کی صحبت میں رہ کر حاصل کر چکا ہو۔

بیعت سنت ہے، فرض وواجب نہیں: بیعت کی حقیقت یہ ہے کہ وہ مرشد اور اس کے شاگرد (مرید) کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، مرشد یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس

کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا سکھائے گا، اور مرید وعدہ کرتا ہے کہ مرشد جو بتلائے گا اس پر عمل ضرور کرے گا، یہ بیعت فرض وواجب تو نہیں، اس کے بغیر بھی مرشد کی رہنمائی میں اصلاحِ نفس کا مقصد حاصل ہو سکتا ہے، لیکن بیعت چونکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے اور معاہدہ کی وجہ سے فریقین کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس بھی قوی رہتا ہے، اس لیے بیعت سے اس مقصد کے حصول میں بہت برکت اور آسانی ہو جاتی ہے۔" (امداد الاحکام، ج:۱، ص:۳۹، ۴۷، ۴۸، ط: مکتبہ دارالعلوم کراچی)

-: عبادات کے ساتھ معاملات بھی لازمی :-

حضور سیدی و مرشدی مدظلہ نے فرمایا! کہ لوگوں نے آج کل عبادات کو سبھی کچھ سمجھ لیا ہے، حالانکہ معاملات بہت لازمی ہے، جس طرح ماں باپ، میاں، بیوی، اولاد، بہن بھائی، وغیرہ کے حقوق ہیں، اپنے سے بڑے کو دیکھو توماں، باپ ہم عمروں کو دیکھو تو بہن، بھائی، چھوٹوں کو اولاد، فرمایا کہ اپنے ماں باپ، رشتہ داروں، پڑوسیوں، قوم، ملک وطن سب کے حقوق (ہیں) آج کل ہم اس لئے خراب حال ہیں کہ حقوق کا خیال چھوڑ دیا اور بیوی کے حقوق کو بھی کوئی نہیں مانتا، ویسے توماں، باپ اور بہن، بھائی سے بھی زیادہ بیوی کو اہمیت دیتے ہیں لیکن جب حقوق کی بات ہوتی ہے تو بیوی کے حقوق کا خیال نہیں کرتا۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۰)

توضیح ملفوظ :-

اسلام ایک جامع دین ہے جو عقائد، عبادات، اخلاقیات، معاملات، غرض انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق انہیں صحیح و مکمل رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ ذکر کردہ اُمور میں سے چند ایک پر عمل کر کے دیگر میں شرعی تعلیمات کو نظر انداز کرنا اسلامی رو سے نقصان فی الدین ہے۔ کامل دین دار شخص وہی ہے جو عقائد سے لے کر معاملات تک تمام شعبہ ہائے زندگی میں اسلام تعلیمات کو اپنے اوپر لاگو کرتا ہو، تب ہی وہ اپنے مقصدِ تخلیق یعنی رضائے الٰہی کے مطابق زندگی گزارنے کی سعادت کا

مستحق ٹھہرے گا۔

صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ جو حدیث نبوی ﷺ کے بڑے راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ وہ صوفی منش بزرگ تھے، انہیں نماز، روزہ اور تعلیم و تعلم کے سوا کسی کام سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اور ان کا یہ معمول بن گیا تھا کہ روزانہ پابندی کے ساتھ روزہ رکھتے تھے اور رات کا بیشتر حصہ اہتمام کے ساتھ نماز و قیام میں گزارتے تھے۔ حتیٰ کہ حافظ ابن عبد البر نے ''الاستیعاب'' میں ذکر کیا ہے کہ ان کے والد محترم حضرت عمرو بن العاصؓ کو اس بارے میں جناب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں باقاعدہ شکایت کرنا پڑی۔ اس شکایت کا پس منظر بھی بعض روایات میں بڑا دلچسپ بیان ہوا ہے۔

حضرت عبد اللہ کی شادی ہوئی اور وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ الگ گھر میں آباد ہو گئے تو کچھ دنوں کے بعد حضرت عمرو بن العاصؓ اپنے بیٹے اور بہو کا حال احوال دریافت کرنے کے لیے ان کے گھر گئے۔ بہو گھر میں موجود تھیں ان سے حال پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ ہر طرح خیریت ہے۔ پھر انہوں نے اپنے بیٹے عبد اللہ کے طرز عمل اور سلوک کے بارے میں استفسار کیا تو اس نیک دل خاتون نے معنیٰ خیز انداز میں کہا: ''آپ کا بیٹا بہت نیک ہے۔ ساری رات مصلے پر ہوتا ہے اور سارا دن روزے سے رہتا ہے۔''

عمرو بن العاصؓ جہاندیدہ شخص تھے فوراً سمجھ گئے کہ بہو دراصل شکایت کر رہی ہے۔ چنانچہ خود کچھ کہنے کی بجائے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت پیش کر دی۔ اس سے آگے کا واقعہ بخاری شریف میں مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عبد اللہ کو بلایا اور اس بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے تصدیق کر دی کہ وہ بلاناغہ روزہ رکھتے ہیں اور رات کا اکثر حصہ نماز و قیام میں گزارتے ہیں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے انہیں اس سے منع کیا اور فرمایا: ''تیری آنکھوں کا بھی تجھ پر حق ہے، تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے، اور تیرے مہمانوں کا بھی تجھ پر حق ہے۔''

یعنی نبی اکرم ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ اگرچہ عبادت اللہ تعالیٰ کا حق ہے جسے

جتنا زیادہ ادا کیا جائے کم ہے۔ لیکن اس سے انسان کے اپنے جسم، گھر والوں، اور ملنے ملانے والوں کے حقوق متاثر نہیں ہونے چاہئیں۔ اور انسان کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان توازن قائم رکھنا چاہیے جو اسلامی تعلیمات کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے کہا کہ وہ ہر چاند ماہ کے درمیانے تین روزے رکھ لیا کریں تو انہیں ہمیشہ کے روزوں (صوم الدھر) کا ثواب مل جائے گا۔ حضرت عبد اللہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ یہ بہت کم ہیں اور میں اس سے زیادہ طاقت رکھتا ہوں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ اچھا یہ معمول بنالو کہ ایک دن روزہ رکھو اور دو دن نہ رکھو، اس طرح مہینے میں دس روزے ہو جایا کریں گے۔ حضرت عبد اللہ اس پر بھی راضی نہ ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں اس سے زیادہ ہمت رکھتا ہوں۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پھر حضرت داؤد علیہ السلام کی سنت اپنالو کہ وہ زندگی بھر ایک دن چھوڑ کر ایک روزہ رکھا کرتے تھے اور مہینے میں پندرہ روزے بن جاتے تھے۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کا اس پر بھی قناعت کرنے کو جی نہ چاہا اور یہ کہہ کر مزید تقاضہ کیا کہ میں اس سے افضل روزوں کی طاقت رکھتا ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے حد بندی کر دی اور فرمایا کہ اس سے افضل کوئی روزہ نہیں ہے۔ بعض روایات کے مطابق قرآن کریم کی تلاوت کے بارے میں بھی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے جناب نبی اکرم ﷺ کی اسی نوعیت کی گفتگو ہوئی اور ان کے اصرار کے باوجود آپ ﷺ نے انہیں اس بات کی اجازت نہ دی کہ وہ سات دن سے کم مدت میں قرآن کریم مکمل کیا کریں۔

اس طرح رسول اکرم ﷺ نے حکماً عبد اللہ بن عمروؓ کے اوقات کے ایک حصے کو نماز اور قرآن سے فارغ کر کے انہیں اپنے جسم، بیوی، مہمانوں اور دیگر لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف متوجہ کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ زندگی بھر اس معمول پر قائم رہے جو جوانی اور ہمت کے دور میں تو انہیں اپنی طاقت سے کم نظر آتا تھا لیکن جب بڑھاپے اور ضعف نے غلبہ پایا تو مشکل محسوس ہوئی۔ چنانچہ بخاری شریف کی

روایت کے مطابق وہ خود بڑھاپے میں کہا کرتے تھے کہ:"اے کاش! میں نے رسول اللہ ﷺ کا مشورہ قبول کر لیا ہوتا۔"

مگر اب ان کے لیے مشکل یہ تھی کہ جس معمول کا وعدہ وہ خود اپنے اصرار پر جناب نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کر چکے تھے اسے چھوڑنے کے لیے خود کو تیار نہیں پاتے تھے۔ جبکہ بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے اس معمول کو نباہنا ان کے لیے دشوار ہو گیا تھا۔

اس واقعہ سے جہاں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن قائم رکھنے حکم دیتا ہے اور حقوق اللہ کی ادائیگی کی کوئی ایسی صورت قبول نہیں کرتا جس سے حقوق العباد متاثر ہوتے ہوں۔ وہاں ایک اور بات بھی ذہن میں آتی ہے کہ انسان جب بھی اپنے بارے میں کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اس کے سامنے وقتی حالات ہوتے ہیں اور وہ انہی کی روشنی میں معاملات انجام دیتا ہے۔ جبکہ اسلام ایسا کوئی فیصلہ کرنے میں تمام احوال وظروف کالحاظ رکھتا ہے جو کہ بسااوقات انسان کو عجیب محسوس ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ اس کے اول و آخر تمام احوال سے واقف ہے اس لیے قاعدہ اور ضابطہ وہی دیرپا اور مؤثر ثابت ہوتا ہے جو انسان کا خود اپنا طے کردہ نہ ہو بلکہ اس کے ماضی اور مستقبل سے مکمل آگاہی رکھنے والے مالک وخالق کی طرف سے بیان کیا گیا ہو

بعض دفعہ لوگوں کے ذہنوں میں یہ خیال آتا ہے کہ مسلمانی کا تقاضا یہ ہے کہ مسجد میں جاکر نماز پڑھ لی اور پانچ وقت حاضری دے دی، روزہ رکھ لیا اور زکوٰۃ ادا کر دی، بس عبادات انجام دے دیں تو مسلمان ہو گئے، مسجد میں جا کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، نمازیں پڑھنا، ذکر کرنا یہ سب بھی دین کا حصہ ہے؛ لیکن ایسا نہ ہو کہ اسی کو سب کچھ سمجھ کر باقی چیزوں کو نظر انداز کر دیا جائے، آج ہمارا حال یہ ہے کہ جب تک مسجد میں ہیں تو مسلمان ہیں، لیکن جب بازار میں پہنچے تو وہاں سارے معاملات اللہ کے حکم کے خلاف ہو رہے ہیں، دفتروں میں یا حکومت ایوانوں میں پہنچیں تو اللہ تعالیٰ سے بغاوت شروع کر دیں، بس دین نام رکھا عبادتوں کے انجام دینے کا، جب کہ در حقیقت دین پانچ شعبوں کا مجموعہ ہے: عقائد کی درستگی، عبادات، معاملات، معاشرت اور اخلاق، ان سب کے مجموعہ

سے اسلام بنتا ہے، اسلام اور دین صرف یہ نہیں کہ مسجد میں تو مسلمان ہیں اور گھر میں جا کر اپنی مرضی کی زندگی شروع کر دی، مسلمان وہ ہے جو پورا پورا مسلمان ہو، اسی لیے قرآن کریم نے فرمایا:- "قال اللہ تعالیٰ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً"

ترجمہ: "اے ایمان والوں! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔

یہ نہیں کہ بس مسجد میں چلے گئے اور عبادات بھی کر لیں مگر معاملات خراب، معاشرت خراب، اخلاق خراب، یہ ساری چیزیں اسلام میں اور دین میں مکمل داخل ہونے کے لیے ضروری ہیں۔

☜ مجلس خیر وذکر میں بیٹھنے والے پر اللہ کی رحمت برستی ہے:-

جان خان ماما نے حضرت زبدۃ المشائخ کی خدمت میں عرض کی کہ میں مجلس خیر، مجلس (ذکر) میں بیٹھا ہوتا ہوں لیکن باتیں صحیح طرح سن نہیں پاتا تو اس کا مجھے کچھ فائدہ ہے کہ نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ضرور ذکر خیر، مجلس خیر وذکر جو بھی ہو اس کے انوار وبرکات آپ پر بھی نازل ہوتے ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۵)

توضیح ملفوظ:-

مجلس ذکر کے شرکاء پر اللہ رب العزت کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما دونوں حضور نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

لَا يَقْعُدُ قَوْمٌ يَذْكُرُونَ اللهَ إِلَّا حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَنَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ۔

(مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والتوبۃ والاستغفار، باب: فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، وعلی الذکر، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۷۰۰)

"جب بھی لوگ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لئے بیٹھتے ہیں انہیں فرشتے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور ان پر سکینہ نازل ہوتی ہے اللہ تعالیٰ انکا تذکرہ اپنی جماعت میں کرتا ہے۔"

اور ہاں یہ بھی سن لیں کہ نیک لوگوں مجلس ذکر، مجلس خیر میں ویسے آنے، ویسے بیٹھنے والے پر بھی رحمت و مغفرت کی برسات برستی ہے فرمایا "هُمُ الجُلَسَاءُ لا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ" ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی بدبخت اور محروم نہیں رہ سکتا۔

یعنی ذکر کرنے والوں کے ساتھ کوئی شخص ایسا بھی ہو جو ان میں سے نہ ہو بلکہ وہ اپنے کسی کام سے آیا ہو، اسے بھی بخش دینگے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ان کے ساتھ بیٹھنے والا بھی بدبخت اور محروم نہیں رہ سکتا۔

☜ شجرہ طریقت کا پڑھنا

(صاحب تسکین القلوب لکھتے ہیں کہ) پہلی دفعہ اس غلام (عبد الوہاب) کو اپنے دو ساتھیوں ناصر فیروز اور ماسٹر فیض رسول کے ہمراہ درگاہ عالیہ پر حاضری نصیب ہوئی۔ بعد از نماز مغرب لنگر شریف میں ثرید (گوشت کے شوربے میں روٹی توڑ کر بھگونے کو ثرید کہتے ہیں اور یہ آپ ﷺ کو بہت پسند تھا جس طرح کہ حدیث مبارکہ ہے "عن ابن عباس، قال: "كان احب الطعام إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم الثريد من الخبز، والثريد من الحيس"

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا سب سے زیادہ پسندیدہ کھانا روٹی کا ثرید اور حیس کا ثرید تھا (جسے پنیر اور گھی سے تیار کیا جاتا تھا)۔ دیا گیا۔ کھانے کے بعد حضور سیدی و مرشدی خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب (رحمہ اللہ تعالیٰ) گھر سے باہر تشریف لائے۔ حال احوال کے بعد فرمایا! کہ آج خاص محبوب پاک حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء دہلوی (رحمۃ اللہ علیہ) کے شب عرس مبارک ہے۔ نماز جمعہ کے بعد آپ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے شرف بیعت سے مشرف فرمایا-! پھر وظیفہ اور شجرہ شریف عطاء فرماتے ہوئے حکم دیا کہ اپنے پیران عظام کا شجرہ مبارک پڑھا کرو اور فرمایا کہ اس کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کا پیر (شیخ) کامل نہیں تو آپ کے پیر کا پیر کامل ہوگا۔ اگر وہ نہیں تو اس کا سلسلہ حضرت علی المرتضیٰ مشکل کشا کرم اللہ وجہ الکریم

تک جا پہنچتا ہے اور وہ تو پیر کامل ہی ہیں۔ دوسرا یہ کہ اپنے مشائخ عظام کے ساتھ نسبت بھی رہتی ہے۔ پھر ارشاد فرمایا! کہ شجرہ شریف باقاعدہ پڑھنے سے بندہ پر اپنے بزرگوں ومشائخ عظام کی توجہ رہتی ہے اور فرمایا! کہ شجرہ مبارکہ ہر نماز کے بعد پڑھا کریں اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو صبح وشام اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم دن میں ایک مرتبہ ضرور پڑھنا چاہئے تا کہ اپنے بزرگوں سے نسبت قائم رہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۷۲)

توضیح ملفوظ:-

(شجرۂ طریقت کی اہمیت وافادیت)

محدثین کی طرح صوفیوں کا بھی اپنی نسبت کی حفاظت کرنا۔ تمام مشائخ میں یہ ایک عام طریقہ رائج ہے کہ وہ وقتِ بیعت اپنے مریدین یا طالبین کو تحریر شدہ اپنے سلسلہ طریقت کا شجرہ شریف بھی دیتے ہیں، جس میں ان سے اوپر کے تمام مشائخ عظام کے نام ترتیب وار درج ہوتے ہیں اور ضروری وظائف کے ساتھ مخصوص ہدایات بھی درج ہوتی ہیں۔ شجرہ میں مشائخ کرام کے نام بالترتیب اس طرح لکھے ہوتے ہیں کہ یہ کڑی در کڑی نبی کریم ﷺ تک جا پہنچتا ہے۔ اس ہی طرح ہر شیخ طریقت جب اپنے مرید کامل کو اپنی خلافت عطا کرتا ہے تو وہ اس کے نام کا اندراج بھی اپنے اس شجرہ میں کر دیتا ہے اور اس کو بھی اس کڑی میں شامل کر لیتا ہے۔

جس طرح محدثین کرام احادیث شریفہ کو اُمت تک محفوظ طریقے سے پہنچانے کے لیے اپنی سندوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنی سندوں کو اس ترتیب سے روایت کرتے ہیں جس ترتیب سے ان تک روایت پہنچی ہوتی ہے، بعینہ اسی طرح صوفیاء کرام بھی اپنی نسبت کو اسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جس ترتیب سے ان تک نسبت پہنچی ہوتی ہے۔ نسبت کی یہی ترتیب شجرۂ طریقت کہلاتی ہے۔ بعض صوفیا حضرات اپنا شجرہ طریقت منظوم انداز میں چھپاتے ہیں جو دعائیہ ہوتا ہے اور دعا کی قبولیت کے لیے نسبت کو بطور وسیلہ اشعار میں استعمال کرتے ہیں۔ شجراتِ طریقت ترتیب کے لحاظ سے دو طرح

کے ہوتے ہیں:

۱ مثلِ سلسلہ روایت۔(اپنے شیخ طریقت کے نام سے شروع کر کے حضور اکرم ﷺ کے اسم مبارک تک)

۲ بحسب تفاوتِ مراتب (حضور اکرم ﷺ کا نام مبارک سے شروع کر کے اپنے شیخ کے مبارک نام تک)

مذکورہ بالا ہر دو اسلوب منظوم شجرات میں بھی مستعمل ہیں۔مشائخ چشت کے شجرات میں اسلوب اول یعنی بطور سلسلہ روایت مستعمل ہے اور دوسرا اُسلوب سلسلہ نقشبدیہ اور سلسلہ قادریہ کے بعض مشائخ نے اختیار کیا ہے۔ہر دو اسلوب افادیت میں برابر ہیں اور اسلوب کا اختلاف ہر سلاسل کے امام کا اپنا اپنا ذوق ہے۔

سلاسل طریقت میں شجرہ کے پڑھنے کی تلقین اس لئے کی جاتی ہے کہ جب کوئی مرید یا طالب اپنے سلسلے کا شجرہ پڑھتا ہے تو اپنے مشائخ کرام کے نام لینے اور ایصال ثواب کرنے کی برکت سے شجرہ پڑھنے والے کو اپنے تمام شجرے میں درج شیوخ طریقت کی روحانی توجہ اور فیوض حاصل ہوتے رہیں۔مزید برآں مرید کو جب یہ یقین کامل ہو جائے گا کہ میں نے جس پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے، میرے اس پیر کا سلسلہ شجرے میں درج تمام مشائخ عظام سے ہوتا ہوا حضرت محمد ﷺ تک پہنچتا ہے تو اس کے دل میں اپنے پیر اور سلسلے کے تمام مشائخ اکرام کی محبت راسخ ہو جانا لازمی امر ہے۔راہ طریقت میں اپنے مرشد اور سلسلے کے مشائخ عظام کی محبت ہی کامیابی کا اصل راز ہے۔جب مرید شجرہ پابندی سے پڑھتا ہے اور سلسلے کے بزرگوں کی ارواح مقدسہ کو ایصال ثواب بھی کرتا ہے تو اس سے ان بزرگوں کی ارواح مقدسہ خوش ہوتی ہیں اور ایصال ثواب کرنے والے مرید پر خصوصی نظرِ عنایت کرتی ہیں، جس سے وہ مرید دینی اور دنیاوی بیشمار برکتیں حاصل کرتا ہے۔

تمام سلسلہ کے شیوخ طریقت اسی لیے اپنے مریدین کو تاکید کرتے ہیں کہ روزانہ شجرہ شریف ایک مرتبہ ضرور پڑھ لیا کریں، تاکہ ان انعام واکرام سے کہ جو حضور

اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بارگاہ سے عطا ہوں، درجہ بدرجہ پیران عظام کے توسل سے وہ بھی مستفیض ومستفید ہوتے رہیں۔ بایں ہمہ شجرہ شریف کی خاصیت ہے کہ مانند زنجیر کے اس کے ایک سرے کی حرکت دوسرے سرے تک پہنچتی ہے۔ شجرہ شریف کے پڑھنے سے بھی اپنے شیخ ومقتدا سے لیکر جناب سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم تک تمام حضرات کی توجہ باطنی شامل حال ہو جاتی ہے۔ سلسلہ کے بزرگوں کو نام بنام یاد کرنے سے ہر ایک ظاہری وباطنی مشکل ومصیبت رفع ہو جاتی ہے۔ ان حضرات کو وسیلہ وواسطہ گردا ننے سے جو مراد یادعا مانگی جاتی ہے قبولیت حاصل کرتی ہے۔ بلاناغہ شجرہ شریف پڑھنے کی برکت سے دل روشن اور گناہ معاف ہوتے ہیں، طبیعت میں ذوق وشوق وتازگی رہتی ہے، ایمان کو قوت پہنچتی ہے، محبت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم زیادہ حاصل ہوتی ہے، بزرگوں کی ارواح طیبہ متوجہ ہوتی ہیں، رزق، عمر، اولاد میں برکت، اعمالِ صالحہ میں ترقی ہوتی ہے، بلا ومصیبت سے نجات اور اعداء ظاہری وباطنی پر فتح نصیب ہوتی ہے۔ اور ایک فائدہ یہ ہے کہ صالحین کا ذکر رَحمت کے نازل ہونے کا سبب ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فرمان ہے: عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ یعنی نیک لوگوں کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ (حلیۃ الاولیاء، ج۷، ص۳۳۵، حدیث: ۱۰۷۵۰، بیروت)

جامعِ صغیر میں ہے: انبیاءِ کرام علیہمُ السَّلام کا ذکر کرنا عبادت ہے اور صالحین کا ذکر (گناہوں کا) کفارہ ہے۔ (جامع صغیر، ص۲۶۴، حدیث: ۴۳۳۱، بیروت)

شجرہ پڑھنے کا بہتر وقت تہجد کی نماز اور ذکر کے بعد ہے۔ اگر شجرہ زبانی یاد ہو جائے تو ظاہری انداز میں بھی دعاء کی صورت میں یعنی ہاتھ اُٹھا کر پڑھا جائے کیونکہ شجرۂ دعائیہ ہوتا ہے، جس کا مناسب طریقہ یہ ہے کہ اولاً مشائخ طریقت کی ارواح کو جس قدر تلاوت قرآن ونوافل یا ختمِ مجوزہ بزرگانِ سلسلہ پڑھنے کی توفیق میسر آئے پڑھ کر ایصال ثواب کیا جائے، اس کے بعد پوری توجہ اور خشوع وخضوع کے ساتھ مثلِ سلسلہ روایت، اپنے شیخ کے نام سے لیکر حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے اسم مبارک تک یا بحسب تفاوتِ مراتب حضور اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کا نام مبارک سے شروع کر کے اپنے شیخ کے مبارک نام تک جملہ اسماء

بزرگان سلسلہ کو بحضورِ قلب زبان سے ادا کریں تاکہ ان کے توسل سے ان اکابرین طریقت کے روحانی فیضان سے استفاضہ ہو۔

اقسام شہادت:-

حضور مرشد پاک (حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) نے میرے پوچھنے پر تفصیل سے بتانے لگے کہ جو موتیں شہادت میں آتی ہیں، میں نے مسافر اور جوان موت کے بارے میں عرض کیا تو فرمایا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کرم فرماتا ہے۔ لیکن یہ موتیں شہادت میں نہیں۔ ہاں حادثے کی موت شہادت ہے۔ پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کرم پر منحصر ہے کہ بے نیازی کی ہوا چلتی ہے تو کبھی جنگ میں مرنے والا بھی شہید نہیں ہوتا۔ اس غلام نے عرض کیا کہ حضور جمعتہ المبارک کے دن اور رات میں فوت ہونے والوں سے حساب کا کیا مسئلہ ہے؟ فرمایا! کہ ہاں جمعتہ المبارک کی راتوں یعنی شب جمعہ اور شب ہفتہ دونوں راتیں اللہ تعالیٰ نے جمعہ میں شامل کی ہیں۔ یا فرمایا کہ جمعہ کو عطا کی ہیں۔ ان راتوں میں اور جمعہ کے دن میں فوت ہونے والوں کا حساب نہیں۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۶، ۱۲۷)

توضیح ملفوظ:-

فقہاءِ کرام نے شہید کی دو قسمیں بیان کی ہیں: حقیقی اور حکمی۔ اور در حقیقت یہ دو قسمیں دنیاوی اَحکام کے اعتبار سے ہیں؛

۱-: حقیقی شہید:-

چناں چہ "حقیقی شہید" وہ کہلاتا ہے جس پر شہید کے دنیاوی احکام لاگو ہوتے ہیں، یعنی اس کو غسل وکفن نہیں دیا جائے گا، اور جنازہ پڑھ کر اُن ہی کپڑوں میں دفن کر دیا جائے جن میں شہید ہوا ہے، مثلاً اللہ کے راستہ میں شہید ہونے والا، یا کسی کے ہاتھ ناحق قتل ہونے والا بشرطیکہ وہ بغیر علاج معالجہ اور وصیت وغیرہ اسی جگہ دم توڑ جائے اور اس پر زخمی ہونے کے بعد دم توڑنے تک ایک نماز کا وقت نہ گزرا ہو۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ یہ

قتلِ ناحق ایسا ہو کہ اصولاً اس کے قاتل پر قصاص واجب ہوتا ہو، یعنی آلۂ قتل سے قصداً قتل کیا ہو۔

۲-: حکمی شہید-:

"حکمی شہید" وہ کہلاتا ہے جس کے بارے میں احادیث میں شہادت کی بشارت وارد ہوئی ہو، ایسا شخص آخرت میں تو شہیدوں کی فہرست میں شمار کیا جائے گا، البتہ دنیا میں اس پر عام میتوں والے اَحکام جاری ہوں گے، یعنی اس کو غسل دیا جائے گا، اور کفن بھی دیا جائے گا۔ سرکار دوعالم محمدِ مصطفےٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا:

"اَلشَّهَادَةُ سَبْعٌ سِوَى الْقَتْلِ فِي سَبِيلِ الله : اَلْمَطْعُونُ شَهِيدٌ، وَالْغَرِقُ شَهِيدٌ، وَصَاحِبُ ذَاتِ الْجَنْبِ شَهِيدٌ، وَالْمَبْطُونُ شَهِيدٌ، وَصَاحِبُ الْحَرِيقِ شَهِيدٌ، وَالَّذِي يَمُوتُ تَحْتَ الْهَدْمِ شَهِيدٌ، وَالْمَرْأَةُ تَمُوتُ بِجُمْعٍ شَهِيدٌ"، یعنی اللہ کے راستے میں قتل ہونے کے علاوہ سات شہادتیں ہیں: (۱) جو طاعون سے وفات پائے (۲) جو ڈوب کر وفات پائے (۳) ذَاتُ الْجَنْب میں وفات پائے (۴) جو پیٹ کی بیماری کی وجہ سے وفات پائے (۵) جو جل کر وفات پائے (۶) جو کسی چیز کے نیچے دب کر فوت ہو جائے (۷) جو عورت جُمع کی حالت میں فوت ہو۔

(ابوداؤد، ۳/۲۵۳، حدیث: ۳۱۱۱)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ!

"عن ابی هریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم قال الشهداء خمسة: المطعون، المبطون والغرق وصاحب الهدم والشهید فی سبیل اللہ۔" (بخاری: رقم الحدیث ۲۸۲۹)

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا شہید پانچ ہیں: (۱) طاعون کی وبا میں مرنے والا۔ (۲) پیٹ کی بیماری میں مرنے والا۔ (۳) پانی میں ڈوب کر مرنے والا۔ (۴) کسی دیوار وغیرہ کے نیچے دب کر مرنے والا۔ (۵) اللہ کے راستہ میں مرنے والا۔

احادیث میں ایسے شہداء کی چالیس سے زیادہ قسمیں مذکور ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے حاشیہ ردالمحتار میں تمام اقسام کو جمع کیا ہے۔ صاحب بہار شریعت لکھتے ہیں کہ فقہائے کرام نے کُتبِ فقہ میں شہادت کی جو مزید صورتیں لکھی ہیں ان میں سے ۲۵ درج ذیل ہیں:

(۱)جو مُسافَرت (Travelling) کی حالت میں مر جائے (۲)سِل(ایک بیماری جس سے پھیپھڑوں میں زخم ہو جاتے ہیں اور منہ سے خون آنے لگتا ہے) کی بیماری میں مرا(۳)سواری سے گر کریامِرگی سے مرا(۴)بُخار میں مرا(۵)مال(۶)جان(۷)اَہل (بیوی، بچوں وغیرہ)(۸) کسی حق کے بچانے میں قتل کیا گیا(۹) کسی دَرندے نے پھاڑ کھایا (۱۰)بادشاہ(یعنی حاکم) نے ظلماً قید کیا(۱۱) یامارااور اسی سبب سے مر گیا(۱۲) کسی مُوذی (یعنی تکلیف دینے والے) جانور (مثلاً سانپ وغیرہ) کے کاٹنے سے مرا(۱۳)علمِ دین کی طَلَب میں مرا(۱۴)مؤذن کہ طلبِ ثواب کے لئے اذان کہتا ہو (۱۵)سچ بولنے والا تاجر (۱۶)جواپنے بال بچوں(Family) کی کَفالَت کے لئے بھاگ دوڑ کرے، انہیں دین کے اَحکام پر چلائے اور انہیں حلال کھلائے (۱۷)جو ہر روز پچیس بار یہ پڑھے اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِیْ فِی الْمَوْتِ وَفِیْمَا بَعْدَ الْمَوْتِ (۱۸)جوچاشت کی نَماز پڑھے اور ہر مہینے میں تین روزے رکھے اور وِتْر کو سَفر و حَضر میں کہیں ترک نہ کرے (۱۹) کُفّار سے مقابلہ کے لئے سرحد پر گھوڑا باندھنے والا(۲۰)جو ہر رات میں سورۂ یٰسین شریف پڑھے(۲۱)جو باطہارت(یعنی باوُضو) سویا اور مر گیا(۲۲)جو نبی صَلَّی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلَّم پر سو بار دُرُود شریف پڑھے (۲۳)جو سچے دل سے شہادت پانے کی دُعا کرے(۲۴)جو جمعہ کے دن مرے(۲۵)جو صبح کو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ تین بار پڑھ کر سورۂ حَشر کی پچھلی تین آیتیں پڑھے، اللہ پاک ستر ہزار فرشتے مقرر فرمائے گا کہ اس کے لئے شام تک اِسْتِغْفار کریں اور اگر اس دن میں مرا تو شہید مرا اور جو شام کو کہے صبح تک کے لئے یہی بات ہے۔

(بہار شریعت، ۲/ ۸۵۹، ۸۶۰ ملخصًا)

جہاں تک اجر و ثواب کی بات ہے اس کی بنیاد پر یہ دو قسمیں نہیں ہیں۔ بعض

شہیدِ حکمی اجر و ثواب میں شہیدِ حقیقی کے ساتھ شامل ہوں گے، اور بعض شہیدِ حکمی کا اجر شہیدِ حقیقی سے کم بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً جو شخص میدانِ جہاد میں کفار سے لڑتے ہوئے جان دے دے، لیکن دم توڑنے سے پہلے اسے علاج و معالجہ وغیرہ کی سہولت حاصل ہو جائے، یا اپنے علاقے میں ظلماً اس پر قاتلانہ حملہ ہو جائے اور وہ زخمی ہو کر علاج وغذا سے مستفید ہو اور پھر جان دے دے تو اس طرح کی صورتوں میں وہ حقیقی شہید کے درجات کا ہی مستحق ہو گا۔

جب کہ شہیدِ حکمی کی بعض صورتیں وہ ہیں جو عام مسلمان اموات کے مقابلے میں فضیلت کی وجہ سے شہید کہلائے، مثلاً: طاعون میں یا پیٹ کے درد میں مرنے والا، یا بچہ جنتے ہوئے عورت جان دے دے وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید اور اَحادیثِ مبارکہ میں جہاں شہداء کے فضائل ہیں ان کا سیاق وسباق بتاتا ہے کہ یہ فضائل شہداء فی سبیل اللہ کے لیے ہیں، اور جہاں احادیثِ مبارکہ میں شہداءِ حکمی کا بیان ہے وہاں ان کی خصوصیت کا بیان ہے، الغرض نصوص میں جو اجر و ثواب جس قسم کے شہید کے لیے بیان کیا گیا ہے، اس اجر و ثواب کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید رکھی جائے گی کہ یہ شہید اس اجر کا مستحق ہے، اور ان فضائل کو اس شہید کے لیے بیان کیا جا سکتا ہے، اور جہاں ضرورت ہو بیان بھی کرنا چاہیے۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کے تحفظ، دفاع اور نصرت کے لیے جو شخص اپنے جان ومال کی قربانی دیتے ہوئے میدانِ جہاد میں شہید ہو اس کی فضیلت زیادہ بلند اور سِوا ہو گی، اس کے مقابلے میں جو طاعون یا پیٹ کے درد وغیرہ میں یا چھت سے گر کر مر جائے۔ لیکن ہر ہر شہید کو ہر فضیلت حاصل ہو، یہ ضروری بھی نہیں ہے، اور اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ آخرت کے اَحکام اور اجر و ثواب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے۔

جمعہ کے دن فوت ہونے والے کے بارے میں مصنف ابن عبد الرزاق میں ہے: ”عن ابن شهاب، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”من مات ليلة الجمعة، أو يوم الجمعة، برء من فتنة القبر، أو قال: وقي فتنة القبر، و كتب

شهيدا ۔" عن عبدالله بن عمرو عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:"برء من فتنة القبر ۔"

(مصنف ابن عبد الرزاق، کتاب الجمعة، باب من مات یوم الجمعة، ج:۳، ص:۵۵۰، ط: دار التاصیل)

یعنی جس مسلمان شخص کا جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات کو انتقال ہو جائے تو وہ قبر کے فتنہ اور آزمائش اور حساب و کتاب سے محفوظ رہتا ہے، اور اسے شہید کے برابر اجر و ثواب ملتا ہے۔

اسی لیے علماء نے جمعہ کے دن کے موت کو سعادت وخوش بختی والی موت قرار دیا ہے۔ باقی قبر کی یہ آزمائش فقط جمعہ کے دن ہٹائی جاتی ہے یا تا قیامت تو اس کے بارے میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ صرف جمعہ کے دن یہ عذاب قبر اٹھا دیا جاتا ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ تا قیامت ان سے قبر کا عذاب ہٹا دیا جاتا ہے اور اللہ کی رحمت سے یہی امید رکھنی چاہیے کہ یہ تا قیامت عذاب قبر سے محفوظ رہے گا اور ہمیشہ راحت و آرام کے ساتھ رہے گا۔ اور اگر کوئی گناہ گار اور غیر مسلم جمعے کے دن یا رمضان المبارک میں مر جائے تو صرف جمعہ اور ماہ مبارک کے احترام میں جمعہ یا رمضان المبارک کے اختتام تک عذاب قبر سے محفوظ رہے گا، اور جمعہ یا رمضان کے بعد پھر اسے عذاب ہو گا۔

عقائد

-: کپڑے میلے کہنے کا حکم -:

آپ سے کسی نے سوال کیا کہ نعوذ باللہ اگر کوئی کہے کہ آپ ﷺ کے کپڑے میلے تھے تو اس کا کیا حکم ہے؟: آپ نے اس سوال کے جواب میں فرمایا کہ علامہ قاضی عیاض رحمہ اللہ کی کتاب کا ذکر کیا کہ اس ‘‘ کا مطالعہ کیجئے گا، انہوں نے لکھا ہے کہ کوئی یہ کہے کہ حضور ﷺ کے کپڑے نعوذ باللہ میلے تھے تو مرتد ہو جاتا ہے اور انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کہ حضور پاک ﷺ کو اس جگہ یا وہاں یا جنگ میں تکلیف پہنچی یہ بھی غلط ہے (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۳۹)

توضیح ملفوظ -:

قاضی عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب الشفاء میں رقمطراز ہیں: ”وروی ابن وهب عن مالك من قال إن رداء النبي صلى الله عليه وسلم ويروى زر النبي صلى الله عليه وسلم وسخ أراد به عيبه قتل۔“

(الشفاء ج۲ ص ۲۱۷، السیف المسلول علی من سب الرسول ﷺ ص ۱۳۰)

ترجمہ: ابن وھب نے امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت کی: جو شخص کہے کہ نبی کریم ﷺ کی چادر اقدس اور ایک روایت میں نبی کریم ﷺ کا بٹن مبارک میلا ہے اور اس سے عیب کا ارادہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے۔

امام ابن حجر مکی نے ذکر فرمایا: من قال رداء النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم او مئزره وسخ واراد به عيبه قتل۔ (الاعلام بقواطع الاسلام ص: ۸۴)

ترجمہ: جو شخص کہے کہ نبی کریم ﷺ کی مبارک چادر یا تہبند شریف میلا ہے اور اس سے عیب کا ارادہ کرے تو قتل کر دیا جائے۔

علامہ علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ شرح شفاء میں فرماتے ہیں : ای مثلا وکذاحکم ازارہ وسائر دثارہ وشعارہ واعضأہ وابشارہ۔

(شرح الشفاء للعلامۃ علی القاری ج۴ ص۱۴۳)

ترجمہ: یعنی یہ بات تو بطور مثال ہے اور نبی کریم ﷺ کے تہبند شریف، بدن سے مس ہونے والے کپڑے، اس سے اوپر والے کپڑے، نبی کریم ﷺ کے اعضائے شریفہ، نبی کریم ﷺ کی مبارک جلد کا بھی یہی حکم ہے۔"

-:بن دیکھے ایمان لانے والوں کا مرتبہ:-

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہمارا (بن دیکھے) ایمان لانے کا ایک لحاظ سے بڑا ثواب (فضیلت یا درجہ) ہے، کیونکہ حضور پاک ﷺ نے ایک دفعہ فرمایا کہ بعد میں آنے والوں کا ایمان بڑا (بہتر) ہو گا، تو صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ وہ کس طرح؟ تو حضور پاک ﷺ نے فرمایا کہ آپ لوگوں نے مجھے دیکھ کر (میرے معجزات وغیرہ دیکھ کر) ایمان لائے، اور وہ (بعد میں آنے والے) بغیر دیکھے ایمان لائیں گے تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس حدیث پاک پر پورے اترتے ہیں۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۸)

توضیح ملفوظ:-

وہ خوش نصیب جن کے مشاہدے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا حسن بے حجاب صبح و شام آتا ہو اور آنکھیں ہر لحہ آپ ﷺ کے دیدار سے ٹھنڈی ہوتی ہوں تو یہ سب دیکھ لینے کے بعد اگر وہ ایسے رحیم و کریم اور مہربان و حسین آقا کی عظمت کے قائل ہو جائیں تو کوئی بڑی بات نہیں، (اگرچہ ایک لحاظ سے یہ بڑی بات ہے کیونکہ بعض لوگ اتنے تنگ نظر، کدورت پسند اور حاسد ہوتے ہیں کہ سمندر کو بہتا اور سورج کو چمکتا دیکھ کر بھی اس کا انکار کر دیتے ہیں)۔ لیکن وہ غلام جو آقا ﷺ کی زیارت کیے بغیر انہیں اپنا محبوب اور ملجا و ماوٰی مان لیں، ان کی منفرد شانوں پر ایمان لے آئیں اور ان کے ارشادات مبارکہ کو

حرزِ جان بنالیں تو یہ بڑی بات ہی نہیں بلکہ ایمان کی یہ حالت بڑی تعجب خیز اور قابل رشک ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث مبارکہ میں ایمان کی عجیب تر حالت کی عکاسی کی گئی ہے۔

ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کی جماعت سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑا ایمان افروز سوال کیا:

اَیُّ الْخَلْقِ اَعْجَبُ اِلَیْکُمْ اِیْمَانًا؟ ”تمہارے نزدیک کس مخلوق کا ایمان عجیب ترین ہے؟“

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: ”یارسول اللہ! فرشتوں کا“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ؟

”وہ کیسے ایمان نہ لائیں جبکہ وہ اللہ کی حضوری میں ہوتے ہیں اور ہمہ وقت اس کی تسبیح و تہلیل میں مشغول رہتے ہیں۔“

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے عرض کیا: ”(یارسول اللہ!) انبیاء کرام کا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ؟

”وہ کیسے ایمان نہیں لائیں گے جبکہ ان پر وحی اترتی ہے؟“

صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے (معصومیت بھرے انداز سے) عرض کیا: ”(یا رسول اللہ!) پھر ہمارا ایمان عجیب تر ہوگا۔“

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ؟

”کیا تم (اب بھی) ایمان نہ لاؤ گے جبکہ تمہارے سامنے ہر وقت میرا سراپا رہتا ہے؟“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اَلَا! اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب ثواب ہذہ الامہ، ۵۸۴)

”میرے نزدیک ساری کائنات میں سب سے عجیب (قابل رشک) ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد ہوں گے۔ وہ صرف اوراق پر لکھی ہوئی کتاب دیکھیں گے اور

اس پر ایمان لے آئیں گے۔"

آپ ﷺ پر بن دیکھے ایمان لانے والے اور عشق کرنے والے ہر وقت حبیب خدا ﷺ کے دھیان ہی میں نہیں بلکہ محبوب کی نگاہوں میں رہتے ہیں اور اب نہیں بلکہ جب وہ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ اس لیے کہ آقا ﷺ نے آج سے چودہ سو سال پہلے فرمادیا کہ میرے وہ امتی جو بعد میں آئیں گے ان کا ایمان قابل رشک حد تک عجیب تر ہو گا۔

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ

وَفِي رِوَايَةِ أَبِي جُمُعَةَ رضی الله عنه قَالَ: تَغَدَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم وَمَعَنَا أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ. قَالَ: قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، هَلْ أَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا؟ أَسْلَمْنَا مَعَكَ وَجَاهَدْنَا مَعَكَ. قَالَ: نَعَمْ، قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ. يُؤْمِنُوْنَ بِي وَلَمْ يَرَوْنِي. رَوَاهُ أَحْمَدُ وَالدَّارِمِيُّ وَالطَّبَرَانِيُّ. وَقَالَ الْهَيْثَمِيُّ: رِجَالُهُ ثِقَاتٌ.

(أخرجه أحمد بن حنبل فی المسند، ۴/۱۰۶، الرقم/۱۷۰۱۷، والدارمی فی السنن، ۲/۳۹۸، الرقم/۲۷۴۴، ولی فی المسند، ۳/۱۲۸، الرقم/۱۵۵۹، والطبرانی فی المعجم الکبیر، ۴/۲۲، ۲۳، الرقم/۳۵۳۷، ۳۵۴۱، والخطیب التبریزی فی مشکاۃ المصابیح، ۳/۱۷۷۱، الرقم/۶۲۹۱)۔

ایک روایت میں حضرت ابو جمعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ہم نے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دن کا کھانا کھایا۔ ہمارے ساتھ ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اُنہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم سے بھی کوئی بہتر ہو گا؟ ہم آپ کی معیت میں ایمان لائے، اور آپ ہی کی معیت میں ہم نے جہاد کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے، وہ مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ اُنہوں نے مجھے دیکھا بھی نہیں ہو گا (وہ اِس جہت سے تم سے بھی بہتر ہوں گے)۔

☜ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول ﷺ ہیں:-

تونسہ شریف سے عرس خواجہ کریم اللہ بخش تونسوی علیہ الرحمہ سے واپسی پر لکی مروت میں اس غلام (عبد الوہاب چشتی اعظمی) کے غریب خانہ کو شرف قدم بوسی بخشی

وہاں پر کسی نے سپاہ صحابہ کے متعلق دریافت کیاتو فرمایا کہ یہ سپاہ صحابہ نہیں سپاہ یزید ہیں اور ہم لوگ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو صحابی رسول ﷺ مانتے ہیں۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۰)

-: حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز میں افضل کون؟

فرمایا! کہ حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کو خلافت راشدہ (جیسی) تسلیم کیا جاتا ہے (کہ آپ نے خلافت کو خلفاء راشدین جیسی طرز پر لا کھڑا کیا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق کسی نے عبد اللہ بن مبارک سے سوال کیا کہ یہ بتلایئے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز میں سے کون افضل ہے؟ یہ سوال سن کر عبد اللہ بن مبارک غصے میں آئے اور فرمایا تم ان دونوں کی آپس میں نسبت پوچھتے ہو؟۔ خدا کی قسم وہ مٹی جو نبی کریم ﷺ کے ہمراہ جہاد کرتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے گھوڑے کی ناک کے سوراخ میں چلی گئی وہ حضرت عمر بن عبد العزیز سے افضل ہے۔ (البدایۃ والنہایۃ ج۸، صفحہ نمبر ۱۳۹) (مکتوبات امام ربانی مکتوب نمبر ۵۸، جلد اوّل، دفتر دوم)۔ اور حضرت عمر بن عبد العزیز نے اس شخص کو سزا دی، کوڑے لگوائے، جس نے حضرت امیر معاویہؓ کو برا بھلا کہا۔ فرمایا کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کی ساری زندگی کی عبادات لیکن وہ آنکھیں کہاں سے لائے جن سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضور پاک ﷺ کی زیارت کیا کرتے تھے۔ پھر آپ جناب نے فرمایا کہ سب سے بڑی نیکی حضور پاک ﷺ پر ایمان کے ساتھ دیدار کرنا ہے۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۹۷)

توضیح ملفوظ-:

شرفِ صحابیت کے مقابلے میں کسی کا کوئی شرف بھی مقابلہ نہیں کر سکتا، دنیا کے سارے شرف مل کر بھی شرفِ صحابیت کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے، جس طرح کہ عبد اللہ بن مبارک سے سوال کرنے والے نے ایک جانب اس صحابی کو رکھا جس پر طرح

طرح کے اعتراضات کئے گئے تھے، اور دوسری طرف اس جلیل القدر تابعی کو جس کی جلالت شان پر تمام اُمّت کا اتفاق ہے، لیکن پھر بھی وہ درجہ صحابیت تک نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی آپ اس جتنا شرف پاسکتے ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہنے والے کو کوڑے مارے روایت ملاحظہ فرمائیں!

"أخبرتنا أم البهاء فاطمة بنت محمد قالت أنا أبو الفضل الرازي أنا جعفر بن عبد الله نا محمد بن هارون نا أبو كريب نا ابن المبارك عن محمد بن مسلم عن إبراهيم بن ميسرة قال ما رأيت عمر بن عبد العزيز ضرب إنسانا قط إلا إنسانا شتم معاوية فإنه ضربه أسواطا"

تابعی ابراہیم بن میسرہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ عمر بن عبد العزیز نے کسی شخص کو مارا ہو سوائے ایک شخص کے جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا تو اس شخص کو عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے کوڑے مارے۔

(تاریخ دمشق ج۵۹ ص۲۱۱)

☜ -:ایمان والدین مصطفیٰ ﷺ-:

(ایمان والدین مصطفیٰ ﷺ کے بارے میں) آپ جناب نے فرمایا کہ حضور سرکار دوعالم ﷺ کے متعلق قرآن پاک میں ارشاد ہے کہ آپ ﷺ کا نور مبارک ساجدین میں رہا۔ فرمایا! آیت کریمہ ہے:"وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ" پھر نعوذ باللہ کسی طرح آپ ﷺ کے والدین کریمین تک (کوئی غیر مؤمن ہو سکتا ہے)۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر۱۲۹)

توضیح ملفوظ-:

اللہ کریم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا!

وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ﴿۲۱۹﴾ (سورۃ نمبر۲۶ الشعراء آیت نمبر۲۱۹)

بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت میں ساجدین سے مومنین مراد ہیں اور

معنی یہ ہیں کہ حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام اور حضرت حوّا رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے زمانے سے لے کر حضرت عبد اللہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور حضرت آمنہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا تک مومنین کی پشتوں اور رحموں میں آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے دورے کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام تک آپ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کے تمام آباء واَجداد سب کے سب مومن ہیں۔

(مدارک، الشعراء، تحت الآیۃ: ۲۱۹، ص ۸۳۴، خازن، الشعراء، تحت الآیۃ: ۲۱۹، ۳/۳۹۸، جمل، الشعراء، تحت الآیۃ: ۲۱۹، ۵/۴۱۳، ملتقطاً)

تفسیرِ مظہری میں علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ! "عطا کی روایت میں حضرت ابن عباس کا ایک قول آیا ہے کہ تقلب سے مراد ہے آباء واجداد کی پشتوں میں منتقل ہونا یعنی ایک نبی سے نور محمدی کا دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہو کر آنا۔ لیکن اس تفسیر پر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی کوئی خاص مدح نہ ہوگی کیونکہ آباء واجداد میں ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہونا تو صرف رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم ہی کے لئے مخصوص نہ تھا تمام قریش بلکہ تمام انسان یونہی پشت در پشت منتقل ہوتے چلے آئے ہیں۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ تقلب سے مراد ہو پاک عبادت گزار مردوں کی پشت سے مقدس پاک دامن عورتوں کے رحموں میں آپ کا منتقل ہوتے رہنا یعنی موحد، مؤمن مردوں کی پشتوں سے مؤمن، موحد عورتوں کے رحموں کی طرف انتقال۔ اس تفسیر سے آیت پر استدلال کیا جاسکے گا اس امر پر کہ حضور کے سارے آباء واجداد مؤمن تھے۔ کذا قال السیوطی۔ حافظ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی کے شعر ہیں۔

وَیَنْقُلَ اَحَدٌ نورًا عظیمًا تَلَاْلَأُفِی وُجوہ السَّاجِدِیْنَ
تَقَلَّبَ فِیْہِمْ قَرْنًا فَقَرْنًا اِلٰی اَنْ جَاءَ خَیْرُ الْمُرْسَلِیْنَ

ہر ایک نور عظیم منتقل کرتا رہا جو موحدوں کے چہروں میں جگمگاتا رہا وہ نور ہر زمانہ میں منتقل ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ سید المرسلین پیدا ہوگئے۔

اس تفسیر کی تائید صحیح بخاری کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا مجھے قرن در قرن (منتقل کر کے) بنی آدم کے بہترین قرن میں بھیجا گیا یہاں تک کہ میری بعثت اس زمانہ میں ہو گئی۔ جس میں میں ہوں۔ مسلم نے حضرت واثلہ بن اسقع کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے اولاد ابراہیم میں سے اسماعیل کا انتخاب کر لیا اور اولاد اسماعیل میں سے بنی کنانہ کا اور بنی کنانہ میں سے قریش کا اور قریش میں سے بنی ہاشم کا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چن لیا۔ بیہقی نے دلائل النبوت میں حضرت انسؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے حضور ﷺ نے فرمایا جب بھی اللہ نے آدمیوں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا تو مجھے بہترین فرقہ میں سے کر دیا آخر مجھے میرے والدین سے پیدا کر دیا گیا کہ دور جاہلیت کی کوئی خرابی مجھے نہیں پہنچی بنی آدم سے لے کر اپنے والدین تک میں نکاح سے پیدا ہوا زنا سے نہیں۔ پس میں ذاتی حیثیت میں بھی تم سے بہتر ہوں اور نسبی اعتبار سے بھی افضل ہوں۔

تفسیرِ عثمانی میں مولانا شبیر احمد عثمانی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ ”یعنی جب تو تہجد کو اٹھتا ہے اور متوسلین کی خبر لیتا ہے کہ خدا کی یاد میں ہیں یا غافل (موضح) یا تو جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، اور جماعت کی نماز میں نقل و حرکت (رکوع و سجود وغیرہ) کرتا ہے، اور مقتدیوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے اور بعض سلف نے کہا کہ ساجدین سے آپ ﷺ کے آباء مراد ہیں۔ یعنی آپ ﷺ کے نور کا ایک نبی کی صلب سے دوسرے نبی کی صلب تک منتقل ہونا اور آخر میں نبی ہو کر تشریف لانا بلکہ بعض مفسرین نے اس لفظ سے حضور ﷺ کے والدین کے ایمان پر استدلال کیا ہے۔“

☜ -:ترتیب افضلیت:-

اس غلام (عبد الوہاب) نے ایک دفعہ عرض کیا کہ حضور (آپ) نے مجھے بہار شریعت پڑھنے کا حکم فرمایا تھا، اس میں خلفاء راشدین علیہم الرضوان کی افضلیت سلسلہ وار بیان کی گئی ہے، کہ اگر کوئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل بتائے وہ گمراہ ہے اور ادھر آپ جناب کے ملفوظات جو کہ صوبیدار عبد الرشید

نے مرتب کئے ہیں ان میں مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی شان مبارکہ سب سے بلند بتائی گئی ہے، تو (میں) اس مسئلہ میں پریشان ہوں اور بات سمجھ میں نہیں آتی، تو آپ جناب نے بڑی شفقت سے فرمایا! کہ وہ اپنی جگہ صحیح ہے اور یہ اپنی جگہ، اور ہمارا ایمان بھی یہی ہے کہ افضلیت ترتیب سے ہے۔ اور حدیث پاک بیان فرمائی کہ حضور سرکار دوعالم ﷺ نے (حدیث میں) "قرنی" کا لفظ فرمایا، اس کا مطلب یہی ہے کہ "ق" سے مراد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، "ر" سے مراد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، اور "ن" سے مراد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور "ی" سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ، تو حدیث میں "ق، ر، ن، ی، کا مطلب یہی ہے کہ افضلیت ترتیب سے ہے، اور مقام تصوف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا مقام بلند ہے، پھر آپ نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب (السیف المسلول اور تفسیر مظہری) کا ذکر فرمایا، کہ انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے لیکر قیامت تک جتنے بھی اولیاء کرام رحمھم اللہ ہوئے ہیں تمام کی ارواح مبارکہ حضرت علی پاک کرم اللہ وجہہ الکریم کی روح مبارکہ سے فیض حاصل کرتے ہیں پھر فرمایا! کہ سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر سب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مخاطب ہو کر فرمایا! جس کا میں ولی ہوں اس کا علی بھی ولی ہے۔، اس کے بعد آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک (اور) حدیث شریف پڑھی "انا مدینة العلم و علی بابها" فرمایا کہ کوئی کیسے بلاواسطہ حضور ﷺ تک معرفت کے حوالے سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۷۴)

توضیح ملفوظ:-

ترتیب افضلیت کے حوالے سے حال ہی میں درگاہ عالیہ فاضلیہ گڑھی شریف کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمد اکرم شاہ صاحب دام ظلہ العالی نے عقائد پر مبنی ایک اعلامیہ جاری فرمایا، اس میں بھی آپ نے واضح طور پر اس مسئلے کو ذکر کیا ہے فرماتے ہیں کہ "تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد سب سے افضل البشر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ

عنہ کو مانتے ہیں اور انہیں بلا فصل خلیفہ اول تسلیم کرتے ہیں۔ پھر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ثانی، حضرت عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو خلیفہ ثالث، سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ رابع بر حق اور ہر مومن کا مولی مانتے ہیں۔ اور سیدنا حضرت حسن مجتبی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ پنجم مانتے ہیں اور ان سب کو خلفاء راشدین کہتے ہیں۔ اہل بیت اطہار اور جمیع صحابہ کرام وصحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک کی بھی عزت و عظمت کے خلاف صراحتاً واشارۃ طعن و تشنیع کرنے والے کو عقائد اہلسنت کے خلاف اور قابل مؤاخذہ سمجھتے ہیں۔"

ولایت کے حوالے سے قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ!

"بعض اکابرین اولیاء اُمّت کو کشف صریح کے ذریعہ امام کا ایک اور معنی منکشف ہوا ہے کشف بھی علم کے اسباب میں سے ایک ہے، اور وہ معنی یہ ہے کہ اولیاء اللہ پر حق تعالیٰ کی جناب سے جو فیوض وبرکات نازل ہوتی ہیں سب سے پہلے ایک شخص پر نازل ہوتی ہیں، اس خوش نصیب کی وساطت سے دوسرے اولیاء عصر اپنی اپنی استعداد و مرتبہ کے مطابق فیض حاصل کرتے ہیں اس کی وساطت ووسیلہ کے بغیر کوئی شخص بھی درجہ ولایت نہیں پا سکتا، اقطاب، ابدال نجباء، نقباء اور اولیاء خدا کی جمیع اقسام اس کے محتاج ہوتے ہیں، اس عالی منصب انسان کو اِمام کہتے ہیں، اور قطب الارشاد بالاصالت بھی انہیں کہا جاتا ہے، آدم علیہ السلام کے ظہور سے یہ عالی مرتبہ علی المرتضیٰ کی روح کے لئے مقرر ہو چکا تھا، آپ کی نشات عنصری سے پہلے امم سابقہ کو آپ کی روح مبارک کے توسط سے ہی درجہ ولایت ملتا تھا، اور وجود عنصری کے بعد اور تا وقت وفات صحابہ وتابعین سب کو یہ دولت انہیں کے توسط سے ملی، آپ کی رحلت کے بعد یہ عالی منصب حسن مجتبیٰ کے سپرد ہوا پھر حسین شہید کربلا کے ہاں، آپ آپ کے بعد امام زین العابدین پھر محمد باقر پھر جعفر صادق، پھر موسیٰ کاظم پھر علی الرضا، پھر محمد تقی، پھر علی نقی، پھر حسن عسکری اس منصب جلیل پر فائزہ ہوئے عسکری کی وفات کے بعد سید الشرفاء غوث الثقلین محی الدین عبد القادر الجیلی کے ظہور تک یہ منصب حسن عسکری کی روح سے متعلق رہا، جب حضرت

غوث الثقلین پیدا ہوئے، یہ منصب مبارک ان سے متعلق ہو گیا، اور محمد مہدی کے ظہور تک آپ کی روح سے ہی متعلق رہے گا۔
(السیف المسلول، صفحہ نمبر ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، فاروقی کتب خانہ ملتان)

اور تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ!

"حضرت علی کرم اللہ وجہہ قطب الارشاد اور شاہ ولایت تھے گذشتہ امتوں میں سے کوئی بھی آپ کی روحانی وساطت کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکا پھر آپ کی اولاد میں سے ائمہ کرام اس منصب پر فائز ہوئے جن کا سلسلہ امام حسن عسکری اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تک مسلسل پہنچا اسی لیے حضرت شیخ جیلانی نے فرمایا: وقتی قبل قلبی قد صفالی آپ اس منصب پر قیامت تک فائز رہیں گے۔
(تفسیر مظہری زیر آیت کنتم خیر أمة، سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۱۰)

آپ رحمہ اللہ نے جو حدیث ذکر فرمایا ہے کہ مصطفیٰ کریم ﷺ نے فرمایا:
جس کا میں مولا ہوں اس کا علی مولا ہے

عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الطُّفَيْلِ يُحَدِّثُ عَنْ أَبِي سَرِيحَةَ أَوْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ (شَكَّ شُعْبَةُ). عَنِ النَّبِيِّ، قَالَ: مَنْ كُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِيٌّ مَوْلَاهُ. رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ. (قَالَ:) وَقَدْ رَوَى شُعْبَةُ هَذَا الحديث عَنْ مَيْمُوْنٍ أَبِي عَبْدِ اللهِ عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم.

ترجمہ: حضرت شعبہ رضی اللہ عنہ، سلمہ بن کہیل سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو طفیل سے سنا کہ ابو سریحہ یا زید بن ارقم رضی اللہ عنہما سے مروی ہے (شعبہ کو راوی کے متعلق شک ہے) کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس کا میں مولا ہوں، اُس کا علی مولا ہے۔" اس حدیث کو امام ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

شعبہ نے اس حدیث کو میمون ابو عبد اللہ سے، اُنھوں نے زید بن ارقم سے اور

اُنہوں نے حضور نبی اکرم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے روایت کیا ہے۔

(أخرجه الترمذي في الجامع الصحيح، ابواب المناقب باب مناقب علي بن أبي طالب رضي الله عنه، ۵/ ۶۳۳، الحديث رقم: ۳۷۱۳، والطبراني في المعجم الكبير، ۵/ ۱۹۵، ۲۰۴، الحديث رقم: ۵۰۷۱، ۵۰۹۶)

ایک اور حدیث مبارکہ میں ہے!

عن عميرة بن سعد، قال: شهدت عليا رضي الله عنه، على المنبر يناشد اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم: من سمع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يوم غدير خم يقول ما قال؟ فليشهد، فقام اثنا عشر رجلا منهم: ابو هريرة، وابو سعيد، وانس ابن مالك، فشهدوا انهم سمعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم، يقول: "من اللهم من كنت مولاه فعلي مولاه، اللهم وال من والاه، وعاد من عاداه"، لم يروه عن مسعر، إلا إسماعيل (معجم الصغير لطبرانی، حدیث نمبر: ۸۴۴)

عمیرہ بن سعد کہتے ہیں: میں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو منبر پر دیکھا، وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قسم دے رہے تھے کہ کون ہے جس نے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے غدیرِ خم میں جو کچھ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے کہا وہ سنا ہو، وہ گواہی دے۔ تو بارہ آدمی اٹھے جن میں سیدنا ابو ہریرہ، سیدنا ابو سعید اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہم تھے، انہوں نے یہ گواہی دی کہ انہوں نے نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اے اللہ! جس کا میں مولیٰ ہوں، علی بھی اس کا مولیٰ ہے۔ اے اللہ! جو اس کو دوست رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ، اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔"

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سرکار دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا کہ! جو مجھے اپنا دوست اور محبوب سمجھتا ہے اس پر لازم ہے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبت رکھے یا جو مجھے اپنا بڑا، آقا اور سردار سمجھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کو بھی اپنا بڑا، آقا اور سردار سمجھے اور ان کی اطاعت کرے۔

اور جو حدیث ملفوظ میں آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے آخر میں ذکر فرمائی جو کچھ اس

طرح سے ہے! ”عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ : أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا ۔ فَمَنْ أَرَادَ الْمَدِينَةَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ۔“

حضرت (عبد اللہ) بن عباس بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ جو اس شہر میں داخل ہونا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ (اس) دروازے سے آئے۔

وَفِي رِوَايَةٍ لِلطَّبَرَانِي: فَلْيَأْتِهِ مِنْ بَابِهِ۔

امام طبرانی کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: وہ (شہر علم کا قاصد) شہر میں اس کے دروازے سے آئے۔ (أخرجه الحاكم في المستدرك، كتاب معرفة الصحابة، ذكر إسلام أمير المؤمنين علي، ۳/ ۱۳۷، الرقم/ ۴۶۳۷، والطبراني في المعجم الكبير، ۶۵/ ۱۱، الرقم/ ۱۱۰۶۱)

وَفِي رِوَايَةِ جَابِرٍ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: أَنَا مَدِينَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا ۔ فَمَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَأْتِ الْبَابَ۔ (البغدادي في تاريخ بغداد، ۳۴۸/ ۴، الرقم/ ۲۱۸۶، وابن عساكر في تاريخ مدينة دمشق، ۳۷۹/ ۴۲، وابن عدي في الكامل، ۴۱۲/ ۳)

ایک روایت میں حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ لہٰذا جو علم حاصل کرنا چاہتا ہے اُسے چاہیے کہ وہ (اس) دروازے پر آئے۔

☜ -: وجود باری تعالیٰ:

نماز مغرب کے بعد فرمایا! کہ ہر چیز اور ہر کوئی اللہ تعالیٰ کے توحید (اور وجود باری تعالیٰ) کی دلیل ہے لیکن کوئی سمجھے تو مثلاً کرسی بنانے والا (بھی) کوئی ہوتا ہے۔ ہر چیز بنانے والا کوئی (نہ کوئی) ضرور ہوتا ہے۔ (اگر اللہ موجود نہ ہوتا) تو پھر اتنا بڑا انتظام چل نہیں سکتا بغیر کسی کے۔ اور (یہ دن رات کا بدلنا) دن بڑے راتیں چھوٹی ہوتی ہیں پھر دن چھوٹے اور راتیں بڑی ہوتی ہیں۔ اس طرح (مہینوں کا بدلنا جس طرح کہ جنوری) فروری اور چاند (کا چھوٹا، بڑا ہونا) وغیرہ۔ (یہ سب وجود باری تعالیٰ پر دلائل ہیں)۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۳)

توضیح ملفوظ:-

کوئی بھی چیز خود بخود وجود میں نہیں آتی بلکہ وہ کسی بنانے والے کی محتاج ہوتی ہے اس لیے اس بات پر ایمان لانا ضروری ہے کہ یہ کائنات بھی خود بخود وجود میں نہیں آئی بلکہ اس کو بنانے والی بھی کوئی ذات موجود ہے اور وہ ''اللہ تعالیٰ'' کی ذات ہے۔

توحید باری تعالیٰ:

اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے کسی کے باپ ہیں نہ بیٹے، کائنات کا ہر ذرہ ان کا محتاج ہے وہ کسی کے محتاج نہیں اور کل جہان کے خالق ومالک ہیں۔

عقیدۂ توحید جو اسلام کا سب سے پہلا بنیادی عقیدہ ہے، یہ صرف ایک نظریہ نہیں، بلکہ انسان کو صحیح معنی میں انسان بنانے کا واحد ذریعہ ہے جو انسان کی تمام مشکلات کا حل اور ہر حالت میں اس کی پناہ گاہ، اور ہر غم وفکر میں اس کا غمگسار ہے، کیونکہ عقیدۂ توحید کا حاصل یہ ہے کہ: عناصر کے کون وفساد اور ان کے سارے تغیرات صرف ایک ہستی کی حیثیت کے تابع اور اس کی حکمت کے مظاہر ہیں

اس عقیدہ کا مالک ساری دنیا سے بے نیاز، ہر خوف وخطر سے بالاتر ہے۔

اس عقیدہ پر استحکام اس وقت پیدا ہوگا جب ہم کائنات میں ودیعت کردہ قدرت کی ان گنت نشانیوں میں غور کریں گے، آثار سے مؤثر تک پہنچیں گے، مخلوق سے خالق کو پہچانیں گے اور یہی قرآن کا بھی طرز استدلال ہے اور اسی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔

قرآن کریم میں ہے: ﴿اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصۡرِیۡفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾﴾ (سورۃ البقرہ: ۱۶۴)

اس آیت میں مندرجہ ذیل چیزوں میں غور کرنے کی تلقین ہے: آسمان، زمین،

دن رات کے اختلاف، کشتی اور سمندر، بارش، حیوانات، ہوا اور بادل۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی اس آیت کے تحت ایک حدیث نقل فرماتے ہیں، ویل لمن قرأھا ولم یتفکر فیھا (روح المعانی ۲/۳۳) یعنی ہلاکت ہو اس شخص کے لیے جس نے اس آیت کو پڑھا اور پھر اس میں غور نہیں کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وجود باری تعالیٰ کے سلسلے میں فرعون کے سامنے دلائل بیان کئے فرمایا!

فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی ﴿۵۱﴾

(فرعون نے) کہا: تو (ان) پہلی قوموں کا کیا حال ہوا (جو تمہارے رب کو نہیں مانتی تھیں)۔

قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ ۚ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَی ﴿۵۲﴾ (طہٰ:۵۲)

(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: ان کا علم میرے رب کے پاس کتاب میں (محفوظ) ہے، نہ میرا رب بھٹکتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰی ﴿۵۳﴾ (طہٰ:۵۳)

وہی ہے جس نے زمین کو تمہارے رہنے کی جگہ بنایا اور اس میں تمہارے (سفر کرنے کے) لئے راستے بنائے اور آسمان کی جانب سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) کے ذریعے (زمین سے) انواع واقسام کی نباتات کے جوڑے نکال دیئے۔

كُلُوْا وَ ارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ﴿۵۴﴾ (طہٰ:۵۴)

تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ، بیشک اس میں دانش مندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ (طہٰ،۲۰:۵۴)

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ فِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰی ﴿۵۵﴾

(طہٰ:۵۵)

(زمین کی) اسی (مٹی) سے ہم نے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں

گے اور اسی سے ہم تمہیں دوسری مرتبہ (پھر) نکالیں گے۔

قرآنِ کریم انسان کو کائنات میں غور کرنے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں تلاش کرنے پر ابھارتا ہے۔ قرآنِ کریم میں زمین و آسمانوں کی تخلیق، سورج، چاند اور ستارے، جانوروں میں دودھ بننے کے پیچیدہ عمل کی طرف اشارات، انسان کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں، سمندروں میں کشتیوں کا چلنا، بارش بننے کا عمل، پہاڑوں کے فوائد، رات اور دن کا باری باری آنا جانا وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں شمار کیا گیا ہے اور زمین اور آسمانوں کی تخلیق اور بناوٹ میں غور کرنے کی خاص طور پر ترغیب دلائی گئی ہے۔

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَیَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ (ال عمران۔۱۹۱-۱۹۰)

”زمین اور آسمان کی تخلیق میں اور رات اور دن کے باری باری آنے میں اُن ہوشمند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں جو اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے، ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور آسمان و زمین کی ساخت میں غور کرتے ہیں۔ (وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں) 'اے ہمارے رب! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے اس سے عبث کام کرے، پس اے رب! ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔“

آسمان کی تخلیق میں اتنے معجزات پوشیدہ ہیں کہ انہیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ کائنات میں بکھری ہوئی نشانیوں کو دیکھ کر ایک انصاف پسند اور سلیم الفطرت انسان کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہے کہ اتنا منظم اور اعلیٰ درجے کا نظام کسی بنانے والے کے بغیر نہیں بن سکتا اور نہ کسی چلانے والے کی نگرانی کے بغیر چل سکتا ہے۔ سورۃ یونس میں فرمایا:

قُلِ انۡظُرُوۡا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا تُغۡنِی الۡاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ

عَنۡ قَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ﴿۱۰۱﴾ (سورۂ یونس۔ آیت ۱۰۱)

’’اِن سے کہو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسے آنکھیں کھول کر دیکھو اور جو لوگ ایمان لانا ہی نہیں چاہتے ان کے لیے نشانیاں اور تنبیہیں آخر کیا مفید ہو سکتی ہیں۔‘‘

ہمارے اکابر اور اسلاف نے ہر دور میں مسئلہ توحید سمجھانے کے لیے روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سمجھانے کی پوری پوری کوشش فرمائی ہے۔ جب بھی اسلاف سے توحید کے متعلق سوالات کیے گئے تو اللہ تبارک نے مخالفین کے حالات کے اعتبار سے ان کے دل میں ایسی مثالیں ڈالیں جو بیان کرنے کے بعد بہت ہی مؤثر ثابت ہوئیں اور ہدایت کا ذریعہ بنیں۔ اس طرح کے واقعات تو بہت زیادہ ہیں، لیکن ہم یہاں چند نمونے کے طور پر ذکر کر رہے ہیں، جن میں ابھی تک افادیت اور تاثیر کی خوشبو مہک رہی ہے:

۱:- امام اعظم ابو حنیفہؒ ایک دن اپنی مسجد میں تشریف فرما تھے، دہریوں کے خلاف آپ ننگی تلوار تھے، ادھر یہ لوگ آپ کو فرصت کا موقع پا کر قتل کرنے کے درپے رہتے تھے۔ ایک دن دہریہ لوگ تلواریں تان کر جماعت کی شکل میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس آدھمکے اور وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ: میں اس وقت ایک بڑی سوچ میں ہوں، لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کا تجارتی سامان ہے، مگر نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے، مگر اس کے باوجود برابر آجا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی، پھاڑتی گزر جاتی ہے، رُکنے کی جگہ پر رُک جاتی ہے اور چلنے کی جگہ پر چلنے لگتی ہے، نہ کوئی ملاح ہے، نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا کہ: آپ کس سوچ میں پڑ گئے؟ کوئی عقلمند انسان ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی نظام کے ساتھ طوفانی سمندر میں آئے جائے، اور کوئی اس کا نگران اور چلانے والا نہ ہو؟! حضرت امام صاحبؒ نے فرمایا کہ: افسوس تمہاری عقلوں پر کہ ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے، لیکن یہ ساری دنیا آسمان و زمین کی سب چیزیں

ٹھیک اپنے اپنے کام پر لگی رہیں اور اس کا مالک حاکم اور خالق کوئی نہ ہو؟ یہ جواب سن کر وہ لاجواب ہو گئے اور حق معلوم کر کے اسلام لائے۔

(التفسیر الکبیر، ج:۱، ص:۳۳۳۔ تفسیر ابن کثیر، ج:۱، ص:۵۹۔ الخیرات الحسان، ص:۷۹)

۲:- امام مالکؒ سے ہارون رشید نے پوچھا کہ: اللہ تعالیٰ کے وجود پر کیا دلیل ہے؟ آپ نے فرمایا: زبانوں کا مختلف ہونا، آوازوں کا جدا ہونا، لب ولہجہ کا الگ ہونا، ثابت کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہے۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱، ص:۳۳۴۔ ابن کثیر، ج:۱، ص:۵۸)

۳:- امام شافعیؒ سے وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ تو آپ نے جواب دیا کہ: شہتوت درخت کے سب پتے ایک ہی جیسے ہیں، ایک ہی ذائقہ کے ہوتے ہیں، کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائے، بکریاں اور ہرن وغیرہ سب اس کو چاٹتے ہیں، کھاتے ہیں، چگتے ہیں، چرتے ہیں، اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے، شہد کی مکھی شہد دیتی ہے، ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے، گائے، بکریاں اسے کھا کر مینگنیاں دیتی ہیں، کیا یہ اس امر کی صاف دلیل نہیں کہ ایک ہی پتے میں مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ہے؟ اور اسی کو ہم اللہ تبارک تعالیٰ کہتے ہیں، وہ ہی موجد اور صانع ہے۔

(التفسیر الکبیر، ج:۱، ص:۳۳۳۔ ابن کثیر، ج:۱، ص:۵۷)

۴:- امام احمد بن حنبلؒ سے ایک بار وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ: سنو، یہاں ایک نہایت مضبوط قلعہ ہے، جس میں کوئی دروازہ نہیں، نہ کوئی راستہ ہے، بلکہ سوراخ تک نہیں، باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہے اور اندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے اور اوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے۔ ہوا تک اس میں نہیں جا سکتی ہے، اچانک اس کی ایک دیوار گرتی ہے اور ایک جاندار آنکھوں والا، کانوں والا بولتا چلتا، خوبصورت شکل والا، پیاری بولی والا، چلتا پھرتا نکل آتا ہے۔ بتاؤ! اس بند اور محفوظ مکان میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟ اور وہ ہستی انسانی ہستیوں سے بالاتر اور اس کی قدرت غیر محدود ہے یا نہیں؟ آپ کا مطلب یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو جو ہر طرف سے بند ہے، پھر اس کی سفید زردی سے پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کر دیتا

ہے، یہ ہی دلیل ہے خدا کے وجود پر اور اس کی توحید پر۔
(التفسیر الکبیر، ج:۱، ص:۳۳۴۔ ابن کثیر، ج:۱، ص:۵۹)

۵:- عالمِ اسلام اور اہلِ بیتؑ کی مشہور شخصیت حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک زندیق ملحد آیا اور صانع وخالق کا انکار کرنے لگا۔ امام نے اس کو سمجھانے کی غرض سے سوال کیا کہ: تم نے کبھی سمندر کا سفر کشتی پر کیا ہے؟ اس نے جواباً کہا: جی ہاں، پھر امام نے پوچھا کہ: کیا تو نے سمندر کے خوفناک حالات کا بھی کبھی مشاہدہ کیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں! پھر امام نے فرمایا: کیسے؟ ذرا تفصیل تو بتائیں؟ اس شخص نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ: ایک دن سمندری سفر کے دوران سخت خوف زدہ طوفانی ہوا چل پڑی، جس کے نتیجہ میں کشتی بھی ٹوٹ گئی اور ملاح بھی ڈوب کر مر گئے۔ میں نے ٹوٹی ہوئی کشتی میں سے ایک تختہ کو پکڑا، لیکن بالآخر سمندری موجوں کی وجہ سے وہ تختہ بھی مجھ سے چھوٹ گیا، بالآخر سمندری موجوں نے مجھے کنارے تک پہنچا دیا۔ یہ سن کر حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: پہلے تو سمندری سفر کے دوران سمندری پانی سے گزرنے کے لیے کشتی پر اعتماد کر کے سوار ہوا اور ساتھ ساتھ ملاحوں پر بھی اعتماد کیا، لیکن جب یہ دونوں ختم ہو گئے تو کشتی کے ایک تختہ پر اعتماد کر کے اپنے آپ کو بچانے کے لیے تو نے اس پر اعتماد کیا، یہ جب سارے سہارے ختم ہوئے تو تو نے اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے تیار کر لیا۔ اس پر حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: کیا تو نے اس کے بعد سلامتی کی تمنا کی؟ کہا کہ: جی ہاں، حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس دردناک حالت میں سلامتی کی امید کس سے رکھی؟ وہ شخص خاموش ہو گیا۔ اس پر حضرت جعفر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس خوفناک حالت میں تو نے جس سے سلامتی کی اُمید رکھی، یہ ہی تو صانع وخالق ہے، جس نے تجھے غرق ہونے سے بچایا۔ یہ سن کر وہ آپؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ واہ کیا ہی سمجھانے کا انداز ہے۔
(التفسیر الکبیر، ج:۱، ص:۳۳۳)

۶:- امام اعظم ابو حنیفہؒ سے ایک بار وجودِ باری تعالیٰ کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؒ نے فرمایا کہ: تم نے یہ نہیں دیکھا کہ والدین کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ لڑکا پیدا ہو،

لیکن اس کے بر عکس لڑکی پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات والدین کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ لڑکی پیدا ہو، لیکن اس کے بر عکس لڑکا پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ایسی ذات ہے جو والدین کی خواہش کی تکمیل میں مانع ہے اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتی ہے۔ یہ وہی ذات ہے جس کو ہم اللہ تبارک تعالیٰ کہتے ہیں۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱، ص:۳۳۳)

۷:- کسی بدوی دیہاتی سے وجودِ باری تعالیٰ کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا کہ: "یَا سُبْحَانَ اللهِ اِنَّ الْبَعْرَةَ تَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ" زمین پر پڑی ہوئی مینگنیاں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہاں سے اونٹ گزر گیا ہے۔ "وَاِنَّ اٰثَرَ الْاَقْدَامِ يَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ" زمین پر پاؤں کے نشانات سے کسی آدمی کے گزرنے کا پتہ چلتا ہے۔ "وَالرَّوْثُ عَلَى الْحَمِيْرِ" لید سے گدھے کا پتہ چلتا ہے۔ "فَسَمَاءٌ ذَاتِ الْاَبْرَاجِ وَاَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ وَبِحَارٌ ذَاتُ الْاَمْوَاجِ اَلَا يَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ؟" تو کیا برجوں والا آسمان، اور راستوں والی زمین، اور موج مارنے والے سمندر، اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبر دار کے وجود پر اور توحید پر دلیل نہیں بن سکتے ؟۔ (التفسیر الکبیر، ج:۱، ص:۳۳۴)

مرنے کے بعد ارواح کا تعلق:-

اسلام آباد کے حسن علوی صاحب نے خواب میں اپنے مرحوم والد صاحب سے ملاقاتوں کا بتایا اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ مرنے کے بعد روحوں سے تعلق ختم ہو جاتا ہے تو آپ حضور (حضرت رابع خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) نے فرمایا! کہ نہیں روحوں کا تعلق قائم رہتا ہے آپ کے والد صاحب جو آپ کو خواب میں آکر مشورہ دیتے ہیں تو یہ ان کا روحانی تصرف ہے۔ اور تعلق قائم ہے اور جب آپ سو جاتے ہیں تو آپ کی روح سیر کرتی ہے اور مرحومین کی روحوں سے ملاقات بھی کرتی ہے۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۴۴)

توضیح ملفوظ:-

موت کے بعد کفار اور گنہگار لوگوں کی روحیں "سجین" میں قید ہوتی ہیں اور

انہیں کہیں آنے جانے کی اجازت نہیں ہوتی، البتہ آثارِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور آئمہ وعلماء کے اقوال میں فرمایا گیا ہے کہ مومنین اور صالحین کی ارواح کے موت کے بعد آزاد ہوتی ہیں اور باذنِ الٰہی جہاں چاہیں جاسکتی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس موضوع پر "اِتْیَانُ الْاَرْوَاح لِدِیَارِھِمْ بَعْدَ الرَّوَاح" (روحوں کا بعد وفات اپنے گھر آنا) کے عنوان سے ایک رسالہ تحریر کیا ہے جس میں درج آثار واقوال میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت سلمان فارسی اور عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما باہم ملے، ایک نے دوسرے سے کہا اگر تم مجھ سے پہلے انتقال کرو تو مجھے خبر دینا کہ وہاں کیا پیش آیا، پوچھا گیا: کیا زندہ اور مردہ بھی ملتے ہیں؟ فرمایا:

"نعم أما المؤمنون فان أرواحهم فی الجنة۔ وهی تذهب حیث شاءت"

ہاں مسلمانوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں، انہیں اختیار ہوتا ہے جہاں چاہیں جائیں۔

(بیہقی، شعب الایمان، ۲:۱۲۱، رقم:۱۳۵۵، دار الکتب العلمیۃ بیروت)۔

(ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، ۲۱:۴۶۰، دالکفر بیروت)۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ: "الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر۔ فاذا مات المؤمن یخلی به یسرح حیث شاء۔"

دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔ جب مسلمان مرتا ہے، اس کی راہ کھول دی جاتی ہے، جہاں چاہے جائے۔

(ابن ابی شیبۃ، المصنف، ۷:۱۲۹، رقم:۳۴۷۲۲ مکتبۃ الرشد ریاض)۔

شیخ الاسلام "کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء" فصل ہشتم میں فرماتے ہیں:

"درغرائب وخزانہ نقل کردہ کہ ارواح مومنین می آیند خانہ ہائے خودرا ہر شب جمعہ روز عید وروز عاشورہ وشب برات، پس ایستادہ می شوند بیرون خانہائے خود وندامی کند ہر یکے بآواز بلند اندوہ گین اے اہل و اولاد من ونزدیکانِ من مہر بانی کنید برما صدقہ۔"

غرائب اور خزانہ میں منقول ہے کہ مومنین کی روحیں ہر شب جمعہ، روز عید، روز عاشورہ، اور شب برات کو اپنے گھر آکر باہر کھڑی رہتی ہیں اور ہر روح غمناک بلند آواز سے ندا کرتی ہے کہ اے میرے گھر والو، اے میری اولاد، اے میرے قرابت دارو! صدقہ کرکے ہم پر مہربانی کرو۔ (کشف الغطاء عما لزم للموتی علی الاحیاء، فصل احکام دعاو صدقہ، ص:٦٦)

امام جلال الدین سیوطی شرح الصدور میں فرماتے ہیں: "رجح ابن البران ارواح الشهداء فی الجنة وارواح غیرهم علی افنية القبور فتسرح حيث شاءت۔"

امام ابو عمر ابن عبد البر نے فرمایا: راجح یہ ہے کہ شہیدوں کی روحیں جنت میں ہیں اور مسلمانوں کی فنائے قبور پر، جہاں چاہیں آتی جاتی ہیں۔

(شرح الصدور بحوالہ ابن ابی الدنیا، باب مقر الارواح، خلافت اکادمی، منگورہ، سوات، ص:۱۰۵)

علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں فرماتے ہیں: "ان الروح اذا انخلعت من هٰذا الهيكل وانفكت من القيود بالموت تحول الی حيث شاءت۔"

بیشک جب روح اس قالب سے جدا اور موت کے باعث قیدوں سے رہا ہوتی ہے تو جہاں چاہتی ہے جولاں کرتی ہے۔

(تیسیر شرح جامع صغیر تحتِ حدیث ان روح المومنین ـ ـ ـ الخ، مکتبۃ الامام الشافعی، الریاض، السعودیہ، ۱/۳۲۹)

قاضی ثناء اللہ تذکرۃ الموتی میں لکھتے ہیں: " ارواح ایشاں (یعنی اولیائے کرام قدست اسرارہم) از زمین و آسمان و بہشت ہر جاکہ خواہند می روند۔"

اولیائے کرام قدست اسرارہم کی روحیں زمین آسمان، بہشت میں جہاں چاہتی ہیں جاتی ہیں۔ (تذکرۃ الموتیٰ والقبور اردو ترجمہ مصباح النور، نوری کتب خانہ، لاہور، ص:۷۶)

خزانۃ الروایات میں ہے: "عن بعض العلماء المحقیقین ان الارواح تتخلص لیلة الجمعة وتنتش فجاؤا الی مقابر ثم جاؤا فی بیوتهم۔"

بعض علماء محققین سے مروی ہے کہ روحیں شب جمعہ چھٹی پاتی اور پھیلتی جاتی

ہیں، پہلے اپنی قبروں پر آتی ہیں پھر اپنے گھروں میں۔

دستور القضاۃ مسند صاحبِ مائۃ مسائل میں فتاویٰ امام نسفی سے ہے: "ان ارواح المومنین یاتونی فی کل لیلۃ الجمعۃ ویوم الجمعۃ فیقومون بفناء بیوتھم ثم ینادی کل واحد منھم بصوت حزین یا اھلی ویا اولادی ویا اقربائی اعطفوا علینا بالصدقۃ واذکرونا ولا تنسونا وارحمونا فی غربتنا۔"

بیشک مسلمانوں کی روحیں ہر روز و شب جمعہ اپنے گھر آتی اور دروازے کے پاس کھڑی ہو کر دردناک آواز سے پکارتی ہیں کہ اے میرے گھر والو! اے میرے بچّو! اے میرے عزیزو! ہم پر صدقہ سے مہر کرو، ہمیں یاد کرو بھول نہ جاؤ، ہماری غریبی میں ہم پر ترس کھاؤ۔

موت کے بعد ارواح کے بِاذن الٰہی کہیں آنے جانے کی نفی بھی نہیں کی جاسکتی۔

قرآن مجید میں اللہ کریم نے پارہ ۲۴، سورۃ الزمر میں فرمایا:

"اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾" (الزمر، ۳۹:۴۲)

اللہ جانوں کو اُن کی موت کے وقت قبض کر لیتا ہے اور اُن (جانوں) کو جنہیں موت نہیں آئی ہے اُن کی نیند کی حالت میں، پھر اُن کو روک لیتا ہے جن پر موت کا حکم صادر ہو چکا ہو اور دوسری (جانوں) کو مقرّرہ وقت تک چھوڑے رکھتا ہے۔ بے شک اس میں اُن لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

روح کی اقسام

روح کی دو اقسام ہیں: (۱) حیوانی (۲) سیرانی

حیوانی: جو نیند کی حالت میں بھی موجود رہتی ہے، اس لیے انسان زندہ رہتا ہے،

اگر یہ چلی جائے تو انسان مر جاتا ہے، جسم سے فقط رابطہ توڑا جاتا ہے۔

سیرانی: نیند کے وقت یہ نکل جاتی ہے، سیر کرتی رہتی ہے، پھر انسان خواب میں جو کچھ دیکھتا ہے، وہ اس روح کی وجہ سے دیکھتا ہے، جو گھومتی پھرتی رہتی ہے، انسان جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو یہ روح بھی واپس آجاتی ہے۔

سرسید احمد خان کا عقیدہ:-

(راقم ملفوظات عبد الوہاب چشتی) لکھتے ہیں کہ "سرسید کے متعلق میرے پوچھنے پر فرمایا کہ عقیدے کے لحاظ سے سخت خراب شخص تھا، اور نوابزادے تھے انگریز کے مفاد والے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر:۱۶۱)

توضیح ملفوظ:-

قادیانیوں کی "تاریخ احمدیت" میں مرقوم ہے کہ سرسید نے مرزا غلام احمد قادیانی کی بڑی معاونت کی ہے اور ان کی کتابوں کو بہت سراہا ہے۔

خود مرزا غلام احمد قادیانی کا بیان ہے کہ سرسید تین باتوں میں مجھ سے متفق ہیں: ایک یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا نہیں ہوئے۔ دوسرے یہ کہ ان کو آسمان پر نہیں اٹھایا گیا بلکہ "رافعك الی" سے مراد ان کے درجات کو بلند کرنا ہے۔ تیسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا معراج روح مع الجسد کے ساتھ نہیں تھا بلکہ صرف روحانی تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی اور سرسید احمد خان دونوں نے مذہب اسلام کے مسلمات میں شگاف ڈال کر انہیں نئی نئی ذہنی اور مذہبی بحثوں میں الجھایا اور اس طرح انگریزوں کی بہت بڑی خدمت انجام دی۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں انگریز کو اطمینان کے ساتھ برصغیر پر حکومت کرنے کا موقع ملا، مسلمانوں کی طاقت تقسیم ہو کر رہ گئی اور علماء اسلام کو بیک وقت تین محاذوں پر لڑنا پڑا یعنی انگریزی اقتدار سے آزادی کا محاذ، مرزا غلام احمد قادیانی کی خانہ ساز نبوت کا محاذ اور سرسید احمد خان کی ایمان سوز نیچیریت اور تحریف قرآن کا محاذ۔

سر سید یورپ کے ملحد اور مذہب بیزار مفکرین سے شدید متاثر تھے اور اس تاثر کے تحت انہوں نے اسلام کے بیشتر بنیادی عقائد اور مسلم حقائق کو توجیہ و تاویل کے ذریعے سے ایسی شکل دینے کی سعی کی جو مغربی ملحدین کے تصورات کے مطابق قابل قبول ہو سکے۔ چنانچہ وحی، جنت و دوزخ، آخرت، ملائکہ وجنات کی ایسی ایسی فاسد تاویلات کیں جن سے دین کا پورا نظام ڈھے جاتا ہے۔ معجزات کو تسلیم کرنے سے ان کا ذہن باغی ہے اور مافوق الفطرت اور خارق عادت کسی امر کو تسلیم کرنے پر وہ تیار نہیں۔ اس ضمن میں انہوں نے اُمّت کے اہل علم کی اجماعی آرا کو مکمل طور پر نظرانداز کر دیا۔ چنانچہ خود لکھتے ہیں کہ

"میں نے بقدر اپنی طاقت کے خود قرآن کریم پر غور کیا اور چاہا کہ قرآن کو خود ہی سمجھنا چاہیے۔" (تفسیر القرآن ج ا ص ۲)

ان کی ایسی آراء کے چند نمونے ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

ا۔ سورۃ بقرہ میں ارشاد باری ہے:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ط

ترجمہ: "اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر طور پہاڑ کو بلند کیا۔"

اس کے تحت سر سید لکھتے ہیں کہ

"پہاڑ کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے سروں پر نہیں رکھا تھا بلکہ آتش فشانی سے پہاڑ ہل رہا تھا اور وہ اس کے نیچے کھڑے یہ سمجھ رہے تھے کہ ان کے سروں پر گر پڑے گا۔"

۲۔ دین میں کعبہ کی حیثیت سے متعلق سر سید لکھتے ہیں کہ

"جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس پتھر کے بنے ہوئے چوکھونٹے گھر میں ایک ایسی متعدی برکت ہے کہ جہاں سات دفعہ اس کے گرد پھرے اور بہشت میں چلے گئے، یہ ان کی خام خیالی ہے۔" (تفسیر القرآن ج ا ص ۲۱۱)

نیز لکھتے ہیں: "اس چوکھونٹے گھر کے گرد پھرنے سے کیا ہوتا ہے؟ اس کے گرد تو اونٹ اور گدھے بھی پھرتے ہیں تو وہ کبھی حاجی نہیں ہوئے۔" (ایضاً ج ا ص ۲۵۱)

مزید لکھتے ہیں کہ "کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا اسلام کا کوئی اصلی حکم

نہیں ہے۔“ (ایضاً ج اص۱۵۷)

”نماز میں سمت قبلہ کوئی اصل حکم مذہب اسلام کا نہیں ہے۔“ (ایضاً ج اص ۱۴۱)

۳۔ سر سید وحی کی حقیقت کے بارے میں لکھتے ہیں:

”یہ بھی مسلم ہے کہ قرآن مجید بلفظہ آنحضرت ﷺ کے قلب پر نازل ہوا ہے یا وحی کیا گیا ہے، خواہ یہ تسلیم کیا جاوے کہ جبریل فرشتہ نے آنحضرت تک پہنچایا جیسا کہ مذہب عام علماء اسلام کا ہے، یا ملکہ نبوت نے جو روح الامین سے تعبیر کیا گیا ہے، آنحضرت کے قلب پر القا کیا ہے، جیسا کہ میرا خاص مذہب ہے۔“ (ایضاً ج اص ۳)

نیز لکھتے ہیں کہ: ”جس طرح ایک بڑھئی وغیرہ ہر آئے دن اپنے دماغ سے نئی نئی اشیا ایجاد کر کے بناتا رہتا ہے، اسی طرح نبی میں جو ملکہ نبوت ہوتا ہے، اس کے ذریعے سے وہ بھی نیکی کی راہیں بتاتا رہتا ہے اسی لیے ملکہ نبوت کے سوا کوئی اور مخلوق وحی لانے والی نہیں۔“

جبریل کی حقیقت پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ”پس وحی وہ چیز ہے جس کو قلب نبوت پر بسبب اسی فطری نبوت کے مبدا فیاض نے نقش کیا ہے۔ وہی انتقاش قلبی کبھی مثل ایک بولنے والی آواز کے انہیں ظاہری کانوں سے سنائی دیتا ہے اور کبھی وہی نقش قلبی دوسرے بولنے والے کی صورت میں دکھائی دیتا ہے مگر اپنے آپ کے سوا نہ وہاں کوئی آواز ہے نہ بولنے والا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسی ملکہ نبوت کا جو خدا نے انبیا میں پیدا کیا ہے، جبریل نام ہے۔“ (ایضاً ج۲ ص ۲۰)

”خدا اور رسول میں بجز اس ملکہ نبوت کے جس کو ناموس اکبر اور زبان شرع میں جبریل کہتے ہیں، اور کوئی ایلچی پیغام پہنچانے والا نہیں ہوتا۔“ (ایضاً ص ۲۴)

”نبوت ایک فطری چیز ہے جو انبیا میں بمقتضائے ان کی فطرت کے مثل دیگر قوائے انسانی کے ہوتی ہے۔ جس انسان میں وہ قوت ہوتی ہے، وہ نبی ہوتا ہے۔“

(ایضاً ج اص ۲۳)

۴۔ سورۂ بقرہ کی آیت ربا کے تحت سر سید لکھتے ہیں: ”اس آیت میں انہیں

لوگوں کا ذکر ہے جو غریب، مسکین لوگوں سے سود لیتے تھے اور اسی سود کو جو ایسے لوگوں سے لیا جاتا تھا جو قابل رحم اور ہمدردی اور سلوک کرنے کے تھے، خدا نے حرام کیا۔"
(ایضاً ج ۱ ص ۲۴۲)

مزید لکھتے ہیں: "ان کے سوا وہ لوگ ہیں جو ذی مقدار صاحب دولت و جاہ و حشمت ہیں اور اپنے عیش و آرام کے لیے روپیہ قرض لیتے ہیں، جائیدادیں مول لیتے ہیں، مکان بناتے ہیں اور قرض روپیہ لے کر چین اڑاتے ہیں۔ گو ان کو قرض دینا بعض حالتوں میں خلاف اخلاق ہو مگر ان سے سود لینے کی حرمت کی کوئی وجہ قرآن مجید کی رو سے مجھ کو نہیں معلوم ہوتی۔" (ایضاً ج ۱ ص ۱۴۳)

۵۔ واقعہ معراج کے متعلق لکھتے ہیں: "ہماری تحقیق میں واقعہ معراج کا ایک خواب تھا جو رسول اللہ ﷺ نے دیکھا تھا۔ اسی خواب میں یہ بھی دیکھا کہ جبریل نے آپ کا سینہ چیرا اور اس کو آب زمزم سے دھویا۔" (تفسیر القرآن ج ۲ ص ۱۳۰)

نیز لکھتے ہیں "ہمارا اور صاحب عقل کا بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کو ایک واقعہ خواب کا تسلیم کرے۔" (ایضاً ج ۴ ص ۸۶ و ص ۱۲۲)

۶۔ سرسید کا خیال ہے کہ جنات کا ایک مستقل اور خاص مخلوق ہونا قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں۔

۷۔ فرماتے ہیں کہ جس جنت کو علماء اسلام اور تمام مسلمان مانتے ہیں، وہ قرآن سے ثابت نہیں۔

اس کے علاوہ جدید سائنسی خیالات کی قرآن سے تائید مہیا کرنے کے لیے انہوں نے متعدد تحریریں لکھیں۔ مثلاً "خلق الانسان" لکھ کر رابرٹ چارلس ڈارون کے نظریہ ارتقا اور سر چارلس لائل کی کتاب "انسان کا عہد پارینہ" کی تصدیق کر کے قرآنی حقائق کو مسخ کر کے رکھ دیا۔ "الجن والجان علیٰ ما قال فی الفرقان" میں جنات کی مخلوق کے موجود ہونے کا انکار کر کے قرآن حکیم کی سینکڑوں آیات کے مفہوم میں تحریف کر دی۔

دولت سے محبت و قتل غارت

جمعۃ المبارک کے روز ارشاد فرمایا! کہ حجۃ الوداع کا خطبہ شریف بڑا تفصیلی خطبہ ہے، لوگ اس کی تفصیل بیان نہیں کرتے، حضور سرکار دو عالم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی اُمّت کے معاملے میں شرک کے بارے میں نہیں ڈرتا مگر یہ کہ دولت و اقتدار کے لئے آپس میں لڑیں گے اور قتل وغارت کریں گے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۷)

توضیح ملفوظ:-

اس بارے میں احادیث ملاحظہ فرمائیں!

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضي الله عنه أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وآله وسلم خَرَجَ يَوْمًا فَصَلّٰى عَلٰى أَهْلِ أُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ إِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم : إِنِّي فَرَطٌ لَكُمْ وَأَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلٰى حَوْضِي الْآنَ، وَإِنِّي أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ، أَوْ مَفَاتِيْحَ الْأَرْضِ، وَإِنِّي وَاللهِ، مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِي وَلٰكِنْ أَخَافُ عَلَيْكُمْ أَنْ تَتَنَافَسُوْا فِيْهَا۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب الجنائز، باب الصلاة على الشهيد، ۱/ ۴۵۱، الرقم/ ۱۲۷۹، وأيضًا في كتاب المغازي، باب أُحد يحبنا ونحبه، ۴/ ۱۴۹۸، الرقم/ ۳۸۵۷، وأيضًا في كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ۳/ ۱۳۱۷، الرقم/ ۳۴۰۱، وأيضًا في كتاب الرقاق، باب ما يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، ۵/ ۲۳۶۱، الرقم/ ۶۰۶۲، ومسلم في الصحيح، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم وصفاته، ۴/ ۱۷۹۵، الرقم/ ۲۲۹۶، وأحمد بن حنبل في المسند، ۴/ ۱۵۳، الرقم/ ۱۷۴۳۵، والأصبهاني في دلائل النبوة، ۱/ ۱۹۱، الرقم/ ۲۴۸)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، حضور نبی اکرم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم ایک روز میدانِ اُحد میں تشریف لے گئے اور شہدائے اُحد پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر نمازِ جنازہ پڑھی جاتی ہے۔ پھر آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّم منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: بے شک میں تمہارا پیش رو اور تم پر گواہ ہوں۔ خدا کی قسم! میں اپنے حوضِ کوثر کو اس وقت بھی دیکھ رہا ہوں، بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں - یا فرمایا: روئے زمین کی کنجیاں - عطا

کر دی گئی ہیں۔ خدا کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے، بلکہ مجھے ڈر اس بات کا ہے کہ تم دنیا کی محبت (یعنی مال و دولتِ دنیا کی حرص) میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

اسی طرح بخاری شریف میں ایک دوسری جگہ ہے کہ! عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ رضی الله عنه، قَالَ: صَلّٰى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم عَلٰى قَتْلٰى أُحُدٍ، بَعْدَ ثَمَانِي سِنِينَ كَالْمُوَدِّعِ لِلأَحْيَاءِ وَالأَمْوَاتِ، ثُمَّ طَلَعَ الْمِنْبَرَ، فَقَالَ: إِنِّي بَيْنَ أَيْدِيكُمْ فَرَطٌ وَأَنَا عَلَيْكُمْ شَهِيدٌ، وَإِنَّ مَوْعِدَكُمُ الْحَوْضُ، وَإِنِّي لَأَنْظُرُ إِلَيْهِ مِنْ مَقَامِي هٰذَا، وَإِنِّي لَسْتُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا، وَلٰكِنِّي أَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوْهَا۔ قَالَ: فَكَانَتْ آخِرَ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ۔

(أخرجه البخاري في الصحيح، كتاب المغازي، باب غزوة أحد، ۴/ ۱۴۸۶، الرقم/ ۳۸۱۶، ومسلم في الصحيح، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وآله وسلم وصفاته، ۴/ ۱۷۹۶، الرقم/ ۲۲۹۶، وأحمد بن حنبل في المسند، ۴/ ۱۵۴، الرقم/ ۱۷۴۳۸، وأبو داود في السنن، كتاب الجنائز، باب الميت يصلي على قبره بعد حين، ۳/ ۲۱۶، الرقم/ ۳۲۲۴، والطبراني في المعجم الكبير، ۱۷/ ۲۷۹، الرقم/ ۷۶۸، والبيهقي في السنن الكبرى، ۴/ ۱۴، الرقم/ ۶۶۰۱)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شہدائے اُحد پر (دوبارہ) آٹھ سال بعد اس طرح نماز پڑھی گویا زندوں اور مُردوں کو الوداع کہہ رہے ہوں۔ پھر آپ ﷺ منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور فرمایا: میں تمہارا پیش رَو ہوں، میں تمہارے اُوپر گواہ ہوں، ہماری ملاقات کی جگہ حوضِ کوثر ہے اور میں اس جگہ سے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے تمہارے متعلق اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم (میرے بعد) شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ تمہارے بارے میں مجھے دنیا کی محبت میں ایک دوسرے سے مسابقت کا اندیشہ ہے۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ میرا رسول اللہ ﷺ کا آخری دیدار تھا (یعنی اس کے بعد جلد ہی آپ ﷺ کا وصال ہو گیا)۔

یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

وَفِي رِوَايَةٍ عَنْهُ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: إِنِّي لَسْتُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِي، وَلٰكِنِّي أَخْشٰى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا، وَتَقْتَتِلُوْا فَتَهْلِكُوْا كَمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ۔ قَالَ عُقْبَةُ: فَكَانَ آخِرَ مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم عَلَى الْمِنْبَرِ۔ رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَابْنُ أَبِي عَاصِمٍ وَالطَّبَرَانِيُّ۔

(أخرجه مسلم في الصحيح، كتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبينا صلى الله عليه وآله وسلم وصفاته، ۴/۱۷۹۶، الرقم/۲۲۹۶، وابن أبي عاصم في الآحاد والمثاني، ۵/۴۵، الرقم/۲۵۸۳، والطبراني في المعجم الكبير، ۱۷/۲۷۹، الرقم/۷۶۹)۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمہارے متعلق اس بات کا توڈر ہی نہیں ہے کہ تم میرے بعد شرک کروگے بلکہ مجھے ڈر ہے کہ تم دنیا کی محبت میں ایک دوسرے سے مسابقت کرنے لگوگے، آپس میں لڑو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے جیسا کہ تم سے پہلے لوگ ہوئے۔

حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: یہ آخری موقع تھا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منبر پر جلوہ افروز دیکھا (یعنی اس کے بعد جلد ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہو گیا)۔ اسے امام مسلم، ابن ابی عاصم اور طبرانی نے روایت کیا ہے۔

☜ -: کون سا علم ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے؟

(علم کی فرضیت کے بارے میں آپ سے سوال کیا گیا) تو آپ نے فرمایا کہ حدیث مبارکہ میں جو عِلم مرد و عورت پر فرض فرمایا گیا ہے وہ یہ ضروری مسائل کا (علم) ہے۔ حلال، حرام کی تمیز، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، غسل، استنجا (طہارت) وغیرہ وغیرہ (کا علم حاصل کرنا مقصد ہے۔) (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۷)

توضیح ملفوظ -:

حضرت سیِّدُنا اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضورِ پاک، صاحبِ لَولاک، سیّاحِ افلاک صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں: ”طَلَبُ الْعِلْمِ

فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ یعنی علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد (وعورت) پر فرض ہے۔“

(شعب الإیمان، باب فی طلب العلم، الحدیث:۱۶۶۵، ج۲، ص۲۵۴)(سنن ابن ماجہ ج۱ ص۱۴۶ احدیث ۲۲۴)

جو علم مرد و عورت پر فرض فرمایا گیا ہے وہ ضروری مسائل کا علم ہے۔ حلال حرام کی تمیز، تجارت کے مسائل، حیض و نفاس، نماز کے مسائل، روزہ، زکوٰۃ، حج، غسل، استنجاء، وغیرہ کے مسائل سیکھنا لازمی ہیں، فرض ہیں لیکن پورا عالم دین بننا فرض کفایہ ہے اگر شہر میں ایک نے ادا کر دیا تو سب بری ہو گئے۔

عشق حقیقی، مقصود حقیقی کا حصول:-

جمعۃ المبارک کے خطبہ میں آپ نے خواجہ غریب نواز رحمہ اللہ کے سفر بغداد شریف سے اجمیر شریف تک جو، جو واقعات پیش آئے سر سری ذکر فرمایا اور یہ ثابت کیا کہ ہر چیز کی ابتداء عشق ہے اور جب طالب، عشق میں اپنے آپ کو ختم کر دیتا ہے تو مقصود کو پالیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ والے جب اللہ کی صفات میں اپنے کو گم کر دیتے ہیں تو وہ مقصود حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کو پا لیتے ہیں اور جب اللہ کو پا لیتے ہیں، تو ان کا اٹھنا، بیٹھنا بولنا، سب کچھ اللہ کا بن جاتا ہے (ملفوظات، از صوبیدار عبد الرشید، صفحہ نمبر ۷)

توضیح ملفوظ:-

حضرت سعید بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے پوچھا گیا: اولیاء اللہ کون ہیں؟ فرمایا: ھم الذین یذ کر اللہ بر ؤیتھم۔

اولیاء اللہ وہ ہیں جن کے دیکھے سے اللہ یاد آجائے۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کی: یارسول اللہ! اولیاء اللہ کون ہیں؟ فرمایا: الذین اذا رؤ وا ذکر اللہ۔

جن کے دیکھنے سے اللہ یاد آجائے۔

(علامہ اسماعیل بن کثیر الدمشقی (م ۷۷۴ھ)، تفسیر القرآن العظیم، ۴۲۲ / ۲، طبع لاہور)

حضرت ابو بکر الاصمؒ فرماتے ہیں: اولیاء اللہ وہ ہیں جن کی ہدایت کا دلیل سے

اللہ ضامن ہے اور اللہ کی عبادت اور اس کی دعوت کے وہ ضامن ہیں۔ جب بندہ ان صفات پر کاربند ہوتا ہے، وہ ولی اللہ ہوتا ہے اور جب بندہ ولی اللہ ہو جاتا ہے تو اللہ اس کا ولی ہوتا ہے اور یہی ہونا چاہیے، اس لیے کہ "لان القرب لا یحصل الامن الجانبین۔" قرب دونوں طرف سے ہوتا ہے۔

متکلمین نے فرمایا اللہ کا ولی وہ ہے جس کا عقیدہ درست ہو، مبنی بر دلیل ہو:

ویکون بالاعمال الصالحۃ علی وفق ما وردت بہ الشریعۃ۔

اور جس کے اعمال شریعت کے مطابق ہوں۔

(امام فخر الدین الرازی، التفسیر الکبیر، ج:۱۷، ص:۱۲۶)

اسی آیت (یونس: ۶۲) کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا: "ان من عباد اللہ عبادا ما ھم بانبیاء ولا شھداء تغبطھم الانبیاء والشھداء یوم القیامۃ لمکانھم من اللہ تعالیٰ۔"

اللہ کے بندوں میں سے ایسے بندے بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں، نہ شہداء مگر قیامت کے دن اللہ کے ہاں ان کی عزت و مرتبہ کو دیکھ کر انبیاء و شہداء رشک کریں گے۔

عرض کی گئی: "یارسول اللہ! خبّرنا من ھم وما اعمالھم فلعلنا نحبھم؟ قال: ھم قوم تحابوا فی اللہ علی غیر ارحام بینھم ولا اموال یتعاطون بھا، فواللہ ان وجوھھم لنور وانھم علی منابر من نور، ولا یخافون اذا خاف الناس ولا یحزنون اذا حزن الناس ثم قراء اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔"

ہمیں فرمائیں کہ وہ کون ہیں اور ان کے اعمال کیا ہیں کہ ہم ان سے محبت کریں؟ فرمایا: یہ لوگ وہ ہیں جو اللہ کے لیے آپس میں محبت کرتے ہیں، ان میں رحم (نسب) کے رشتے ہیں اور نہ کوئی مالی لین دین ہے۔ خدا کی قسم ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور نور کے منبروں پر رونق افروز ہوں گے، جب لوگ ڈرتے ہوں گے، انہیں کوئی خوف نہ ہو گا اور

جب لوگ غمزدہ ہوں گے، انہیں کوئی غم نہ ہو گا۔ پھر آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیت پڑھی: اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اولیاء اللہ قوم صفر الوجوہ من السھر۔

راتوں کے جگراتوں سے ان کے چہرے زرد۔

عمش العیون من العبر

ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر

خمص البطون من الجوع

بھوک سے ان کے پیٹ سکڑے ہوئے

یبس الشفاہ من الذوی۔۔۔

پیاس سے ہونٹ خشک۔

جب اللہ ان کا والی، وارث اور دوست ہو جاتا ہے تو یہ دنیا و آخرت کے خوف و غم سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ ”لا خوف علیھم لان اللہ یتولا ھم ولا ھم یحزنون لتعویض اللہ ایاھم فی اولاھم واخراھم لانہ ولیھم ومولاھم۔“

ان پر کچھ خوف نہیں، اس لیے کہ اللہ ان کا دوست ہے۔ نہ وہ دنیا میں غمگین ہوتے ہیں اس لیے کہ اللہ ان کو دنیا و آخرت میں صلہ دیتا ہے کہ وہ ان کا ولی و مولیٰ ہے۔

(امام قرطبی، الجامع الاحکام القرآن، ۸:۲۲۸، طبع مصر)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا (حدیث قدسی) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”من عادیٰ لی ولیًّا فقد اذنتہ بالحرب، وما تقرب الی عبد بشئی احب مما افترضتُ علیہ، وما یزال عبدی یتقرّبُ الی بالنوافل حتی احبتہُ، فکنتُ سمعہ الذی یسمع بہ، وبصرہ الذی یبصُرُ بہ، ویدہ التی یبطش بھا، ورجلہ التی یمشی بھا، وان سالنی لَاُعطِيَنّہٗ، ولئن استعاذنی لَاُعِيذَنّہٗ، وما ترددتُّ عن شیءٍ انا فاعلہ تَرَدُّدِی عن نفس

المومن یکرہ الموت وانا اکرہ مساءتہٗ ولا بُدّ لہٗ منہ۔"

جس کسی نے میرے ولی سے دشمنی کی، میں اُسے اعلان جنگ کرتا ہوں اور بندے کا میرا قرب حاصل کرنے کے لیے میں نے جو احکام اس پر فرض کیے ہیں، ان کے بجالانے سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں اور میرا بندہ ہمیشہ نفلی عبادت کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں، پھر میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے اور پاؤں بنتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے اور اگر مجھ سے مانگے تو ضرور عطا کرتا ہوں اور اگر مجھ سے پناہ مانگے تو ضرور اسے پناہ دیتا ہوں اور میں جو کرنا چاہوں اس میں مجھے کوئی تردد نہیں، جتنا تردد مجھے مسلمان کی جان سے متعلق ہوتا ہے۔ وہ موت کو ناپسند کرتا ہے اور میں اس کی تکلیف کو ناپسند کرتا ہوں۔ حالانکہ اس سے اسے چارہ نہیں۔"

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا کہ دور سے آیا ہوں، سنا ہے کہ آپ کے پاس اسم اعظم ہے، مجھے بھی دے دیں۔ آپ نے فرمایا: اسم اعظم صرف یہ ہے کہ دل کو خلوت گاہ بنالو اور اس میں محبوبِ حقیقی کو بٹھالو۔ سوائے محبوب کے اس دل کے حجرے میں کوئی نہ بسے۔ اگر دل کی خلوت میں مولیٰ بس جائے تو جو نام لو وہی اسم اعظم ہے۔ جو نام پکارو وہی اسم اعظم ہے۔ دل کا اللہ کے لئے خالص ہو جانا اسم اعظم ہے۔ دل کی خلوت گاہ میں مولیٰ جلوہ گر ہو جائے تو کائنات کی ہر شے سے بندہ بے نیاز ہو جاتا ہے۔ دلوں / روحوں کا وصال جب اللہ کے ساتھ ہو جائے تو ان دلوں کو وہ لذت ملتی ہے کہ کائنات کی کوئی شے ان کے لئے توجہ طلب نہیں رہتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: باری تعالیٰ بعض لوگ تجھے پا کر پھر جاتے ہیں، بدل جاتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا: جس نے مجھے حقیقت میں پالیا ہے، وہ کبھی نہیں پھرا۔ پھرتے وہ ہیں جو رستے سے مڑ جاتے ہیں۔ جنہوں نے میری قربتوں

کی نسبت نہیں دیکھی وہ مڑ جاتے ہیں۔ جو مجھ سے مل جاتا ہے وہ پھرتا اور مڑتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احوال قلبی کو بدلنے اور اسے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ کی رضا کے مطابق ڈھالنے کی توفیق عطا فرمائے

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
کان سوختہ را جان شد و آواز نیامد

ترجمہ: اے مرغ سحر، پروانے سے عشق کرنا سیکھ کہ اس سوختہ نے جان دیدی اور آواز تک نہ نکالی

پھر فرمایا!

این مدعیان در طلبش بی خبرانند
کان را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

ترجمہ: اس کی طلب کا دعویٰ کرنے والے بالکل بے خبر ہیں اس لیے کہ جس کو اس کی خبر ہوئی پھر اس کی خبر نہیں ملتی

مطلب یہ ہے کہ اے بلبل تو اب عشق، پروانے سے سیکھ کہ وہ راہ محبت میں خود کو قربان کر دیتا ہے لیکن کیا مجال آہ بھی کرے۔ یہ دنیا والے جو محبوب حقیقی کے طالب ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ حقیقت میں اس سے بے خبر ہیں اور ان کی بے خبری کی دلیل یہ ہے کہ جن لوگوں کو اس کی ذات سے آگاہی حاصل ہوئی پھر اُن کی کبھی خبر نہیں ملی، یعنی عارف الٰہی ایسا گم کردہ بوش ہو جاتا ہے کہ پھر اسے اس دعویٰ خدا شناسی کا ہوش باقی نہیں رہتا۔

مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت
ہر کہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

ترجمہ: عشق ایسا شعلہ ہے جب بھڑک اُٹھتا ہے تو معشوق (حقیقی) کے سوا تمام چیزوں کو جلا دیتا ہے۔

☜ اللہ تعالیٰ خالق اور انبیاء واولیاء مخلوق:-

آپ جناب نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء الرحمن رحمہم اللہ اس کی مخلوق ہیں اور حضور ﷺ عبد اور رسول ہیں۔ پھر شرک کا شائبہ تک نہیں رہتا، کہ اللہ تعالیٰ کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا نہ ترقی، نہ زوال، نہ جوہر نہ عرض نہ ضد نہ مثل، جبکہ آپ ﷺ کا جسم مبارک بھی ہے، جوہر بھی ہے پھر شرک کیسے؟ ہم حواس خمسہ سے کام لیتے ہیں جبکہ اس کو دیکھ نہیں سکتے مس نہیں کر سکتے وغیرہ
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۴)

☜ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کا طریقہ:-

حضور نے ایک مجلس میں فرمایا! کہ کیا ہم حواس خمسہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکتے ہیں؟ تو فرمایا "لا شئ" یہ کچھ بھی نہیں کیونکہ حواس خمسہ کی پانچ خصوصیات، قوت سامعہ (کان، سننا) لامسہ (ہاتھ، مس کرنا) ذائقہ (زبان، چکھنا) شامّہ (ناک، سونگھنا) باصرہ (آنکھ، دیکھنا) کو حواس خمسہ کہتے ہیں، نہ تو ہم اسے دیکھ سکتے ہیں نہ ہم اسے سونگھ سکتے (اور نہ وہ ہمارے ادراک و محسوسات میں آسکتا ہے۔ اس کا فوق الادراک ہونا ہی دراصل شان اُلوہیت ہے) تو اس کی معرفت کس طرح حاصل کریں، اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے پیارے حبیب لبیب ﷺ کے ذریعے ہی حاصل کی جا سکتی ہے
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۵)

☜ :- تحصیل علم اور علماء بھوئی گاڑ:-

(راقم ملفوظات عبدالوہاب چشتی لکھتے ہیں کہ) گفتگو جاری تھی تو میں نے عرض کیا کہ حضور! آپ جناب نے بھوئی گاڑ میں مولانا محب النبی صاحب سے کتابیں پڑھی ہیں؟ فرمایا: ہاں! ان سے فقہ اور (دیگر فنون کی) کتابیں (پڑھی ہیں) اور بھوئی گاڑ ہی میں ان کے چچازاد مولانا عبدالحی صاحب سے منطق کی کتابیں پڑھی ہیں۔ فرمایا! دونوں بہت بڑے علماء اور درویش صفت انسان تھے۔ مولانا محب النبی صاحب بڑے فقیر انسان تھے اس وقت

جہاں (بھی) بڑے بڑے علماء ہیں، وہ ان کے شاگرد یا ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔
فرمایا! کہ جب وہ حیات تھے تو لوگ (علماء) تحصیل علم کے بعد باہر ملکوں سے آتے اور مجھ سے سفارشی رقعہ لے جاتے تو ان سے ہدایہ شریف اور فقہ کی کتابیں پڑھتے۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۵۸)

توضیح ملفوظ:-

قصبہ بھوئی گاڑ تحصیل حسن ابدال ضلع اٹک میں ہے۔ بھوئی گاڑ کو بہت سے اعزازات حاصل ہیں، یہ بے شمار علما، صلحاء اور اولیاء و عرفاء کا مسکن بھی رہا ہے۔ علمی حوالے سے بھی یہ گاؤں اک خاص پس منظر رکھتا ہے۔ غزنوی دور سے اب تک اس گاؤں میں ایک تاریخی مدرسہ "دار العلوم ربانیہ" ہے جہاں پر برصغیر کے نامور علماء کرام نے علم کی پیاس بجھائی۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاد حضرت کمال الدین زاہد کا تعلق بھی اسی گاؤں سے تھا۔ انھوں نے حضرت نظام الدین اولیاء کو علم حدیث سے مستفید کیا جس کا تذکرہ ان کی کتاب "سیر الاولیاء" میں موجود ہے۔ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اکبر شیخ کریم الدین کا تعلق بھی بھوئی گاڑ کے ایک قریبی گاؤں سے ہے اور انھوں نے بھی تعلیم یہاں سے ہی حاصل کی۔ مدرسہ دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا انور شاہ کاشمیری اور حضرت پیر سید مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف نے بھی اسی مدرسے سے تعلیم حاصل کی۔ گویا کہ یہ علاقہ دینی لحاظ سے بھی ایک گہری تاریخ کا حامل ہے۔ قیام پاکستان سے پہلے تک یہاں کسی فرقے کی چھاپ نہیں ہوتی تھی اور یہاں آنے والا ہر فرد صرف علم کی پیاس بجھانے آتا تھا"

تعارف علامہ محب النبی ھاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت علامہ بحر العلوم، جامع المعقول والمنقول، محب النبی ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ اہلسنت میں شیخ الجامعہ اور استاذ الاساتذہ کہلاتے ہیں۔

ولادت-:

استاذ الاساتذہ مولانا محب النبی ابن مولانا احمد ابن مولانا امیر حمزہ ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۷ء میں بھوئی ضلع کیمبلپور میں پیدا ہوئے۔ آپ خاندان علم و فضل کے اعتبار سے مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔

تعلیم-:

آپ نے فارسی کی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں، صرف ونحو کی کتابیں پانوں ڈھیری ہزارہ میں مولانانواب علی سے پڑھیں، پھر اکثر وبیشتر علوم وفنون اپنے والد گرامی سے پڑھے، درس حدیث مدرس عالیہ مسجد فتح پوری، دہلی میں مولانا عبد اللطیف محدث سے لیا، بعد ازاں بعض فنون عالیہ کی تکمیل کے لیے مدرسہ معینیہ، اجمیر شریف میں مولانا علامہ مشتاق احمد کانپوری ابن استاذ من مولانا احمد حسن کانپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان سے تصریح، شرح چغمینی او صدرا کے کچھ اسباق پڑھے تھے کہ آپ کے بھائی مولانافرید الدین بیمار ہوگئے لہٰذا واپس گھر آنا پڑا۔

بیعت-:

سلسلۂ عالیہ چشتیہ میں شیخ الاسلام پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی کے مرید ہوئے۔ مولانامحب النبی کی درخواست پر حضرت نے انھیں تصریح (علم ہیئت کی متداول کتاب) اور کچھ اسباق فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم (شیخ اکبر محی الدین ابن عربی) کے پڑھائے۔

تدریس-:

مولانامحب النبی فارغ التحصیل ہونے سے آخر عمر تک علوم دینیہ کی تدریس میں محو رہے، ابتدا چھ سال بھوئی میں گذرے، پھر بڑودہ تشریف لے گئے، اس کے بعد مکھڈ شریف ایک عرصہ تک مدرس رہے، بعد ازاں پانچ سال تک دربار پیر صلاح الدین ضلع لائل پور میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے، نوسال دار العلوم اویسیہ، جیندھڑ شریف، ضلع گجرات، بارہ سال دارالعلوم غوثیہ، گولڑہ شریف، دو سال جامعہ نظامیہ، وزیر آباد، دو سال جامعہ محمدی، ضلع جھنگ میں علم و فضل کے دریا بہاتے رہے، ۱۹۶۵ء میں ضیاء

العلوم جامعہ رضویہ، راولپنڈی تشریف لے آئے ۱۹۷۲ء میں دار العلوم غوثیہ، راولپنڈی تشریف لے لیے اور وہاں تقریباً تین سال پڑھاتے رہے۔

تلامذہ:-

مولانا محب النبی دور حاضر میں سلف صالحین کی سچی یاد گار اور اکابر اساتذہ میں سے تھے۔ پاکستان کے بیشتر علماء بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے رشتۂ تلمذ میں منسلک ہیں، چند مشہور تلامذہ کے اسماء یہ ہیں:۔

۱۔ ملک المدرسین مولانا حافظ عطا محمد چشتی بندیالوی
۲۔ شیخ القرآن مولانا ابو الحقائق علامہ محمد عبد الغفور ہزاروی
۳۔ مولانا علامہ حسن الدین ہاشمی، جامعہ اسلامیہ، بہاولپور، (بھتیجے)
۴۔ مولانا سید غلام محی الدین شاہ مہتمم ضیاء العلوم جامعہ رضویہ، راولپنڈی۔
۵۔ مولانا علامہ حافظ عبد الغفور مہتمم جامعہ
۶۔ پیر سید معین الدین گیلانی المعروف بڑے لالہ جی گولڑہ شریف
۷۔ پیر سید عبد الحق گیلانی گولڑہ شریف
۸۔ سید حسین الدین شاہ سلطانپوری
۹۔ مولانا مفتی منظور احمد
۱۰۔ مولانا عبد الحی قریشی بھوئی گاڑ
۱۱۔ حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب گڑھی شریف

سیرت واخلاق:-

مولانا محب النبی کا بہت بڑا اجہاد یہ تھا انھوں نے تمام زندگی علوم دینیہ کی تعلیم و تدریس میں صرف کی، سادگی اور بے تکلفی میں اپنی مثال آپ تھے، طلبہ کے ساتھ شفقت و مہربانی کا یہ عالم کہ کوئی باپ بھی اپنی اولاد کے ساتھ کیا کرے گا۔

وفات:-

۲۱/ ربیع الاول، ۲۲ مارچ ۱۳۹۶ھ/ ۱۹۷۶ء کو استاذ الاساتذہ مولانا محب النبی کا

وصال ہوا۔ آپ کی آخری آرام گاہ بھوئی ضلع کیمبلپور میں ہے

کتب خانہ کی صفائی باعث برکت رزق وشرف:-

(زبدۃ المشائخ) نے فرمایا کہ ہم سے پہلے کی بات ہے میں نے بزرگوں سے سنی ہے کہ مولانا محب النبی صاحب اور ان کے والد محترم مولانا محمد دین صاحب جو کہ خود بہت بڑے عالم تھے یہاں آتے تو اس وقت ہمارا کتب خانہ تنگ تھا۔ مولانا محب النبی صاحب نے صاف سفید کپڑے اور سفید پگڑی مایہ (کلف) لگی ہوئی صاف ستھری باندھی تھی تو کتب خانہ میں مولانا محمد دین صاحب نے ان کی پگڑی لے کر کتابیں صاف کیں اور ان کی گرد دور کرنے لگے اور مولانا محب النبی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرمایا! کہ بیٹا خواجہ سید محمد فاضل شاہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ جو کوئی میرے کتب خانہ کی کتابوں سے دھول صاف کرے گا اس کی روزی آسان ہو گی۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۵۸)

توضیح ملفوظ:-

ہمارے اسلاف نے ہمیں کتاب اور علم و ادب سے محبت کا درس دیا ہے اور خود کتابوں سے حد درجہ عقیدت، اُن کو جمع کرنے کا شوق، اپنے ذاتی کتب خانے کو وسیع سے وسیع تر کرنے کی جستجو اہلِ ذوق میں نمایاں رہی ہے، اور شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ اس سلسلے میں وہ بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔ چھٹی صدی کے ایک حنبلی عالم امام ابن الخشاب (متوفیٰ ۵۶۷ھ) کے بارے میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ موصوف نے ایک دن ایک کتاب ۵۰۰ درہم میں خریدی، قیمت ادا کرنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی، لہٰذا تین دن کی مہلت طلب کی اور مکان کی چھت پر کھڑے ہو کر مکان بیچنے کا اعلان کیا، اس طرح اپنے شوق کی تکمیل کی۔ (ذیل طبقات الحنابلۃ، ۲۵۱/ ۲)۔

کتاب دوستی کی اہمیت سے متعلق معروف فلسفی سقراط کا یہ قول قابلِ غور ہے کہ: ”وہ گھر جس میں کتابیں نہ ہوں وہ اس جسم کی مانند ہے جس میں روح نہ ہو“

اسی طرح انگریز دانشور جان ملٹن لکھتا ہے کہ: ”ایک اچھی کتاب عظیم روح

کے قیمتی خون سے تحریر ہوتی ہے۔اس کو محفوظ کرنے کا مقصد ایک زندگی کے بعد دوسری زندگی کواس عظیم روح سے روشناس کرانا ہے۔“

تاریخی تناظر میں دیکھا جائے تو مسلم تہذیب کتاب بینی اور محبتِ کتاب کے حوالے سے ایک منفرد و ممتاز مقام رکھتی ہے اور علوم و فنون کی ترقی میں اسلامی تہذیب کا کردار بے مثل ہے۔ اسلامی تاریخ کتاب دوستی کی عظیم امثال سے مزین ہے جس سے پتہ چلتا ہے جتنی بھی عظیم شخصیات گزری ہیں تمام کا کتاب سے گہرا تعلق تھا جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہمارے اسلاف علم و تحقیق کی جستجو میں کس قدر اعلیٰ اقدار کے حامل تھے-چند مثالیں قارئین کے پیشِ خدمت ہیں جن سے ہمارے اسلاف کی وسعتِ علمی اور کتاب سے ان کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے: امام احمد بن محمد المقریؒ (۹۸۶ھ-۱۰۴۱ھ) جو فنِ حدیث کے بہت بڑے عالم تھے-ان کے متعلق ”تذکرۃ الحفاظ“میں امام ذہبیؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ کو ایک کتاب سے حوالہ نقل کرنے کیلئے ۷۰ دن کا سفر کرنا پڑا۔وہ کتاب اس حالت میں تھی کہ اگر کسی نان بائی کو دے کر ایک روٹی بھی خریدنا چاہتے تو شاید وہ اس پر بھی تیار نہ ہو۔“

اسی طرح شمس الآئمہ امام سرخسیؒ کو جب قید کر دیا گیا تو انہوں نے جیل کے کنویں میں بیٹھ کر اپنی ایک معرکۃ الآراء کتاب ”المبسوط“لکھی جس کی ۳۰ جلدیں ہیں۔

مزید یہ کہ مختلف مسلمان حکمرانوں کے دور میں کتاب بینی کے فروغ کیلئے جو اقدامات کیے گئے اور کتب خانوں کا قیام عمل میں لایا گیا وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ہے

کتب خانہ گڑھی افغاناں میں کم و بیش ۵۰۰۰ کے لگ بھگ کتابیں موجود ہیں اور ان میں تقریباً ۳۱۳ قلمی اور نادر و نایاب نسخے ہیں اور یہ کتابیں صرف جمع ہی نہیں کی ہیں بلکہ ہر دور میں ان سب حضرات کا ان کتابوں کا مطالعے کا معمول رہا اور آگے مریدین اور متوسلین کو شریعت کے بارے میں آگاہ کرتے۔ حضرت خواجہ سید محمد فاضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر حضرت خواجہ محمد اعظم شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ تک تمام حضرات علوم شریعت و طریقت کے پیکر تھے۔

حضرت اعلیٰ خواجہ محمد فاضل شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ آپ اپنی عمر کے آخر میں جب حضور ثانی خواجہ محمد عبد اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دورہ حدیث کے لیے دہلی روانہ فرمارہے تھے۔ تو ایک وصیت فرمائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں "میں بوڑھا ہو چکا ہوں موت کا کوئی پتہ نہیں۔ میری آخری آرام گاہ (پنڈوالی اس جگہ پر جہاں آپ کی تدفین ہوئی) اس جگہ بنانا۔ تم خود دہلی جاکر دورہ حدیث مکمل کرو۔ میں فقیر درویش ہوں میرے پاس سوائے خدا تعالیٰ اور اس کے رسول پاک کی محبت کے کچھ نہیں۔ ہاں ایک باغ ہے، جو کہ تمہارے لیے رکھا ہوا ہے اور تمہیں تحفہ میں دوں گا تم اس کی سیر ہمیشہ کرتے رہنا اور اس کی حفاظت بھی کرنا۔ اس کے بعد آپ حضور ثانی "کولے جاکر سموں کے خان شیر علی خان کے ڈیرے کے ایک کمرے کا قفل کھول کر اندر داخل ہوئے تو اندر چودہ چارپائیوں پر قلمی اور مطبوعہ کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ اور فرمایا! یہ وہ باغ ہے جو میں تمہارے حوالے کررہا ہوں۔ تمہارے لیے ان ہی میں خدا تعالیٰ جل شانہ اور اس کے نبی ﷺ سے قرب کا ذریعہ موجود ہے۔ اور اس کی تم نے حفاظت کرنی ہے۔ (آثار الصالحین صفحہ نمبر ۵۸۷)

حضرت اعلیٰ اور آپ کے جانشینوں کی نظر میں کتاب دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ کتب خانہ کو قائم ہوئے تقریباً پونے دو سو سال ہو چکے ہیں اس کی کتب میں آپ کے جانشینوں نے بے حد اضافہ کیا۔ گو ہر دور میں اس کتب خانے کو دیمک، بارش اور کیڑوں کے ساتھ ساتھ بعض اہل علم نے بھی بے حد نقصان پہنچایا اور اس کی بعض نادر و نایاب کتب ضائع ہو گئیں یا چرالی گئیں لیکن پھر بھی ملک پاکستان ہی نہیں بیرونی ممالک کے محققین حضرات کے لیے آج بھی کسی نعمت سے کم نہیں۔ اس ملفوظ میں بھی کتابوں کی حفاظت اور کتابوں سے محبت واضح ہے کہ ہمارے اسلاف کتابوں کی حفاظت اور محبت حد درجہ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کیا کرتے تھے۔

☜ شیطان کے وسوسے:-

کسی نے آپ جناب سے عرض کیا کہ ہمیں شیطان نماز میں قسم قسم کے خیالات دلاتا ہے، تو آپ جناب نے فرمایا! کہ کہ ایک بزرگ (ولی) سے کسی نے عرض کیا کہ باقی مذاہبِ کے لوگ عبادات کرتے ہیں، (لیکن) شیطان (انہیں) نہیں روکتا، اور مسلمان (جب عبادت کرتا ہے) تو بہت رکاوٹیں ڈالتا ہے تو اُس (بزرگ) نے فرمایا! کہ چور اور ڈاکو وہاں جاتا ہے جہاں کچھ دنیا و دولت موجود ہو، تو شیطان بھی اس دل کو تنگ کرتا ہے ہے (انہی کے دلوں میں وساوس ڈالتا ہے جو دل) ایمان سے بھرا ہوا ہو۔

(تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۱۳۳)

توضیح ملفوظ:-

وساوس میں مبتلا اشخاص کی تسلی و تسکین کے لیے کہا ہے کہ جس طرح چور اُس گھر میں جاتا ہے جہاں کچھ مال و متاع ہوتا ہے، اسی طرح جس دل میں ایمان ہوتا ہے شیطان وہاں آکر وساوس ڈالتا ہے، لہٰذا وساوس سے پریشان نہیں ہونا چاہیے؛ کیوں کہ غیر اختیاری وسوسہ آنا اور اسے برا سمجھنا ایمان کی علامت ہے۔ یہی بات شارح مشکوۃ ملا علی قاری رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "وقیل: المعنی أن الوسوسة أمارة الإیمان؛ لأن اللص لایدخل البیت الخالی۔" (مرقاۃ المفاتیح ۱/۱۳۷)

ہاں! ان وساوس کو دل میں جگہ نہ دی جائے، ان کے مقتضی پر عمل یا لوگوں کے سامنے ان کا اظہار نہ ہو، بلکہ ان کا خیال جھڑک کر ذکر اللہ کی کثرت کا اہتمام کرنا چاہیے، اور کلمہ طیبہ کے کثرت سے ورد، نیک اعمال اور اولیاء اللہ کی صحبت سے ایمانی کیفیات میں تازگی آتی ہے۔

شیطان اہل ایمان کے دل میں وسوسہ ڈال کر گمراہ کرنے کی کوششیں کرتا ہے اور بنی آدم کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات پیدا کر کے اسے راہ راست سے ہٹانے میں مشغول رہتا ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے مردود ہو کر نکلتے وقت اسی کا وعدہ کیا

کہ میں لوگوں کو سیدھی راہ سے ہٹاؤں گا۔ قرآنِ مجید نے اسے یوں بیان کیا ہے کہ:

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾ (الاعراف، ۷:۱۶، ۱۷)

اس (ابلیس) نے کہا: پس اس وجہ سے کہ تونے مجھے گمراہ کیا ہے (مجھے قسم ہے کہ) میں (بھی) ان (افرادِ بنی آدم کو گمراہ کرنے) کے لیے تیری سیدھی راہ پر ضرور بیٹھوں گا (تا آنکہ انہیں راہِ حق سے ہٹادوں)۔ پھر میں یقیناً ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے ان کے پاس آؤں گا، اور (نتیجتاً) تو ان میں سے اکثر لوگوں کو شکر گزار نہ پائے گا۔

اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے شیطانی وسوسہ کے شر سے پناہ مانگنے کی تعلیم فرمائی ہے: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿١﴾ مَلِكِ النَّاسِ ﴿٢﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ﴿٣﴾ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ﴿٤﴾ الَّذِيْ يُوَسْوِسُ فِيْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿٥﴾ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ﴿٦﴾ (الناس، ۱۱۴:۱-۶)

آپ عرض کیجیے کہ میں (سب) انسانوں کے رب کی پناہ مانگتا ہوں۔ جو (سب) لوگوں کا بادشاہ ہے۔ جو (ساری) نسل انسانی کا معبود ہے۔ وسوسہ انداز (شیطان) کے شر سے جو (اللہ کے ذکر کے اثر سے) پیچھے ہٹ کر چھپ جانے والا ہے۔ جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ خواہ وہ (وسوسہ انداز شیطان) جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔

ایک مقام پر فرمایا: وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ (المؤمنون، ۲۳:۹۷، ۹۸)

اور آپ (دعا) فرمایئے: اے میرے رب! میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اے میرے رب! میں اس بات سے (بھی) تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: يَأْتِي الشَّيْطَانُ أَحَدَكُمْ فَيَقُولُ مَنْ خَلَقَ كَذَا مَنْ خَلَقَ كَذَا حَتَّى يَقُولَ مَنْ خَلَقَ رَبَّكَ فَإِذَا بَلَغَهُ فَلْيَسْتَعِذْ بِاللهِ وَلْيَنْتَهِ۔

جب شیطان تم میں سے کسی کے پاس آتا ہے تو اس کے دل میں یہ خیال پیدا کرتا ہے کہ فلاں چیز کو کس نے پیدا کیا اور فلاں کو کس نے؟ آخر کار دل میں یہ بات ڈالتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا ہے؟ جب بات یہاں تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پناہ لینی چاہیے اور ایسے خیالات کو ترک کر دینا چاہیے۔

(بخاری، الصحیح، ۳: ۱۱۹۴، رقم: ۳۱۰۲، بیروت، لبنان: دار ابن کثیر الیمامۃ
مسلم، الصحیح، ۱: ۱۲۰، رقم: ۱۳۴، بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی)

معلوم ہوا جب بھی شیطانی خیالات دل میں جنم لیں تو انہیں ختم کر کے فوراً شیطان کے شر سے پناہ مانگنی چاہیے۔ محض خیال آنے سے بندہ گناہگار نہیں ہوتا جب تک اُن کو زبان پر نہ لائے یا عملی جامہ نہ پہنائے۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وآله وسلم: إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي عَمَّا وَسْوَسَتْ أَوْ حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسَهَا مَا لَمْ تَعْمَلْ بِهِ أَوْ تَكَلَّمْ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک میرے امتیوں کے دلوں میں جو وسوسے اور خیالات آتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے جب تک ان پر عمل نہ کرے یا زبان سے نہ کہے۔

(بخاری، الصحیح، ۶: ۲۴۵۴، رقم: ۶۲۸۷، مسلم، الصحیح، ۱: ۱۱۶، رقم: ۱۲۷)

یہ شیطانی وسوسے ہیں جونہی ایسا خیال آئے تو اس کو فوراً ختم کر کے اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت میں پناہ لینے کے لیے سورۃ الناس کی مذکورہ آیات کی تلاوت کر لیا کریں۔ جب بھی کوئی اہل ایمان نیکی کی راہ میں گامزن ہو تو شیطان اس پر حملے کرتا ہے۔ آپ کی کامیابی اسی میں ہے کہ خیالات آتے ہیں ان کو ترک کر دیں اور نیک کاموں میں مشغول ہو جائیں

☜ ولادت نبوی ﷺ کی تاریخ کے متعلق:-

عید میلاد النبی کے متعلق آپ نے فرمایا کہ مختلف روایات ہیں لیکن صاحب مشاہدہ نے ۱۲ ربیع الاول کو مانا ہے اور یہی تاریخ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد الحق محدث دہلوی نے اپنی کتب میں لکھی اور کہا کہ کیونکہ ان کے وقت تک مکہ مکرمہ کے لوگ ۱۲ ربیع الاول کو ہی حضور ﷺ کے مولد پر حاضری دیتے تھے۔ (ملفوظات از صوبیدار عبد الرشید، صفحہ نمبر ۱۱)

توضیح ملفوظ:-

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں کہ: **و قیل لاثنتی عشرۃ و ھو المشھور**۔ اور کہا گیا ہے کہ حضور کریم ﷺ کی تاریخ ولادت بارہ ربیع الاوّل ہے اور یہی مشہور قول ہے۔ (ماثبت بالسنۃ، ص ۱۴۹۔ مدارج النبوت، ج ۲، ص ۲۳)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"حضرت ایشاں فرمودند کہ دوازدہم ربیع الاول" بہ حسب دستور قدیم "قرآن واندم و چیزے نیاز آں حضرت ﷺ قسمت کردم و زیارت موئے شریف نمودم، در اثنائے تلاوت ملاء اعلیٰ حاضر شدند وروح پرفتوح آں حضرت ﷺ بہ جانب ایں فقیر و دوستداران ایں فقیر بہ غایت التفات فرمودار اں ساعت کہ ملاء اعلیٰ و جماعت مسلمین کہ بافقیر بود بہ ناز و نیائش صعودی کنندہ برکات و نفحات ازاں حال نزول می فرماید" (ص ۴۷، القول الجلی)

(حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ قدیم طریقہ کے موافق بارہ ربیع الاول (یوم میلاد مصطفی ﷺ) کو میں نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور آنحضرت ﷺ کی نیاز کی چیز کھانا وغیرہ) تقسیم کی اور آپ ﷺ کے بال مبارک کی زیارت کروائی۔ تلاوت کے دوران (مقرب فرشتے) ملاء اعلیٰ (محفل میلاد میں) آئے اور رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک نے اس فقیر (شاہ ولی اللہ) اور میرے دوستوں پر نہایت التفات فرمائی۔ اس وقت

میں نے دیکھا کہ ملاءاعلیٰ (مقرب فرشتے) اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت (التفات نبوی ﷺ کی برکت سے) ناز و نیائش کے ساتھ بلند ہو رہی ہے اور (محفل میلاد میں) اس کیفیت کی برکات نازل ہو رہی ہیں)

اولیاء کے سردار حضرت علی رضی اللہ عنہ

حضور سیدی مرشدی نے حضرت مولائے کل حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے مناقب بیان فرمائے، اور فرمایا کہ "حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے زمانے سے لیکر قیامت تک جتنے بھی اولیاء اللہ رحمھم اللہ تعالیٰ ہیں تمام کی تمام روحوں نے حضرت مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کی روح پاک سے فیض حاصل کیا۔

(تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۲۸)

توضیح ملفوظ:-

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ!

"بعض اکابرین اولیاء اُمّت کو کشف صریح کے ذریعہ امام کا ایک اور معنی منکشف ہوا ہے کشف بھی علم کے اسباب میں سے ایک ہے، اور وہ معنی یہ ہے کہ اولیاء اللہ پر حق تعالیٰ کی جناب سے جو فیوض و برکات نازل ہوتی ہیں سب سے پہلے ایک شخص پر نازل ہوتی ہیں، اس خوش نصیب کی وساطت سے دوسرے اولیاء عصر اپنی اپنی استعداد و مرتبہ کے مطابق فیض حاصل کرتے ہیں اس کی وساطت و وسیلہ کے بغیر کوئی شخص بھی درجہ ولایت نہیں پا سکتا، اقطاب، ابدال نجباء، نقباء اور اولیاء خدا کی جمیع اقسام اس کے محتاج ہوتے ہیں، اس عالی منصب انسان کو اِمام کہتے ہیں، اور قطب الارشاد بالاصالت بھی انہیں کہا جاتا ہے، آدم علیہ السلام کے ظہور سے یہ عالی مرتبہ علی المرتضیٰ کی روح کے لئے مقرر ہو چکا تھا، آپ کی نشات عنصری سے پہلے امم سابقہ کو آپ کی روح مبارک کے توسط سے ہی درجہ ولایت ملتا تھا، اور وجود عنصری کے بعد اور تاوقت وفات صحابہ و تابعین سب کو یہ دولت انہیں کے توسط سے ملی، آپ کی رحلت کے بعد یہ عالی منصب حسن مجتبیٰ کے

سپرد ہوا پھر حسین شہید کربلا کے ہاں، آپ آپ کے بعد امام زین العابدین پھر محمد باقر پھر جعفر صادق، پھر موسیٰ کاظم پھر علی الرضا، پھر محمد تقی، پھر علی نقی، پھر حسن عسکری اس منصب جلیل پر فائزہ ہوئے عسکری کی وفات کے بعد سید الشرفاء غوث الثقلین محی الدین عبد القادر الجیلی کے ظہور تک یہ منصب حسن عسکری کی روح سے متعلق رہا، جب حضرت غوث الثقلین پیدا ہوئے، یہ منصب مبارک ان سے متعلق ہو گیا، اور محمد مہدی کے ظہور تک آپ کی روح سے ہی متعلق رہے گا۔

(السیف المسلول، صفحہ نمبر ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، فاروقی کتب خانہ ملتان)

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ، تفسیر مظہری میں لکھتے ہیں کہ!

”حضرت علی کرم اللہ وجہہ قطب الارشاد اور شاہ ولایت تھے گذشتہ امتوں میں سے کوئی بھی آپ کی روحانی وساطت کے بغیر درجہ ولایت تک نہیں پہنچ سکا پھر آپ کی اولاد میں سے ائمہ کرام اس منصب پر فائز ہوئے جن کا سلسلہ امام حسن عسکری اور حضرت شیخ عبد القادر جیلانی تک مسلسل پہنچا اسی لیے حضرت شیخ جیلانی نے فرمایا: ”**و وقتی قبل قلبی قد صفالی**“ آپ اس منصب پر قیامت تک فائز رہیں گے۔

(تفسیر مظہری زیر آیت کنتم خیر أمة، سورة ال عمران آیت نمبر ۱۱۰)

-:درویشوں کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا:-

ممتاز شاہ جی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا! کہ حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ کچھ اولیاء رحمھم اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا فیض ساری دنیا پر ہوتا ہے۔ آپ بھی انہی بزرگوں میں سے تھے۔ دنیا میں کوئی جگہ ایسی نہیں، جہاں آپ کا خلیفہ نہ ہو، ایک دفعہ حضرت خواجہ محمد فاضل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ وہیں تونسہ شریف میں تھے کہ کسی عقیدت مند نے چالیس روپے آپ کو دیئے۔ تو آپ نے دس روپے مرشد کی خدمت میں پیش کئے۔ (یا فرمایا! کہ خیرات کئے کسی جگہ یعنی اللہ کی راہ میں دیئے) تو محفل میں حضرت شیخ نے کہا کہ اس زمانے کے درویش ایسے ہیں کہ ان کو چالیس روپے ملتے ہیں تو دس روپے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ

کرتے ہیں۔ تو آپ نے دس روپے اور لا کر دیئے (اللہ کی راہ میں دیئے) تو حضرت شیخ نے محفل میں فرمایا! کہ آج کل کے درویش ایسے ہیں کہ چالیس روپے ملیں تو بیس روپے اللہ کی راہ میں دیتے ہیں۔ آپ نے دس اور دئے (اللہ کی راہ میں) تو پھر فرمایا! کہ آج کل کے درویش ایسے ہیں کہ چالیس روپے ملیں تو تیس اللہ تعالیٰ کی راہ میں دیتے ہیں اور دس خود رکھتے ہیں۔ اور ان کا اللہ تعالیٰ پر توکل ہے۔ تو آپ نے دس اور لا کر دیئے۔ پھر فرمایا! کہ ایک بہت بڑے بزرگ سے کسی نے زکوٰۃ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا! کون سا طریقہ بتاؤں؟۔ شریعت کا، طریقت کا، (یا) حقیقت کا؟ تو عرض کیا سارے ہی بتادیں۔ تو فرمایا! کہ شریعت کا تو یہ ہے کہ سال بھر میں ضروریات سے بچ کر دوسو درھم بچیں تو زکوۃ ہے ورنہ اگر دوسو سے کم بچیں تو نہیں ہے، اور دوسو بچیں تو اس پر پانچ درھم (زکوۃ) ہیں اور گندم وغیرہ پر عشر، بارانی زمین پر دسواں اور دوسری (نہری) زمین پر بیسواں حصہ (عشر) ہے۔ تو شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دوسو میں پانچ درھم زکوۃ دے اور ۱۹۵ اپنے پاس رکھے اور عشر ایک حصہ دے اور ۹ حصے اپنے پاس رکھے اور طریقت کا طریقہ یہ ہے کہ دوسو میں سے پانچ (درھم) اپنے پاس رکھے اور ۱۹۵ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے اور عشر ایک حصہ اپنے پاس رکھے اور ۹ حصے اللہ کی راہ میں دے اور حقیقت کی زکوۃ یہ ہے کہ کچھ اپنے پاس نہ رکھے سب کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے، دے اور یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زکوٰۃ ہے جس نے سب کچھ پیش کر دیا تھا۔ (تسکین القلوب، صفحہ نمبر ۱۵۰)

توضیح ملفوظ:-

زکوٰۃ اور خرچ کرنے کا تعلق ظاہر ہے کہ مال سے ہے اور صوفیہ عموماً مال سے محروم ہوتے ہیں اور اگر ان کے پاس مال ہوتا بھی ہے تو اس کی محبت جو شرعاً مذموم چیز ہے، اس سے ان کے پاکیزہ قلوب بہر کیف خالی ہوتے ہیں۔ مال کو جمع کرنا اور دنیا داروں کی طرح جوڑ جوڑ کر رکھنا، ان کا شیوہ نہیں ہوتا۔ فقہاء کے بیان کردہ نصابِ زکوٰۃ کا ذکر کرتے ہوئے صوفیہ کہتے ہیں کہ فقیر پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہی نہیں کیونکہ وہ مال جمع کرکے اتنی دیر

نہیں رکھتا کہ اس پر پورا سال گزر جائے۔

معروف صوفی شیخ ابو بکر شبلیؒ سے ایک عالم نے پوچھا کہ زکوٰۃ کتنی دینی چاہیے؟ انھوں نے جواب دیا کہ جب دل میں بخل ہو اور مال حاصل ہو جائے تو تمہارے مذہب کے مطابق دو سو درہم میں سے پانچ درہم اور بیس دینار میں سے نصف دینار دینا چاہیے جبکہ ہمارے مذہب میں کوئی چیز ملکیت میں رکھنی ہی نہیں چاہیے۔ عالم نے پوچھا: تمہارا امام کون ہے؟ شیخ شبلی نے جواب دیا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، جنھوں نے اپنا تمام مال راہِ خدا میں دے دیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا تو جواب دیا: اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔ (کشف المحجوب، ص:۲۷۴)

یہی بات حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے یوں بیان فرمائی کہ زکوٰۃ تین قسم کی ہوتی ہے:

۱۔ زکوٰۃِ شریعت

۲۔ زکوٰۃِ طریقت

۳۔ زکوٰۃِ حقیقت

شریعت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ اگر دو سو درہم ہوں تو ان میں سے پانچ درہم زکوٰۃ راہِ خدا میں خرچ کرے۔ طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ دو سو میں سے پانچ اپنے پاس رکھے اور باقی دراہم راہِ خدا میں خرچ کر دے اور حقیقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ پانچ درہم بھی اپنے پاس نہ رکھے بلکہ تمام کے تمام راہِ خدا میں تقسیم کر دے۔ اس واسطے کہ درویشی خود فروشی ہے۔

(راحۃ القلوب، ملفوظات بابا فرید الدین گنج شکر مرتبہ محبوب الٰہیؒ، ص:۶)۔

-:صوفی کے لئے ضروری چیزیں:-

آپ رحمت اللہ علیہ نے کسی بزرگ کا فرمایا کہ انہوں نے فرمایا ہے کہ صوفی کے لئے ضروری ہے کہ علم اتنا ہو کہ لوگوں کو دلیل سے قائل کر سکے، اسباب دنیا اتنے ہوں کہ غیر کا محتاج نہ ہو، اور عمل ایسا ہو کہ لوگ اسکی تقلید کرنا پسند کریں۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۰۷)

-:مردوں کے لئے، نیک عورتوں کی قبروں کو بوسہ دینا-:

اس غلام (عبد الوہاب چشتی) نے عرض کیا کہ حضور نیک عورتوں کی قبروں کو بوسہ دینا ٹھیک ہے، کیونکہ یہاں مائی صاحبان کی قبریں ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ نیک عورتوں کی قبروں کو بوسہ نہیں دینا چاہیے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۹۶)

-:درود و سلام دونوں کا حکم-:

تونسہ شریف حضرت خواجہ حافظ سدید الدین تونسوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے عرس مبارک سے واپسی پر لکی مروت شہر میں (راقم ملفوظات کے) ماموں فیروز جنگ (صاحب) کے مکان پر ناشتے کے موقع پر بات چلی، (تو آپ نے) فرمایا کہ درود ابراہیمی کی فضیلت کا منکر نہیں (بہت بڑی فضیلت ہے) لیکن یہ درود پاک قرآن پاک کی اس آیت کریمہ "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾" پر پورا نہیں اترتا، (کیونکہ) اس آیت کریمہ میں سلام پر زور دیا گیا ہے کہ خوب خوب سلام بھیجو اور درود ابراہیمی میں کہیں (بھی سلام) نہیں ہے صرف درود ہے، اس لئے ہمیں دوسرے درود شریف بھی پڑھنے چاہیے جن میں سلام بھی ہو۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۳۰)

توضیح ملفوظ-:

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ: بیشک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے (نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم) پر اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۶)

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو درود و سلام پڑھنے کا حکم فرمایا ہے اس میں کسی وقت، جگہ یا کسی خاص صیغہ سے پڑھنے کی پابندی نہیں لگائی نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور شجر و حجر پڑھتے تھے۔ "الصلوٰۃ والسلام علیك یا

رسول اللہ۔" (سیرۃ الحلبیہ صفحہ ۴۹۳ جلد ۳)(معارج النبوۃ صفحہ ۶۷۷، جلد ۳)(مشکوٰۃ شریف)(ابو داؤد شریف صفحہ ۳۵۱،۲۱۶)(حزب الصلوٰۃ والسلام محمد ہاشم دیوبندی)(فتاویٰ علماء حدیث صفحہ ۱۵ جلد ۹)

صحابہ کرام علیہم الرضوان اسی صیغہ خطاب سے صلوٰۃ وسلام دربار رسالت میں عرض کرتے تھے۔ (نسیم الریاض، شفا شریف جلد ۳، ص ۴۵۴)

نبی کریم ﷺ جس پتھر اور درخت کے پاس سے گزرتے وہ حضور نبی پاک ﷺ کی خدمت میں عرض کرتا "الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ۔" (سیرۃ حلبیہ ص ۲۱۴)۔ یہی روایت السلام علیك یا رسول اللہ کے الفاظ کے ساتھ مشکوٰۃ شریف میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

صحابہ کرام سے جو مختصر درود و سلام مروی ہے وہ "الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ" ہی ہے۔

(حزب الصلوٰۃ والسلام ص ۱۵۴ تا ۱۶۹، مولوی محمد ہاشم دیوبندی' معارف القرآن مفتی محمد شفیع دیوبندی)

مزید توضیح:

ہمارے بزرگان دین اَلصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ پڑھنا مستحب جانتے ہیں اور اپنے متعلقین کو اس کا حکم دیتے ہیں۔ (الشہاب ثاقب صفحہ ۶۵)

اَلصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ کے جائز ہونے میں کوئی شک نہیں۔ (امداد المشتاق صفحہ ۵۹ از اشرف علی تھانوی)

مولوی خلیل احمد دیوبندی کو صاحب التاج والمعراج ﷺ کی زیارت ہوئی حضور علیہ السلام کو دیکھتے ہی مولوی صاحب اَلصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ پڑھنے لگے۔ (تذکرہ خلیل صفحہ ۲۲۳ عاشق الٰہی میرٹھی دیوبندی)

اَلصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ پڑھنے میں کوئی قباحت نہیں۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۳۲: از حاجی امداد اللہ مہاجر مکی)

تین بار اَلصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ پڑھے۔

(ضیاء القلوب ص ۱۵، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی)

روضہ اطہر پر حاضر ہو کر بصیغہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ سلام پیش کرنا جائز ہے۔ (خیر الفتاویٰ ج ا، ص ۱۸۰ خیر محمد جالندھری دیوبندی)

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہ پڑھے تو زیادہ اچھا ہے۔

(فضائل اعمال مطبوعہ لاہور ص ۶۴۶ مولوی زکریا سہارن پوری)

اس لئے بندہ کے خیال میں اگر ہر جگہ درود و سلام دونوں کو جمع کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے یعنی بجائے السلام علیك یا رسول اللہ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَانَبِی اللہ کے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَانَبِیُّ اللہ اسی طرح آخر تک سلام کے ساتھ "الصلوٰۃ" کا لفظ بھی بڑھائے تو زیادہ اچھا ہے۔

(فضائل درود شریف ص ۲۵، زکریا سہارنپوری دیوبندی)

اس ناپاک اور ناکارہ کے خیال میں روضہ اقدس پر نہایت خشوع و خضوع و سکون و وقار سے ستر مرتبہ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللہ ہر حاضری کے وقت پڑھ لیا کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ (فضائل حج مولوی زکریا سہارنپوری دیوبندی)

روضہ رسول پر خشوع و خضوع اور ادب کے ساتھ پڑھے۔

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نبی اللہ، اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَاحبیب اللہ۔

(فضائل درود شریف ص ۲۳، از مولوی زکریا سہارنپوری)

"ہم اور ہمارے اکابر اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہ کو بطور درود شریف پڑھنے کے جواز کے قائل ہیں کیونکہ یہ بھی فی الجملہ اور مختصر درود کے الفاظ ہیں۔"

(درود شریف پڑھنے کا شرعی طریقہ ص ۵۷، سرفراز گکھڑوی دیوبندی)

یوں جی چاہتا ہے کہ درود شریف زیادہ پڑھوں وہ بھی ان الفاظ سے

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَارَسُوْلَ اللہ

(شکر النعمہ بذکر الرحمۃ الرحمہ ص ۱۸، اشرف علی تھانوی)

عاشق الٰہی دیوبندی نے اپنی کتاب طریقہ حج و عمرہ صفحہ نمبر ۱۵۱ پر لکھا ہے:

اَلصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ الله
اَلصَّلٰوۃ وَالسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حبیب الله

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بعض علماء نے رسول اللہ ﷺ پر بغیر سلام کے صرف صلوۃ بھیجنے کے مکروہ ہونے پر نص فرمائی ہے۔
(شرح صحیح مسلم جزاول صفحہ ۴۴)

مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے خالی درود پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن جلد ۷ صفحہ ۲۲۵)

قاضی شوکانی لکھتے ہیں: درودِ ابراہیمی کا حکم خاص نماز کے ساتھ ہے نماز کے علاوہ اللہ کے حکم درود و سلام دونوں پر عمل کرنا چاہیے۔ (تحفۃ الذاکرین صفحہ ۱۴۸)

قرآن مجید میں دو چیزوں کا حکم دیا گیا ہے:

اصل درود پاک وہی ہے جس میں صلوٰۃ و سلام دونوں کا ذکر موجود ہو، کیونکہ قرآن مجید میں صلوٰۃ و سلام دونوں کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۵۶﴾۔ (سورہ الاحزاب آیت نمبر ۵۶)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں۔ تفسیر جلالین میں یہ الفاظ مذکور ہیں: اللّٰھم صلی علی سیدنا محمد وسلم۔

امام بدر الدین عینی علیہ الرحمہ نے یہ کلمات لکھے ہیں: اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی آلہ وصحبہ مادامت آزمنۃ و اوقات وسلم تسلیما کثیر او بارك علیھم و علی من تبع ھدیھم بتحیات مبارکات زاکیات۔

(عمدۃ القاری جلد ۲۵ صفحہ ۲۰۳)

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن مجید میں مطلقاً بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ پر درود و سلام بھیجو۔ نبی کریم ﷺ نے فقط نماز کے لیے درود ابراہیمی متعین کیا ہے۔ نماز کے علاوہ کسی بھی موقع پر کوئی بھی درود و سلام پڑھ سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج

بے شمار صیغوں میں درود و سلام موجود ہے۔

درود ابراہیمی اصل میں نماز کے لیے حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے تجویز کیا تھا۔

چنانچہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ھذا تسلیم فکیف نصلی علیك قال، قولوا اللھم صل علی محمد الخ۔" (صحیح بخاری، ۲:۷۰۸)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو سلام ہے تو درود کیسے پڑھیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اللّٰھم صل پڑھو۔

جب درود شریف کا حکم آیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ اما السلام علیك فقد عرفناہ فکیف الصلوۃ قال قولوا اللّٰھم صل علی محمد و علیٰ اٰل محمد کما صلیت علی ابراھیم و علیٰ اٰل ابراھیم انك حمید مجید۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۰۸)

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا سلام کا تو ہمیں پتہ ہے درود کیسے پڑھیں۔ فرمایا اللّٰھم صل پڑھو۔ چونکہ صحابہ کرام نماز کے اندر درود شریف کے حوالے سے پوچھ رہے تھے۔ آپ نے فرمایا اللّٰھم صل پڑھا کرو۔

درود و سلام۔ بخاری و مسلم یا کوئی بھی حدیث کی ایسی کتاب نہیں ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک کے ساتھ درود ابراہیمی لکھا ہوا ہو۔ ساری کتب میں (ﷺ یا علیہ الصلوۃ والسلام) کے الفاظ ہی موجود ہیں۔ قرآن پاک میں بھی درود اور سلام دونوں ہی پڑھنے کا حکم ہے اس لیے صرف درود ابراہیمی پڑھنے سے حکم باری تعالیٰ پر عمل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ درود کا بھی حکم ہے اور سلام کا بھی بلکہ سلام کے لیے ڈبل حکم یعنی تاکید پیدا کی گئی ہے۔ نماز میں ہم درود ابراہیمی پڑھنے سے پہلے سلام پڑھتے ہیں۔ اس لیے حکم باری تعالیٰ پر مکمل عمل ہو جاتا ہے۔ لیکن نماز کے علاوہ ممکن نہیں ہے کہ جب بھی نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک آئے ہم درود ابراہیمی پڑھیں۔ تاریخ گواہ ہے، کتابیں موجود ہیں۔ آج تک کسی نے کوئی کتاب نہیں لکھی جس میں نبی کریم ﷺ کے اسم مبارک

کے ساتھ درود ابراہیمی لکھا ہو نہ ہی کسی نے ایسا خطاب کیا کہ جہاں بھی نبی کریم ﷺ کا اسم مبارک آیا ہو اس نے درود ابراہیمی پڑھا ہو، آج تک ایسا نہیں ہوا۔ لہٰذا صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین رضی اللہ عنہم، ائمہ فقہ، ائمہ حدیث اور تمام سلف صالحین علیہم الرحمہ کی تحریر اور تقریر سے درود ابراہیمی کے علاوہ درود و سلام ثابت ہیں جو بھی اپنے اپنے انداز میں نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں درود و سلام پیش کرے قبول ہے۔ اعتراض کرنے والے خود بھی اس پر عمل نہیں کرتے صرف عوام کو گمراہ کرنے کی خاطر طرح طرح کے اختلافات پیدا کرتے رہتے ہیں، حالانکہ واضح حکم ہے درود کا بھی اور سلام کا بھی، جب درود ابراہیمی ہے ہی صرف درود تو پھر سلام کہاں گیا؟۔ نماز میں سلام معلوم تھا لیکن درود معلوم نہ تھا فرمایا اللّٰھم صل پڑھو۔ اب درود شریف نماز کے باہر بھی پڑھا جاتا ہے اس لیے اگر نماز کے باہر فقط درود ابراہیمی پڑھنا ہے تو قرآن کے ایک حکم سلام پر عمل نہیں ہوتا اور یہ خلافِ اطاعت الٰہی ہے۔ اس لیے تمام مفسرین، محدثین اور علماء کرام کتابوں میں اکثر نام گرامی کے ساتھ ﷺ لکھتے ہیں اس میں سلام اور صلاۃ دونوں ہیں۔ لہٰذا نماز میں درود ابراہیمی پڑھنا چاہیے چونکہ اس سے پہلے سلام پڑھا جاتا ہے نماز کے باہر کوئی بھی صیغہ ہو لیکن صلاۃ و سلام دونوں ہوں تو پڑھنا چاہیے تاکہ حکم ربی پر مکمل عمل ہو۔

☜ -:شریعت و طریقت، اولیاء بعد از وفات:-

پشاور والے ایک شخص کو نصیحت کی، وہ کہہ رہا تھا کہ میرا پیر فوت ہو گیا ہے۔ اور شاید بیعت بھی ہونا چاہتا ہے۔ اور اپنی زندگی کے چکروں میں تھا۔ داڑھی اس کی چھوٹی تھی۔ تو حضور (زبدۃ المشائخ) نے اس کو سمجھایا اور سختی بھی کی کہ حضور سرکار دو عالم ﷺ کی سنت مبارکہ (داڑھی) کو صحیح رکھو۔ پھر اسے فرمایا! کہ فارسی کا مقولہ ہے کہ دودھ کے بغیر مکھن نہیں بن سکتا۔ علم ظاہر (شریعت) دودھ اور علم باطن (طریقت) مکھن ہے۔ علم ظاہر جب تک نہ ہو علم باطن حاصل نہیں ہو سکتا۔ (پھر) اسے فرمایا! کہ رزق حلال کماؤ اور بیوی بچوں کے حقوق پورے کرو۔ نماز روزہ اور شریعت کی پابندی

کرو۔۔ اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اس میں (تمھیں) اپنی معرفت نصیب کر دے گا۔ پھر اس شخص کو سختی سے فرمایا! کہ پیر فوت نہیں ہوتا۔ یہ بد عقیدہ لوگوں کی باتیں ہیں۔ وہ زندہ ہوتا ہے اور اسی طرح فیض پہنچاتا ہے اور آپ حضور نے اس کی بیعت نہیں کی۔ لیکن اس کو وظیفہ دیا اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ تیرا پیر کتنا کامل ہو گا لیکن میں اس میں دخل دینے سے ڈرتا ہوں۔ کسی کی پیری مریدی میں دخل نہیں دیتا۔ لیکن مجذوب اس طرح راہنمائی نہیں کر سکتا جس طرح سالک کرتا ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۱۴، ۱۱۵)

توضیح ملفوظ:-

اولیاء کے بعد از وفات فیضان کے بارے میں شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شرح مشکوۃ میں اس بارے میں لکھتے ہیں کہ! "سیدی احمد بن مرزوق رضی اللہ عنہ کہ اعاظم فقہاء علماء اور مشائخ دیار مغرب میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک دن شیخ ابو العباس حضرمی نے مجھ سے دریافت کیا کہ زندہ کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی؟ میں نے کہا ایک قوم کہتی ہے، کہ زندہ کی امداد قوی تر ہے اور میں کہتا ہوں کہ میت کی امداد قوی تر ہے۔ شیخ نے فرمایا ہاں۔ کیونکہ وفات یافتہ بزرگ حق تعالیٰ کی درگاہ میں اس کے سامنے ہے۔ اس بارے میں اس گروہ صوفیہ سے اس قدر روایات منقول ہیں کہ حد شمار سے باہر ہیں۔ پھر کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین میں ایسی کوئی چیز نہیں جو اس عقیدہ کے منافی اور مخالف ہوں۔ اور اس کی تردید کرتی ہو، بلکہ آیات و احادیث سے تحقیقی طور پر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ روح باقی ہے اور اسے زائرین اور ان کے حالات کا علم و شعور ہوتا ہے اور یہ کہ ارواح کاملین کو جناب حق تعالیٰ میں قرب و مرتبہ حاصل ہے جس طرح زندگی میں انہیں حاصل تھا بلکہ اس سے بڑھ کر اور اولیاء کرام کی کرامات برحق ہیں اور انہیں کائنات میں تصرف کی قوت و طاقت حاصل ہے۔ یہ سب کچھ ان کی ارواح کرتی ہیں۔ اور وہ باقی ہیں۔" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ، جلد نمبر ۲، صفحہ نمبر ۹۲۳ باب زیارتِ القبور)

☜ علم کے ساتھ اخلاق وادب:-

ایک روز نماز مغرب کے بعد طالب علم بچوں کو قریب بلا کر فرمایا! کہ انسان کو اس طریقے پر چلنا چاہیے جو کہ بہتر ہو۔ حضور سرکار دو عالم ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ پہلی صف کا ثواب جماعت میں زیادہ ہے۔" فرمایا! کہ پھر آپ لوگ دوسری صف میں کیوں کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ یہاں علم حاصل کرنے آئے ہیں علم تو نور ہے روشنی ہے وہ علم، علم نہیں جو کہ بندے کو اخلاق و آداب نہ سکھاتا ہو۔ آپ لوگ ادب کا خیال رکھیں قرآن پاک مقدس کتاب ہے اس کا ادب کریں۔ مسجد مقدس جگہ ہے اس کا ادب کریں۔ زیارت شریف بلکہ جس ولی کا دربار ہو درگاہ ہو اس کا ادب کریں۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (تسکین القلوب صفحہ نمبر ۵۶)

توضیح ملفوظ:-

پہلی صف کا ثواب:- عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ رضی اللہ عنہ أَنَّ نَبِيَّ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ. رَوَاهُ النَّسَائِيُّ، وَابْنُ مَاجَه، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ۔

(أخرجه النسائي في السنن، كتاب: الاذان، باب: رفع الصوت بالاذان، ۲/ ۱۳، الرقم: ۶۴۶، وابن ماجه في السنن، كتاب: إقامة الصلاة والسنة فيها، باب: فضل الصف المقدم، ۱/ ۳۱۸، الرقم: ۹۹۷)۔

"حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بلاشک وشبہ پہلی صف میں کھڑے ہونے والوں پر اللہ رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے ان کے لیے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ اس حدیث کو امام نسائی، ابن ماجہ اور عبد الرزاق نے روایت کیا ہے

علم اخلاق، ادب:- علم اور اخلاق ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں، یہ دو رخ جب ملتے ہیں تب سکہ بنتا ہے، جیسے پرندے کے دو پر ہوتے ہیں، ایک پر کاٹ دیا جائے تو صرف ایک پر سے وہ فضا میں نہیں اڑ سکتا ہے، بلکہ زمین پر گر پڑے گا اور کسی بلی یا کتے کا شکار بن جائے گا، علم ایک چراغ کی طرح ہے اور اخلاق اس کی روشنی، چراغ کی قیمت اس کی

روشنی سے ہوتی ہے، علم کی مثال ایک پھل دار درخت کی ہے، علم درخت ہے جبکہ اخلاق پھل اور اس کے پتے ہیں کیونکہ درخت کی کوئی قیمت نہیں جب تک کہ اس میں پتوں کی خوبصورتی نہ ہو اور اس کے پھلوں میں مٹھاس نہ ہو، جبکہ پتے اور درخت کے بغیر پھلوں کا کوئی وجود نہیں۔ اچھے اخلاق بندے کی سعادت مندی کا پتا دیتے ہیں جیسا کہ حُسنِ اَخلَاق کے پیکر، مَکارمِ اَخلاق کی بلندیوں کے رہبر، نبی محترم ﷺ نے ارشاد فرمایا: **مِنْ سَعَادَةِ الْمَرْءِ حُسْنُ الْخُلُقِ** یعنی حُسنِ اَخلاق بندے کی سعادت مندی میں سے ہے۔

(شعب الایمان: باب فی حسن الخلق؛ ۶/۲۴۹؛ حدیث ۸۰۳۹)۔

اگر عالم اخلاق حسنہ اور اوصاف حمیدہ سے متصف نہ ہو تو وہ ترقی کے راستوں کو مسدود دیکھے گا، چاہے اس کا علم بڑا وسیع ہو، جب تک وہ علم اور اخلاق سے اپنے آپ کو مزین نہ کرلے، نہ ہی وہ آگے بڑھ سکتا ہے، نہ ہی ترقی کر سکتا ہے اور نہ ہی وہ بلندی حاصل کرسکتا ہے اسلامی تعلیمات بالخصوص قرآن واحادیث مقدسہ میں تہذیب نفس اور کردار سازی میں ادب کو جو اہمیت حاصل ہے وہ اظہر من الشمس ہے، یہی وجہ ہے کہ صوفیاء بھی ادب کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ مولانا رومی اپنے آثار میں مختلف حکایات کے ذریعہ ادب کی اہمیت بیان کرتے ہیں اور بے ادبی کی نحوست اور برائی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

از خدا جوئیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

ہم خدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں اور بے ادب ہمیشہ خدا کے فضل سے محروم رہتا ہے۔ (مثنوی مولوی، دفتر دوم)

آپ رحمہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ بچوں کو یہی وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے اور یہی حقیقت ہے کہ جب تحصیل علم کے درج ذیل آداب کو ملحوظ رکھا جائے تب صلاحیت نکھر تی، استعداد جلا پاتی، اور علمی وروحانی ترقیاں حاصل ہوتی ہیں۔ (۱) استاذ کا ادب (۲) مسجد اور درس گاہ کا ادب (۳) کتاب کا ادب (۴) بزرگوں کا ادب۔

-:ادب و تعظیم:-

نماز مغرب کے بعد حضور سیدی و مرشدی مدظلہ نے طالب علموں کو مخاطب کر کے فرمایا! کہ آج کل ادب پر بدعت اور شرک کا فتویٰ لگتا ہے۔ حالانکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب سرکار دوعالم ﷺ کی محفل میں بیٹھے ہوتے تو سر اوپر نہیں اُٹھاتے تھے۔ اور ایسے بیٹھے رہتے جیسے بے جان کئی دفعہ کبوتر آکر ان کے سروں پر بیٹھ جاتے۔ فرمایا! حضور رحمت للعالمین ﷺ اپنے صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ جب مکہ شریف عمرہ کے ارادہ سے تشریف لے گئے۔ تو مکہ شریف سے باہر مقام حدیبیہ پر ٹھہرے۔ مشرکین مکہ نے چند چنے ہوئے سمجھدار کافر ان کو دیکھنے کے لئے بھیجے (ان میں سے ایک عروہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے) تو وہ کافر کئی روز وہیں مقام حدیبیہ پر حضور پاک ﷺ اور صحابہ کرام علیہم الرضوان کے ساتھ ٹھہرے۔ جب واپس مکہ شریف گئے تو مشرکین مکہ سے کہا کہ تم ان سے جنگ نہیں جیت سکتے۔ کیونکہ ہم نے قیصر و کسریٰ اور بڑے بڑے بادشاہوں کے درباروں کو دیکھا ہے۔ لیکن حضور ﷺ کی قوم (صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین) جو ادب و تعظیم و احترام (آپ ﷺ کی) کرتی ہے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ پھر آپ جناب نے فرمایا! کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں یہ حدیث شریف بیان کی ہے کہ جب حضور سرکار دوعالم سلام وضو فرماتے تو صحابہ کرام وضو کے پانی کا ایک قطرہ نیچے نہ گرنے دیتے۔ اور ہاتھوں میں لے لیتے حضور پاک ﷺ جب لعاب دہن نکالتے تو وہ اس کے حصول کے لئے جھپٹتے کہ جیسے جھگڑتے ہوں۔۔ فرمایا! کہ سورۃ حجرات ۲۶ ویں پارہ میں اللہ تعالیٰ نے کئی آیات مبارکہ میں حضور سرکار دو عالم ﷺ کے ادب واحترام کے بارے میں بتایا۔ ایک آیت تو یہ ہے کہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ "

(سورہ الحجرات آیت نمبر:۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرو

بیشک اللہ سننے والا، جاننے والا ہے۔

فرمایا! کہ شان نزول میں کئی روایتیں ہیں ایک روایت میں ہے کہ کسی نے حضور پاک سلام سے پہلے قربانی کرلی تھی۔ فرمایا! کہ حضور نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم سے آگے نہ بڑھو۔ (کہ پہلے آپ کا انتظار کرو) دوسرا ایک اور آیت میں یہ ہے کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (سورہ الحجرات آیت نمبر:۲)

ترجمہ: اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت (ضائع) نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

پھر اللہ کریم نے فرمایا"اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰىؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ"

(سورہ الحجرات آیت نمبر:۳)

ترجمہ: بے شک وہ جو اپنی آوازیں پست کرتے ہیں رسول اللہ کے پاس وہ ہیں جن کا دل اللہ نے پرہیز گاری کے لیے پرکھ لیا ہے ان کے لیے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔

یہ ادب ہے۔ بعد کی آیات میں ہے کہ جب انکے پاس حجرے کو جاؤ تو ان کو آوازیں نہ دو"اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ"

(سورہ الحجرات آیت نمبر:۴)

ترجمہ: بے شک وہ جو تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں

اگلی آیت میں ہے کہ وَ لَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (سورہ الحجرات آیت نمبر:۵)

ترجمہ: اور اگر وہ صبر کرتے یہاں تک کہ تم آپ اُن کے پاس تشریف لاتے تو یہ اُن کے لیے بہتر تھا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

پھر آپ نے طالب علموں سے فرمایا کہ (ادب کا تقاضا یہ ہے کہ آپ لوگ، بزرگوں، اساتذہ کے خود گھر سے نکلنے کا انتظار کرو) آپ لوگ تو بس جو آتا ہے بلانے کے لئے فوراً دوڑے چلے آتے ہو انہیں سمجھایا کرو کہ انتظار کرنا چاہیے۔
(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۶۰)

توضیح ملفوظ:-

آپ ﷺ کی مجلس مبارک میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیٹھنے کا انداز حدیث مبارکہ میں کچھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ "عن البراء قال : خرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جنازۃ فلما انتھینا إلی القبر ولم یلحد فجلس وجلسنا حولہ کأن علی رؤوسنا الطیر۔" (سنن النسائی:- ۴/۷۸)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ رسولِ کریم ﷺ کے ہم راہ نکلے ایک جنازہ میں، جس وقت قبر تک پہنچے تو قبر تیار نہیں ہوئی تھی، رسول کریم ﷺ بیٹھ گئے اور ہم لوگ بھی آپ ﷺ کے قریب بیٹھ گئے، (جیسے کہ) ہم لوگوں کے سروں پر پرندے تھے۔ (مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ باادب ہو کر خاموش طریقہ سے بیٹھ گئے)۔

اور صلح حدیبیہ کے موقع پر عروہ بن مسعود جب کفار مکہ کا نمائندہ بن کر مسلمانوں کی قیام گاہ میں آیا تو اس نے اصحاب رسول ﷺ کی خدمت میں، اطاعت اور عقیدت کے جو انداز دیکھے، اس نے عروہ کی عقل کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس نے دیکھا کہ ہر مسلمان اپنے رسول ﷺ کے عشق میں دیوانہ ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے: صحابہ کرامؓ آقائے دوجہاں ﷺ کے گرد اس طرح جھرمٹ بنا کر بیٹھے ہیں جس طرح شمع کے گرد پروانے ہوتے ہیں، عروہ بن مسعود نے کہا حتیٰ کہ میں یہ منظر دیکھتا ہوں: **واذا توضا کادوا یقتتلون علی وَضوئہ** (بخاری) جب آقائے دوجہاں ﷺ وضو کرتے تو قریب (اندیشہ) ہوتا کہ وہ آپ کے وضو کے پانی کے حصول میں آپس میں لڑ پڑیں۔ یعنی جب حضور ﷺ وضو کرتے تو صحابہ کرام وضو کے پانی پر ٹوٹ پڑتے ایک ایک قطرے

کیلئے دوڑتے اور لپک لپک کر وضو کے پانی کو سنبھالتے آقا ﷺ کے وضو کے پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرنے دیتے یہ عشاق انہیں اپنے ہاتھوں پر لیتے اور اپنے چہروں اور بدن پر مل لیتے وضو کے پانی کے قطرات کو حاصل کرنے کیلئے ایسے جھپٹتے جسے دیکھ کر یہ اندیشہ ہوتا کہ کہیں آپس میں لڑ نہ پڑیں۔

عروہ بن مسعود جو بعد ازاں دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے تھے، بیان کرتے ہیں: **واللہ ان تنخّم نخامة الا وقعت فی کف رجل منهم فدلك بها وجهه وجلده** (صحیح البخاری: **کِتَابُ الشُّرُوطِ (بَابُ الشُّرُوطِ فِي الجِهَادِ وَالمُصَالَحَةِ مَعَ أَهْلِ الحَرْبِ وَكِتَابَةِ الشُّرُوطِ**،۲۷۳۱) "خدا کی قسم وہ تھوک مبارک نہیں پھینکتے مگر وہ کسی نہ کسی کے ہاتھ پر ہوتا ہے اور وہ اسے اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے۔" جب کبھی حضور ﷺ نے لعاب دہن اور ناک مبارک سے رطوبت نیچے پھینکی تو صحابہ کرام نے اسے نیچے نہ گرنے دیا بلکہ دوڑے اور اسے ہاتھوں پر لے لیا اور بعد ازاں اسے اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتے۔

جب عروہ بن مسعود نے حدیبیہ کے مقام پر اصحاب رسول ﷺ کے ایمان افروز اور روح پرور مناظر دیکھے تو واپس قریش کے پاس آیا اور کہنے لگا: **یا معشر قریش! انی قد جئت کسری فی ملکه، وقیصر فی ملکه، والنجاشی فی ملکه، وانی واللہ ما رأیت ملکا فی قوم قط مثل محمد ﷺ فی اصحابه**: اے گروہ قریش میں نے بادشاہ روم، ایران، حبش، ہر ایک کو اپنی اپنی مملکت و سلطنت میں شاہی رعب و دبدبہ کی حالت میں دیکھا اللہ کی قسم میں نے ایسا کوئی بادشاہ کسی قوم میں نہ دیکھا جیسے محمد (ﷺ) کو آپ کے صحابہ میں دیکھا۔ بخدا! تم ان لوگوں کے مقابلہ میں ہر گز نہ ٹک سکو گے، میرا مشورہ ہے کہ ان سے صلح کر لو، بہتر رہے گا۔ (عروہ بن مسعود نے مسلمانوں کی اپنے نبی کی ایسی ہی والہانہ محبت و عظمت دیکھ کر کہا یہ وہ طاقت ہے جس کے مقابلے میں سارے ہتھیار ساری تلواریں ساری ظاہری طاقتیں ہیچ ہیں)

"عروہ بن مسعود نے جس انداز سے صحابہ کرامؓ کے دلوں میں رسول

اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عقیدت و احترام کی منظر کشی کی، اس سے قریش بہت متاثر و مرعوب ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے صلح کرلی اور حرم کی حدود میں ایک جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔ (بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحہ)

بزرگانِ دین، صلحاء، علماء اور اساتذہ کی بارگاہ میں حاضری کا ایک ادب:

اوپر ملفوظ میں سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۵ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے مُقَرّب بندوں اور باعمل علماء کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو ان کے آستانے کا دروازہ بجاکر جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ انتظار کرنا چاہئے تاکہ وہ اپنے معمول کے مطابق آستانے سے باہر تشریف لے آئیں۔ ہمارے بزرگانِ دین کا یہی طرزِ عمل ہوا کرتا تھا، چنانچہ بلند پایہ عالِم حضرت ابو عبید رَحْمَۃُ اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرمایا کرتے تھے: میں نے کبھی بھی کسی استاد کے دروازہ پر دستک نہیں دی بلکہ میں ان کا انتظار کرتا رہتا اور جب وہ خود تشریف لاتے تو میں ان سے اِستفادہ کرتا۔

اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُمَا حضرت اُبی بن کعب رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ سے قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کرنے ان کے گھر تشریف لے جاتے تو دروازے کے پاس کھڑے ہو جاتے اور ان کا دروازہ نہ کھٹکھٹاتے (بلکہ خاموشی سے ان کا انتظار کرتے) یہاں تک کہ وہ اپنے معمول کے مطابق باہر تشریف لے آتے۔ حضرت اُبی بن کعب رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُ کو حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُمَا کا یہ طرزِ عمل بہت عجیب معلوم ہوا تو آپ نے ان سے فرمایا: آپ نے دروازہ کیوں نہیں بجایا (تاکہ میں فوراً باہر آجاتا اور آپ کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانی پڑتی؟) حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے جواب دیا: عالِم اپنی قوم میں اس طرح ہوتا ہے جس طرح نبی اپنی اُمّت میں ہوتا ہے (یعنی عالِم نبی کا وارث ہوتا ہے) اور (چونکہ) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے "وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ" (اس لئے میں نے بھی دروازہ بجانے کی بجائے آپ کے خود ہی تشریف لے

آنے کا انتظار کیا)۔

علامہ آلوسی رَحْمَۃُاللہ تَعَالٰی عَلَیْہِ اپنا طرزِ عمل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: میں نے یہ واقعہ بچپن میں پڑھا تھا، اس کے بعد میں عمر بھر اسی کے مطابق اپنے استادوں کے ساتھ معاملہ کرتا رہا۔ (روح المعانی، الحجرات، تحت الآیۃ:۵، ۱۳/ ۴۱۲)

☜ وہم، شک، ظن، یقین:-

آپ حضور نے فرمایا! کہ (انسان کو درپیش) چار چیزیں ہوتی ہیں (۱) وہم (۲) شک (۳) ظن (۴) یقین۔ وہم نہ ہونے کا ہوتا ہے۔ شک برابر ہوتا ہے دونوں کے درمیان، ظن یقین کے نزدیک ہوتا ہے۔ اور یقین تو پکا ہوتا ہے۔

(تسکین القلوب صفحہ نمبر ۱۲۶)

توضیح ملفوظ:-

انسان کو چند چیزیں درپیش ہوتی ہیں

وہم:-

وہم (Doubt) ایک دماغی کیفیت ہے جس میں دماغ دو یا ان سے زیادہ مفروضوں کے بیچ معلق رہتا ہے جو باہم متضاد ہوتے ہیں۔ اس میں ایک شخص ان مفروضوں میں سے کسی ایک پر بھی یقین کرنے کو تیار نہیں ہوتا ہے۔ جذباتی سطح پہ یہ یقین اور بے یقینی کے بیچ شش و پنج کی کیفیت ہے۔

شک:-

شک سے مراد کسی چیز کے ماننے یا قبول کرنے میں تذبذب کی حالت، عدمِ یقین، شبہہ، ریب، وہ کیفیت جس کے حق میں اور جس کے خلاف برابر شہادتیں ہوں یا جس کے جانبین میں موافق اور مخالف برابر ہوں

ظن:-

ظن سے مراد ایسی جگہ جہاں کسی چیز کے موجود ہونے کا گمان ہو۔ ظن (گمان)

کا اصل معنی شک اور تردد ہے، یہ یقین کی ضد ہے۔ اور کبھی یقین اور علم کے معنی پر بھی ظن کا اطلاق ہوتا ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں ہے کہ ظن بمعنی وہم۔ گمان۔ شبہ۔ بھرم۔ خیال۔ تُہمت۔ بہتان۔ کسی بات کے واقع ہونے یا نہ ہونے پر غلبہ۔ قریب بہ یقین۔ رائے۔ اغلب۔

یقین:-

یقین سے مراد یہ ہے کہ وہ اعتبار یا اعتماد جو کسی کے شک ڈالنے سے زائل نہ ہو، بھروسا، اطمینان، اعتقاد، ایمان، پکا عقیدہ۔